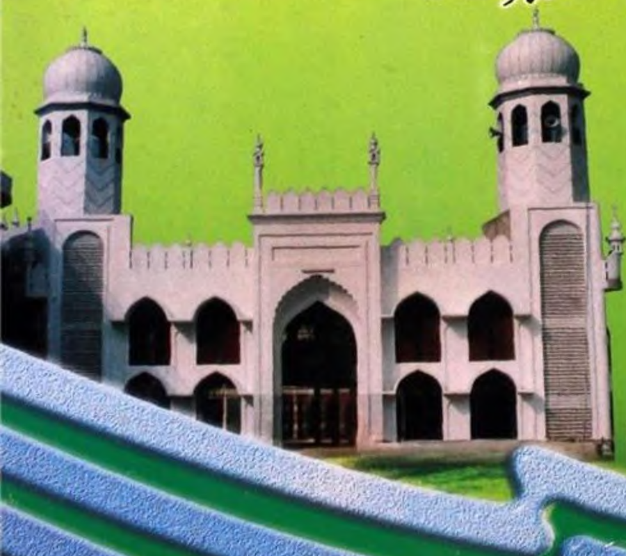
سہ ماہی فکرِ اسلامی بستی

اشاعت خاص

فقیہ ملت حضرت مولانا

قاضی مجاہد الاسلام قاسمی

اپریل تا ستمبر ۲۰۰۲ء



مدیر

محمد اسعد قاسمی

مرکز دعوت وارشاد دار العلوم الاسلامیہ بستی یوپی الہند



دارالعلوم الاسلامیہ کے صدر گیٹ کا ایک منظر



دفتر اہتمام اور مہمان خانہ کا جنوبی منظر

سہ ماہی فکر اسلامی بستی
دینی و علمی مجلہ

بیاد فقیہ ملت حضرت مولانا **قاضی مجاھد الاسلام** قاسمیؒ

زیر سرپرستی:- حضرت مولانا محمد باقر حسین صاحب دامت برکاتہم

مدیر
محمد اسعد قاسمی

شمارہ نمبر ——— ۲۷-۲۸
اپریل تا ستمبر ۲۰۰۲ء

زرِ تعاون
سالانہ 100 روپے
خصوصی شمارہ 50 روپے

کمپوزنگ: تصور حسین قاسمی
شعبۂ کمپیوٹر دار العلوم الاسلامیہ بستی

معاون تصحیح و طباعت: مولانا امتیاز احمد قاسمی

ناشر:- مرکز دعوت وارشاد دار العلوم الاسلامیہ بستی، یوپی (الہند)

فہرست عناوین

مجلات وجرائد کے آئینے میں

احوال وکوائف

☆☆☆

پیغام

مجھے مجلہ '' فکر اسلامی'' کے ذمہ داروں کے اس فیصلے سے بڑی مسرت ہے کہ وہ فقیہ ملت مجی ومکرمی حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب قاسمیؒ کی گراں قدر علمی ودینی، ملی واجتماعی خدمات کے پیش نظران سے متعلق ایک خصوصی اور یادگار نمبر شائع کرر ہے ہیں۔

حضرت قاضی صاحبؒ مجھ سے برادرانہ اور مخلصانہ تعلق رکھتے تھے اور بڑی محبت سے پیش آتے تھے، قاضی صاحبؒ کو'' **دارالعلوم الاسلامیہ** '' سے بھی گہرا اور مخلصانہ تعلق خاطر تھا جس کا اندازہ ان کے معائنے کی تحریر سے ہوتا ہے، بہت سے مواقع پر مختلف طریقوں سے انہوں نے '' **دارالعلوم** '' سے مخلصانہ تعاون کیا، ناچیز اور '' **دارالعلوم** '' سے اسی تعلق کی بنا پران کا یہاں کئی بار آنا ہوا، ایک بار فقہی ٹریننگ کے سلسلے میں اور آخری بار فقہ اکیڈمی کے اجلاس کے سلسلے میں یہاں طویل قیام فرمایا۔ اوراپنے گرانقدر علمی ودینی مشوروں سے طلبہ واساتذہ کو مستفید کیا۔

حضرت قاضی صاحبؒ کے ملت اسلامیۂ ہندیہ پر جو علمی وثقافتی احسانات ہیں اور اس سلسلے میں ان کی جو گراں قدر خدمات واقدامات ہیں ان کے پیش نظران خدمات کا تذکرہ کرنا ہماری موجودہ اور آئندہ نسلوں کے لیے چشم کشا، بصیرت افزا اور باعث رہنمائی ہوگا، اور اس طرح ان کے لیے علم ودین کی خدمت کے نادر نمونے اور لائق تقلید مثالیں سامنے آئیں گی، مسلم پرسنل لاء بورڈ، اسلامک فقہ اکیڈمی، ملی کونسل، امارت شرعیہ (بہارواڑیسہ) اوران کے علاوہ بھی دین وملت کے بہت سے اداروں تک اس '' مرد مجاہد'' کی جدوجہد، اور تجدید واجتہاد کے نقوش پھیلے ہوئے ہیں، جو ان کی یاد دلار ہے ہیں ۔

تلك آثارنا تدل علينا فانظروا بعدنا إلى الآثار

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آج کے نازک اور پُر آشوب دور میں قاضی صاحبؒ کا کوئی بدل ہی عطا فرمائے جو ملک وملت کی صحیح سمت میں رہنمائی کر کے انھیں ایک روشن مستقبل سے ہم کنار کرے۔

ہمیں امید ہے کہ قاضی صاحبؒ سے متعلق یہ نمبر مجلہ کے گذشتہ نمبروں کی طرح کامیاب ہوگا، اور ناظرین وقارئین کے قلب ونظر کو گرمی اور روشنی بخشے گا۔

والسلام

مخلص

(محمد باقر حسین) ۱۲/۵ ۱۴۲۳ھ

(حضرت مولانا) محمد باقر حسینؒ (صاحب مدظلہ)

فکر ونظر

از: مدیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فقیہ ملت حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ

ایک جامع شخصیت

۴؍اپریل ۲۰۰۲ء کا جب آفتاب غروب ہوا تو علم وعمل، دین وشریعت، فقہ وقانون، اور محاسن وفضائل کا ایک دوسرا آفتاب بھی غروب ہوگیا یعنی فقیہ ملت، قاضیٔ شریعت، صدر مسلم پرسنل لاء بورڈ حضرت مولانا مجاہد الاسلام قاسمیؒ نے طویل صبر آزما علالت کے بعد دہلی کے اپولو اسپتال میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ إنا للہ وإنا إلیہ راجعون.

قاضی صاحبؒ کی وفات کے ساتھ امارت شرعیہ بہار واڑیسہ یتیم ہوگئی، مسلم پرسنل لاء بورڈ بے زبان و بے ترجمان ہوگیا، ملی کونسل بے سہارا ہوگئی، فقہ اکاڈمی کی سرگرمیاں سرد پڑگئیں، انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز بے جان ہوگیا اور کتنے ہی علمی دینی ادارے، مدرسے اور خانقاہیں اور علم ودین کے مراکز بے چراغ ہوگئے۔

حضرت مولانا علی میاںؒ کے بعد قاضی صاحبؒ کی ذاتِ بابرکت کی شکل میں اللہ تعالیٰ نے ملت اسلامیہ ہند کو ایک نعم البدل عطا کیا تھا جو تھوڑے ہی عرصے تک اس کے پاس رہ سکا ؎

حیف در چشمِ زدن صحبتِ یار آخر شد ☆ روئے گل سیر ندیدیم وبہار آخر شد

قاضی صاحبؒ اس دور قحط الرجال میں ہمارے لئے اللہ کی ایک بڑی نعمت تھے، وہ ایک فرد نہیں ادارہ اور انجمن بلکہ مجمع علمی تھے، اکابر علماء دیوبند اپنے اپنے عہد میں علم وعمل

کی جامعیت کا نمونہ ہوتے تھے اور ملک وملت کی دینی ودنیوی رہنمائی کرتے تھے اور ایک جامع وہمہ گیر قیادت فراہم کرتے تھے، قاضی صاحبؒ اس دور انحطاط وزوال میں بھی اس کا ایک نمونہ تھے۔

انہوں نے ایک طرف قریب چالیس سال تک مفتی وقاضی کے فرائض انجام دیئے اور ہزاروں کی تعداد میں فتوے دیئے اور فیصلے کیے۔

دوسری طرف امارتِ شرعیہ کی تنظیم کو بہار کے علاوہ دوسرے صوبوں میں بھی پھیلانے اور متعارف کرانے کا کام بھی انجام دیا، پھر فقہ اکیڈمی قائم کرکے ملک میں بکھری ہوئی فقہی کوششوں اور علماء وفقہاء کو منظم کرنے اور انہیں ایک متفقہ ومتحدہ پلیٹ فارم پر لانے کی سعیٔ مشکور کی، پھر اسی پر اکتفا نہیں کی، بلکہ مسلمانوں کی دینی وقانونی رہنمائی کے لئے مسلم پرسنل لاء بورڈ اور سیاسی واجتماعی رہبری کے لئے ملی کونسل کی ذمہ داریاں سنبھالیں اور ملت کو ایک باشعور وباضمیر، باوقار وباکردار، طاقتور اور مؤثر قیادت فراہم کی۔

اس عہد میں وہ اپنے علم وعمل اور اپنے کارناموں کی بدولت علماء کا وقار واعتبار اور طبقۂ علماء کی آبرو تھے۔ ان جیسے خوش نصیب علماء وفقہاء کے لئے حدیث میں فرمایا گیا تھا کہ "من يرد الله به خيراً يفقهه في الدين" (اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ ارادۂ خیر کرتا ہے اسے دین کا فہم عطا کردیتا ہے)

قاضی صاحبؒ کو زمانۂ طالب علمی ہی سے فقہ سے خصوصی شغف تھا اور عمیق ودقیق فقہی مباحث اور متقدمین فقہاء کی مبسوط کتابوں کا گہرائی سے مطالعہ ان کا معمول بن گیا تھا، فقہ سے اسی فطری وطبعی مناسبت کی وجہ سے دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد جامعہ رحمانی مونگیر میں فقہی کتابوں کی تدریس آپ کے ذمہ ہوئی اور آپ نے اپنے درس میں اپنی فقہی صلاحیت ومہارت کا ثبوت فراہم کیا اور طلبہ کو اپنے درس سے مطمئن کیا۔
برسوں فقہ وشریعت کے درس وتدریس کے سبب فقہ پر آپ کی نظر میں اور وسعت وجامعیت اور گیرائی وگہرائی پیدا ہوئی اور امارت شرعیہ (بہار واڑیسہ) میں مفتی اور قاضی

کے عہدوں پر آپ کا تقرر ہوا اور آپ نے افتاء وقضاء کی ذمہ داریاں بھی انتہائی خوش اسلوبی سے انجام دیں اور قریب چالیس سال کے عرصے میں ہزاروں فتاویٰ اور فیصلے آپ کے قلم سے نکلے جو کتابی حوالوں سے بھی مدلل ہیں، اگر وہ فتاویٰ اور فیصلے کتابی شکل میں شائع ہوں تو کئی جلدوں میں آئیں گے۔

فقہاء میں بعض غیر معمولی صلاحیت والوں کو ''فقیہ النفس'' کہا جاتا ہے جن کو فقہ سے طبعی وفطری مناسبت ہوتی ہے، ہمارے قاضی صاحبؒ بھی ان فقہاء کرام میں شامل تھے جن پر اس لقب کا اطلاق بجا طور سے کیا جا سکتا ہے۔

قاضی صاحبؒ نے امارت شرعیہ کو ہر طرح ترقی دینے کی کوشش کی، اس کے دفتری نظام کو سنبھالا، اس کے مختلف شعبہ جات قائم کئے اور ان میں لائق وباصلاحیت افراد کا تقرر کیا، بہار واڑیسہ کے دیہات وقصبات میں امارت کی طرف سے خطباء اور واعظین ومبلغین بھیج کر عوام کو دینی واخلاقی تعلیمات سے روشناس کرانے کا سلسلہ بھی قائم کیا، فسادات اور ہنگامی حالات میں لوگوں کی مدد اور بحالی کے لئے فنڈ قائم کرایا، اس طرح ان کی علمی وتعلیمی صلاحیتوں کے ساتھ ان کی تنظیمی وانتظامی صلاحیتیں بھی سامنے آئیں اور امارت کا نظام ان کی تحریکی شخصیت کی بدولت ملک کے دوسرے صوبوں میں بھی قائم ہوا اور لوگوں میں نظامِ امارت اور نفاذِ شریعت کا جذبہ پیدا ہوا۔

امارت شرعیہ کو تقویت پہونچانے کے لئے انھوں نے المعهد العالی للتدریب فی القضاء والافتاء کا ادارہ قائم کیا جس کا مقصد علماء وفضلائے مدارس کو افتاء وقضاء کی عملی تربیت دینا تھا، اس ادارے کے ذریعے قاضی صاحبؒ نے سیکڑوں علماء وفضلاء کی تربیت کی اور انہیں افتاء وقضاء کی ذمہ داریوں کو سنبھالنے کے قابل بنایا، اس طرح انھوں نے مردم سازی اور دین وملت کی خدمت کا اہم فریضہ بطریقِ احسن انجام دیا۔

اسی کے ساتھ مولانا سجادؒ کے نام پر ایک چیریٹیبل لیکن جدید طرز کے اسپتال کے

قیام میں بھی وہ امیر شریعتؒ کے دست و بازو بنے رہے اور اپنی انتظامی صلاحیتوں کا ایک قابل تقلید اور لائق تحسین نمونہ قائم کیا اور طبقۂ علماء کے وقار میں اضافہ کیا۔ نیز امیر شریعتؒ کے انتقال کے بعد ان کے نام سے ''مولانا منت اللہ رحمانی ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ'' کا قیام بھی قاضی صاحبؒ کا ایک عظیم کارنامہ ہے۔

قاضی صاحبؒ اپنی فقہی مہارت، قانونی بصیرت اور تنظیمی صلاحیت کے سبب شروع ہی سے مسلم پرسنل لاء بورڈ کی مجلس عاملہ میں رہے اور بورڈ کے لئے موزوں و مفید ممبران کے انتخاب میں بھی ان کے مشورے شامل رہے، جب مولانا منت اللہ رحمانیؒ بورڈ کے جنرل سکریٹری مقرر ہوئے تو قاضی صاحبؒ پر نئی ذمہ داریوں کا بوجھ بڑھ گیا جسے انھوں نے خوشی کے ساتھ گوارا کیا، حضرت مولانا علی میاںؒ کے دور صدارت میں بھی وہ بورڈ کے اہم عہدوں پر رہے اور بورڈ کے فیصلوں اور تجویزوں میں برابر شریک رہے، پریس کانفرنسوں، دانشوروں اور وکلاء و جج صاحبان کو مسلم پرسنل لاء بورڈ کے موقف سے آگاہ کرنے اور بورڈ کا نقطۂ نظر عصری قانون کی اصطلاحات اور سیاق و سباق میں سمجھانے کے لئے مولانا علی میاںؒ بھی اکثر قاضی صاحبؒ کا نام تجویز فرماتے تھے اور قاضی صاحبؒ اس ذمہ داری سے بخوبی عہدہ برآ ہوتے تھے۔ اپنی ان خوبیوں اور خصوصیات کے سبب مولانا علی میاںؒ کے بعد بورڈ کی صدارت کے لئے قاضی صاحبؒ کا انتخاب متفقہ طور سے ہوا اور دو سال کے مختصر عرصے میں قاضی صاحبؒ بورڈ کو فعال بنانے اور اسے ملت کا معتبر و معتمد علیہ فورم بنانے میں پوری طرح منہمک رہے۔ اِس سال بابری مسجد کا مسئلہ جب ایک بار پھر شدت کے ساتھ سامنے آیا تو قاضی صاحبؒ شرعی موقف پر جمے رہے اور حکومت و فرقہ پرور جماعتوں کے آگے جھکنے سے انکار کردیا، جس سے بورڈ کے ساتھ پوری ملت کے وقار میں بھی اضافہ ہوا۔

اسلام کے عائلی قوانین کا جو مستند مجموعہ مولانا منت اللہ رحمانیؒ نے ممتاز علماء کی ایک

جماعت کے ذریعہ تیار کرایا تھا وہ سالہا سال گذرنے کے باوجود بعض اسباب وموانع کی بنا پر چھپ نہیں سکا تھا، قاضی صاحبؒ کی مسلسل دلچسپی اور کوشش سے وہ ''مجموعۂ قوانین اسلامی'' کے نام سے بورڈ کی طرف سے بڑی آب وتاب سے اشاعت پذیر ہوا اور ایک بہت بڑا کام یہ ہوا کہ اصل اردو کتاب کے علاوہ اس کا انگریزی ترجمہ بھی بڑے اہتمام کے ساتھ مسلم پرسنل لاء بورڈ کی طرف سے شائع کردیا گیا، یہ بلاشبہ قاضی صاحبؒ کے دور صدارت کا سب سے بڑا کارنامہ ہے۔

قاضی صاحبؒ ڈاکٹر منظور عالم صاحب کے ساتھ انسٹی ٹیوٹ آف اوبجیکٹیو اسٹڈیز کے قیام میں بھی شامل رہے جس نے نئے مسائل پر سمیناروں کی شکل میں علماء وماہرین فن کو یکجا کیا اور دونوں کو ایک دوسرے کا نقطۂ نظر سمجھنے کا موقع بہم پہونچایا، پھر قاضی صاحبؒ امارت شرعیہ بہار کے تحت مولانا سجادؒ ہاسپٹل، مولانا منت اللہ رحمانیؒ ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ اور المعهد العالى للتدريب فى القضاء والافتاء (پھلواری شریف) کے قیام میں بھی پیش پیش رہے۔

قاضی صاحبؒ کا خاص اور یادگار کارنامہ ''اسلامک فقہ اکیڈمی'' (انڈیا) کا قیام تھا جس کے ذریعہ انھوں نے ہندوستان بھر کے علماء وفقہاء کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کردیا تھا اور مختلف اوقات میں عصری مسائل میں شریعت کی رہنمائی حاصل کرنے کے لئے ان کی خدمات سے ملک وملت کو فائدہ پہونچاتے تھے اور ہر سال بڑے پیمانے پر نئے مسائل ومشکلات کے حل کے لئے قومی وبین الاقوامی سمینار کراتے اور اپنے فقہی مجلہ میں اس کی رپورٹ اور مضامین ومقالات شائع کراتے تھے۔

فقہ اکیڈمی صرف علمی اکیڈمی نہیں تھی بلکہ وہ نئے مسائل کے حل اور اجتہادی نقطۂ نظر اپنانے کی ایک فعال تحریک بھی تھی جس نے مختلف مسالک کے علماء وفقہاء کو ایک مشترکہ پلیٹ فارم فراہم کیا اور بدلے ہوئے حالات میں قوانین شریعت کی وکالت کے ساتھ

اتحاد ملت کا راستہ بھی ہموار کیا اور عصری تقاضوں کے تحت مختلف مذاہب فقہ سے کام لینے کا طریقہ بھی بتایا۔

قاضی صاحبؒ کو ملت کی وحدت واجتماعیت کی برابر فکر رہی اور وہ مسلمانوں کو ایک متحدہ ومتفقہ سیاسی وحدت وقوت بنانے کے لئے ہمیشہ فکرمند رہے، الکشن کے مواقع پر انھوں نے سیکولر پارٹیوں اور ان کے اچھے، ایماندار اور فعال نمائندوں کی حمایت کی اور ضرورت ہوئی تو ان کے حق میں بیان جاری کیا، لیکن بابری مسجد کی شہادت کے بعد ملکی سیاست میں جس طرح فرقہ پرست جماعتوں کا عروج ہوا اور سیکولر پارٹیاں پیچھے رہ گئیں اور اس کے نتیجے میں فسادات کا لامتناہی سلسلہ چل پڑا، امن وامان غارت ہوگیا، اقلیتوں کے لئے روزگار کے مواقع کم ہوگئے بلکہ ان کی جان مال کے لالے پڑ گئے تو ملت کے دوسرے رہنماؤں کے ساتھ قاضی صاحبؒ کو بھی اس نازک صورت حال سے بڑی فکر وتشویش لاحق ہوئی اور انہوں نے ایک باقاعدہ جماعت ''آل انڈیا ملی کونسل'' کے نام سے قائم کی اور دوسری سیکولر پارٹیوں اور ان کے اچھے امیدواروں کے حق میں اپیلیں جاری کیں، جن کا خاطر خواہ اثر پڑا اور سیکولر جماعتوں کانگریس، کمیونسٹ، ایس پی اور بی ،ایس، پی کے بہت سے امیدوار جیت گئے اور یوپی میں بی، جے، پی اور اس کے اتحادیوں کو بھاری شکست ہوئی۔

ملی کونسل خالص سیاسی جماعت نہیں ہے تاہم وہ سیاست پر اثر انداز ضرور ہے، اس کے مقاصد بہت سارے ہیں۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ مسلمانوں کو تمام میدانوں میں اٹھانا اور بکھری ہوئی صلاحیتوں کو مجتمع کر کے ملت کے کام میں لگانا اس کا بنیادی مقصد ہے۔

''ملی کونسل'' مسلمانوں کی سیاسی رہنمائی کے لئے بھی سرگرم ہے اور اس سے ملت کی توقعات بہرحال قائم ہیں، اگر اس کی خدمات جاری رہیں تو وہ مسلمانوں کی ایک سیاسی اور نمائندہ پارٹی بن کر فرقہ پرستی کا مقابلہ کرے گی۔

قاضی صاحبؒ قضاء وافتاء کی سرگرمیوں کے ساتھ ایک اچھے محقق اور مصنف بھی تھے، فقہی مسائل پر رسائل وجرائد میں آپ کے مضامین نکلتے رہتے تھے، جب سے انہوں نے ''بحث ونظر'' جاری کیا تو اس میں برابر ان کے مضامین آتے رہے، اردو عربی میں فقہی موضوعات پر ان کے قلم سے متعدد کتابیں نکلیں جن سے فقہی ذخیرے میں خاصا اضافہ ہوا، انہوں نے بعض فقہی مخطوطات کی تدوین وتحقیق بھی کی۔ مجموعی طور سے ان کی کتابوں اور رسالوں کی تعداد ۳۵ر کے قریب ہے جن میں مندرجہ ذیل بہت اہمیت رکھتی ہیں۔

عربی میں الوقف، نظام القضاء فی الاسلام، قضایا فقهية معاصرة، فقه المشكلات، صُنوان القضاء (٤ جلدين) اور اردو میں خطبات بنگلور، کتاب العشر والزکاۃ، اسلامی عدالت، اوقاف، مباحث فقہیہ اور آداب قضاء وغیرہ۔ فتاویٰ امارت شرعیہ، نظام الفتاویٰ جیسی اہم کتابیں بھی آپ کے تدوین وترتیب کی رہین منت ہیں۔

اِس مختصر نمبر کے ذریعے حضرت قاضی صاحبؒ کے اوصاف وکمالات اور محاسن وفضائل کی قدر شناسی کا حق تو ادا نہیں ہوسکتا، البتہ یہ ملت کے ایک محسن کی قدر دانی واعتراف اور اسے خراج عقیدت پیش کرنے کی ایک حقیر لیکن ضروری کاوش ہے، علماء وفضلاء کے ان تأثرات اور تحریروں کے ذریعے انشاء اللہ وہ خاکہ تیار ہوسکے گا جس میں ان کے سوانح نگار صحیح رنگ بھر سکیں گے اور قاضی صاحبؒ کی صحیح اور سچی تصویر سامنے آسکے گی۔

مولانا مجاہد الاسلام قاسمی: ایک نظر میں

نام : (قاضی) مجاہدالاسلام قاسمی
والد کا نام : مولانا عبدالاحد قاسمیؒ
(شاگرد رشید شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ)
تاریخ پیدائش : ۹/اکتوبر ۱۹۳۶ء
تعلیمی لیاقت : فاضل دارالعلوم دیوبند ۱۹۵۵ء

عہدے اور ذمہ داریاں

۱- صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ
۲- بانی وسکریٹری جنرل اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا)
۳- چیف قاضی امارت شرعیہ بہار، اڑیسہ وجھارکھنڈ
۴- سکریٹری جنرل آل انڈیا ملی کونسل
۵- اکسپرٹ ممبر انٹرنیشنل اسلامک فقہ اکیڈمی جدہ
۶- ممبر اسلامک فقہ اکیڈمی مکہ المکرمۃ
۷- نائب امیر شریعت امارت شرعیہ بہار واڑیسہ
۸- چیئرمین وفاق المدارس الاسلامیہ، بہار
۹- رکن اساسی شریعہ بورڈ آف الامین اسلامک فائنانشیل فاؤنڈیشن
۱۰- ممبر المجمع العلمی العالی دمشق، شام
۱۱- رکن اعزازی الهيئة الخيرية الاسلامية العالمية، کویت
۱۲- سکریٹری مولانا سجاد ہاسپٹل، امارت شرعیہ پھلواری شریف، پٹنہ، بہار
۱۳- ممبر گورننگ باڈی انسٹی ٹیوٹ آف اوبجیکٹیو اسٹڈیز، نئی دہلی (انڈیا)
۱۴- بانی وصدر المعہد العالی للتدریب فی القضاء والافتاء، پھلواری شریف، پٹنہ، بہار
۱۵- صدر مولانا منت اللہ رحمانی ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ، پھلواری شریف، پٹنہ، بہار

۱۶- چیف ایڈیٹر، سہ ماہی بحث ونظر، نئی دہلی

۱۷- سرپرست ماہنامہ ملی اتحاد، نئی دہلی

تصنیفات وتالیفات

۱-	الوقف	بیروت، لبنان سے شائع شدہ	(عربی)
۲-	نظام القضاء فی الاسلام	بیروت سے شائع شدہ	(عربی)
۳-	قضایا فقہیہ معاصرہ		(عربی)
۴-	فقہ المشکلات		(عربی)
۵-	الذبائح		(عربی)
۶-	صنوان القضاء	چار ضخیم جلدیں، کویت سے شائع شدہ	(عربی)
۷-	دراسۃ فقہیہ		(عربی)
۸-	دراسۃ علمیہ		(عربی)
۹-	بحوث فقہیہ		(عربی)
۱۰-	میڈیکل ایشوز		(انگریزی)
۱۱-	اسلامی عدالت	پاکستان وہندوستان میں شائع شدہ	(اردو)
۱۲-	مجلہ فقہ اسلامی	جلد اول	(اردو)
۱۳-	مجلہ فقہ اسلامی	جلد دوم	(اردو)
۱۴-	مجلہ فقہ اسلامی	جلد سوم	(اردو)
۱۵-	مجلہ فقہ اسلامی	جلد چہارم	(اردو)
۱۶-	مجلہ فقہ اسلامی	جلد پنجم، دو حصے	(اردو)
۱۷-	مجلہ فقہ اسلامی	جلد ششم، دو حصے	(اردو)
۱۸-	ضرورت وحاجت		(اردو)
۱۹-	اشتراط فی النکاح		(اردو)
۲۰-	طبی اخلاقیات		(اردو)
۲۱-	خطبات بنگلور		(اردو)

۲۲-	فتاویٰ امارت شرعیہ	جلد اول	(اردو)
۲۳-	فتاویٰ امارت شرعیہ	جلد دوم	(اردو)
۲۴-	کتاب العشر والزکوٰۃ		(اردو)
۲۵	کتاب الفسخ والتفریق		(اردو)
۲۶-	اوقاف		(اردو)
۲۷-	حج وعمرۃ		(اردو)
۲۸-	جدید تجارتی شکلیں		(اردو)
۲۹-	ولایت نکاح		(اردو)
۳۰-	بیع بالتقسیط		(اردو)
۳۱-	شیئرز اور کمپنی		(اردو)
۳۲-	مباحث فقہیہ		(اردو)
۳۳-	آداب قضاء	زیر طباعت	(اردو)
۳۴-	نظام الفتاویٰ	جلد اول	(اردو)
۳۵-	نظام الفتاویٰ	جلد دوم	(اردو)
۳۶-	چیف ایڈیٹر "بحث ونظر"		(اردو)

نمایاں خدمات اور مشاغل

۱- قاضی مجاہد الاسلام صاحب کی سب سے بڑی خدمت وخصوصیت یہ شمار کی جاتی ہے کہ مسلمانوں کے روزمرہ پیش آنے والے مسائل پر خواہ وہ سیاسی ہوں یا معاشی وتجارتی آپ کی گہری نظر رہتی اور آپ اسے اپنی ذہانت وفراست سے امت کے مفاد میں حل کرنے کی کوشش کرتے، سماجی مسائل جیسے نکاح، طلاق، میراث وغیرہ، اسی طرح سیاسی محاذ پر ملی جدوجہد اور دیگر مسائل کو سلجھانے اور حل کرنے پر آپ کی پوری توجہ رہتی۔ آپ ایک طویل عرصہ تک دارالقضاء امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ کے قاضی رہے، اس کے استحکام نیز اس کے دائرہ کار کی وسعت کے لئے آپ نے غیر معمولی جدوجہد فرمائی،

چنانچہ اس وقت مرکزی دارالقضاء کی اٹھارہ شاخیں ملک کے تین صوبے بہار، اڑیسہ وجھارکھنڈ کے مختلف علاقوں میں اپنا فریضہ ادا کررہی ہیں، ملک بھر کے مسلمانوں نے اسے بنظر تحسین دیکھا اوران کی خدمات کو سراہا۔

۲- مسلم پرسنل لاء بورڈ جو ہندوستان کے مختلف مسالک ومکاتب فکر اور فرقوں سے تعلق رکھنے کے لیے تمام مسلمانوں کا متحدہ ومشترکہ پلیٹ فارم ہے اور ہندوستان میں شریعت اسلامیہ کے تحفظ وبقاء کے میدان میں اس کی خدمات قابل قدر ہیں، موصوف ۱۹۷۲ء میں اس کے قیام کے وقت سے اس کے انتہائی فعال رکن رہے اور بورڈ کے دوسرے صدر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی وفات کے بعد ۱۵۱ رکنی بورڈ نے باتفاق رائے آپ کو بورڈ کا صدر منتخب کیا۔

۳- موصوف نے ۱۹۸۹ء میں اسلامک فقہ اکیڈمی کی بنیاد رکھی اور اس وقت سے ہی آپ اس کے سکریٹری جنرل رہے، آپ کی قیادت میں اکیڈمی نے جدید مسائل کے شرعی حل کی دریافت، مختلف المسالک علماء کے اتحاد، طلبائے مدارس کی تربیت اور جدید فقہی موضوعات پر وقیع لٹریچر کی تیاری کے میدان میں بڑا ہی عظیم الشان کام انجام دیا، جس کی گونج ملک سے نکل کر بیرون ملک میں بھی سنائی دی۔

۴- اکیڈمی کی جانب سے ۲۰۰۱ء تک ملک کے مختلف صوبوں میں تیرہ فقہی سمینار منعقد ہوئے جن میں ملک بھر سے شریک نمائندہ علماء نے چالیس سے زائد جدید مسائل ومشکلات پر غور وخوض کرکے اجتماعی فیصلے کئے، طلباء مدارس کے لیے متعدد تربیتی کیمپس اور فقہی مذاکرے نیز جدید موضوعات پر لکچرس بھی کرائے، اکیڈمی کے تحت آپ نے ۴۰؍ جلدوں پر مشتمل فقہی انسائیکلوپیڈیا کا اردو میں مکمل ترجمہ بھی کرایا جو اب اشاعت کے لیے تیار ہے۔

۵- قاضی صاحب موصوف نے آل انڈیا ملی کونسل قائم فرمائی، جس نے قلیل ترین

مدت میں ملک کے مختلف صوبوں اور ضلعوں میں اپنی فعال شاخیں قائم کر لیں اور پورے ملک کے پیمانے پر اسے اعتبار و شناخت حاصل ہوئی ہے، ملی کونسل نے بلا لحاظ مسلک وفرقہ صرف کلمہ واحدہ کی بنیاد پر ملک کے تمام مسلمانوں کی نمائندگی کی ہے اور اس کا بنیادی مقصد مسلمانوں کی مجموعی اور اجتماعی ترقی ہے۔ یعنی تعلیمی، مذہبی، سماجی اور سیاسی تمام میدانوں میں مسلم معاشرہ کے ہر طبقہ کو ترقی و سربلندی کا مقام عطا کرنا ہے۔

۶- آپ کی تمام تر جدو جہد کا مرکز ومحور یہ تھا کہ تمام مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر متحد کیا جائے، اتحاد ملی کی روح آپ کی ہر کاوش وعمل میں جاری وساری رہا کرتی۔

۷- مسلمانوں کے نوع بہ نوع مسائل ومشکلات کے حل کے لیے آپ کی جدو جہد کا دائرۂ کار بڑا پھیلا ہوا اور وسیع تھا، آپ تقسیم کار کے اصول کو اپناتے ہوئے اپنے معاونین کے ذریعہ سارے کام انجام دیا کرتے تھے اور اسی غرض کی خاطر آپ مختلف علمی وتنظیمی اداروں کے سربراہ وسرپرست بنائے گئے۔

۸- ملک اور ملک سے باہر مسلمانوں کو درپیش مختلف قسم کے مسائل سے آپ خاص دلچسپی رکھتے تھے اور دنیا کی دیگر مختلف تنظیموں واداروں کے ساتھ آپ کا علمی تعاون اور مثبت رول برابر برقرار رہا۔

۹- ایک ہفتہ قبل آپ کی نئی تصنیف مباحث فقہیہ کے نام سے منظر عام پر آئی ہے جس میں آپ کا مکمل تعارف بھی شامل ہے۔

(جاری کردہ: آفس اسلامک فقہ اکیڈمی، انڈیا)

☆☆☆

حضرت قاضی صاحب علیہ الرحمۃ

حالات وواقعات کے آئینہ میں

از:- مولانا مفتی محمد جنید عالم ندوی قاسمی
صدر مفتی امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ

ذہانت وفطانت میں ممتاز، سیاسی شعور، اجتماعی بیدار مغزی، امت کی خیر خواہی کے جذبہ سے سرشار، علم وتقویٰ میں فائق، رشد وہدایت کے پیکر، کتاب اللہ، احادیث نبویہ اور آثار صحابہ پر گہری نظر، شریعت کے مزاج سے پورے طور سے واقف، غیر معمولی تدبر وتدبیر، افراد سازی اور معاشرہ میں شرعی احکام کی تنفیذ میں ید طولیٰ رکھنے والے، للّٰہیت کے ساتھ عشق خداوندی، فراست ایمانی، امت مسلمہ کی فکر وغم اور درد والم میں ڈوبے ہوئے، آسمان فقہ وفتاویٰ کے روشن ستارہ، فقہی ذخائر کے سمندر میں غوطہ لگا کر انمول موتی چننے والے، امارت شرعیہ بہار، آڑیسہ وجھارکھنڈ کے قاضی القضاۃ ونائب امیر شریعت، مسلم پرسنل لاء بورڈ، المعہد العالی، دار العلوم الاسلامیہ زیر نگرانی امارت شرعیہ اور جامعہ اسلامیہ قرآنیہ سمرا مغربی چمپارن کے صدر، اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا اور ملی کونسل کے بانی وجنرل سکریٹری اور بے شمار دینی درسگاہوں اور قومی وملی تنظیموں کے سربراہ حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحب علیہ الرحمہ قصبہ جالہ ضلع دربھنگہ میں ۱۹ر اکتوبر ۱۹۳۶ء میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم گھر ہی پر ہوئی، عربی کی متوسطات تک کی تعلیم مدرسہ محمود العلوم دملہ، مدرسہ امدادیہ دربھنگہ اور دار العلوم مئو ناتھ بھنجن میں حاصل کی، ۱۹۵۱ء سے ۱۹۵۵ء تک دار العلوم دیوبند میں زیر تعلیم رہے اور وہاں آپ کو استاذ

الاساتذہ حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، علامہ بلیاویؒ، حضرت مولانا فخر الحسن مرادآبادیؒ، حضرت مولانا محمد حسین بہاریؒ، حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ اور دیگر اکابر علماء سے استفادہ کا شرف حاصل ہوا، ۱۹۵۵ء میں مادر علمی دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد امیر شریعت رابع حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانی علیہ الرحمۃ کی نظر انتخاب آپ پر پڑی اور آپ بحیثیت استاذ جامعہ رحمانی مونگیر تشریف لے گئے، وہاں ۱۹۵۵ء سے ۱۹۶۱ء تک رہے اور عربی کی ابتدائی کتابوں سے لے کر منتہی کتابوں تک کا درس دیا اور باکمال اور کامیاب مدرس کی حیثیت سے رہے، آپ کے درس کا شہرہ دور، دور تک رہا۔ جب حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ امیر شریعت رابع منتخب ہوئے تو ان کو ایسے افراد کی ضرورت محسوس ہوئی جو امارت شرعیہ کی چلتی ہوئی گاڑی کو تیزی کے ساتھ آگے لے کر جائیں، آپؒ کی پہلی نظر حضرت قاضی صاحبؒ پر پڑی اور حضرت امیر شریعت رابعؒ نے حضرت قاضی صاحبؒ کو ناظم اور قاضی کی حیثیت سے امارت شرعیہ بھیجا۔ حضرت قاضی صاحب علیہ الرحمہ نے تدریسی خدمات پر عوامی رابطے اور قوم وملت کی خدمات کو ترجیح دی اور ۱۹۶۱ء میں امارت شرعیہ سے منسلک ہوئے اور اس کو ایک عقیدہ کی حیثیت سے قبول فرمایا اور امارت شرعیہ کو ترقی کے بام عروج پر پہونچایا۔ آپ امارت شرعیہ کے رُوح رواں رہے اور اس کی آواز و پیغام کو ملک کے گوشہ گوشہ اور کونے کونے میں بلکہ بیرون ملک بھی پہونچایا اور ہر جگہ اس کا تعارف کرایا اور اس کے قیام کی ضرورت کو بتلایا اور آپ اس کی آواز لے کر موزمبیق ساؤتھ افریقہ کے ایوانوں میں گئے اور یہ ثابت کیا کہ یہاں کے مسلمانوں کے لئے پرسنل لاء ضروری ہے۔

آپ ۱۹۶۱ء سے لے کر تادم حیات امارت شرعیہ کی خدمت کرتے رہے، صرف ۱۹۶۹ء میں حضرت امیر شریعت مولانا سید منت اللہ رحمانی علیہ الرحمہ کے حکم پر ایک سال کے لئے جامعہ رحمانی تشریف لے گئے اور دورۂ حدیث کی کتابیں پڑھائیں۔

حضرت قاضی صاحب علیہ الرحمہ ۲۰ر محرم الحرام ۱۴۲۳ھ مطابق ۴ر اپریل ۲۰۰۲ء بروز جمعرات بعد نماز مغرب بوقت ۷ر بجے رات بمقام اپولو ہسپتال نئی دہلی اپنی جان جان آفریں کو سپرد کر دی اور پوری امت مسلمہ کو یتیم چھوڑ کر اپنے رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔ (إنا لله وإنا إليه راجعون)

حضرت قاضی صاحبؒ بے پناہ صلاحیتوں اور بے شمار خوبیوں کے مالک تھے، ایسا شخص جو ہر طبقہ ہر جماعت پر یکساں اثر انداز ہو اور ہر میدان اور ہر مجمع پر چھا جائے اور حاضرین کے معیار کو سامنے رکھتے ہوئے ان کے معیار کے مطابق بات کر کے اپنی بات حاضرین کو سمجھا دے، ایسی شخصیت میری آنکھوں نے نہیں دیکھی اور سچی بات یہ ہے کہ اس طرح کی شخصیتیں صدیوں میں پیدا ہوتی ہیں ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

آپ کی تمام خوبیوں اور صلاحیتوں میں نمایاں خوبی اور نمایاں صلاحیت تفقہ کی تھی، جدید مسائل کو کتاب وسنت، آثار صحابہ اور اقوال فقہاء کی روشنی میں مستنبط کرنے کی غیر معمولی صلاحیت اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی تھی، آپ نے اس صلاحیت کا بھر پور استعمال کیا، بے شمار جدید مسائل حل کر کے امت کی ضرورتیں پوری فرمائیں اور اس میدان میں بہت سے رجال کار بھی تیار کئے۔ اسلامک فقہ اکیڈمی قائم کر کے اس کے ذریعہ درجنوں فقہی سمینار منعقد فرمایا اور علماء ومفتیان کرام خاص طور سے نوجوان فضلاء کو فقہی موضوعات پر لکھنے اور حالات کے پیش نظر پیدا ہونے والے مسائل کو کتاب وسنت، آثار صحابہ اور اقوال فقہاء کی روشنی میں حل کرنے کی سوجھ بوجھ عطا فرمائی۔

۱- ۱۹۸۵ء سے قبل بھی حضرت قاضی صاحب علیہ الرحمہ کو ایک دو مرتبہ اپنے علاقہ میں دیکھنے اور تقریر سننے کا اتفاق ہوا ہے، لیکن اس وقت میرا شعور بیدار نہیں تھا اور

غالباً مصافحہ کا موقع نہیں ملا۔ پہلی مرتبہ ۱۹۸۵ء میں جب کہ میں دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں زیر تعلیم تھا، اس وقت ندوۃ العلماء میں تبدیلی نصاب پر ایک سیمینار منعقد ہوا، جس میں ملک کے اکابر علماء شریک ہوئے، حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحبؒ نے بھی شرکت فرمائی، موجودہ ناظم امارت شرعیہ حضرت مولانا انیس الرحمٰن قاسمی صاحب آپ کے ہمراہ تھے، میں ملاقات کی غرض سے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا، مولانا انیس الرحمٰن قاسمی نے میرا تعارف کرایا، حضرت علیہ الرحمہ چونکہ میرے علاقہ سے واقف تھے اور میرے والد صاحب مرحوم سے برادرانہ تعلق تھا اس لئے بہت خوش ہوئے، سیمینار میں ندوۃ العلماء کے اساتذہ اور طلبہ بھی شریک تھے اس وجہ سے میری بھی شرکت رہی، مقالات پڑھے گئے، بحثیں بھی ہوئیں، اخیر میں ایک کمیٹی بنادی گئی جس کے کنوینر حضرت قاضی صاحبؒ تھے، کمیٹی نے پوری بحث کے بعد تجاویز مرتب کی اور حضرت قاضی صاحبؒ نے بحیثیت کنوینران تجاویز کو پڑھ کر سنایا، تجاویز سنانے سے قبل تقریباً ۲۰ رمنٹ حضرت نے تمہیدی گفتگو فرمائی اور پورے مجمع پر چھا گئے، جس وقت آپ گفتگو فرمارہے تھے پورے مجمع پر سناٹا چھایا ہوا تھا، آپ نے فرمایا:

''مجھے ہندوستان کے بیشتر چھوٹے بڑے مدارس میں جانے کا اتفاق ہوا، اساتذہ وطلبہ سے تبادلۂ خیال کا موقع ملا، میں پورے وثوق کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہوں کہ تبدیلی نصاب پر اجماع صریح نہیں تو اجماع سکوتی بہر حال ہو چکا ہے، کون ہے جو ملا مبین، شمس بازغہ اور فلاں فلاں کتاب پڑھا دے، لیکن ایسی تبدیلی بھی صحیح نہیں کہ نصاب کی روح ختم ہو جائے''۔

اس مختصر سی تمہیدی تقریر سے وہاں موجود سبھی لوگ متاثر ہوئے، اور اگلے روز مولانا سید سلمان الحسینی الندوی صاحب کی دعوت پر ندوۃ العلماء کے ''عباسیہ ہال'' میں حضرت قاضی صاحب علیہ الرحمہ نے ''امارت شرعیہ کی اہمیت اور دارالقضاء کا قیام'' کے موضوع

پر تقریباً سوا گھنٹے تک خطاب فرمایا، دارالعلوم ندوۃ العلماء کے اساتذہ اور طلبہ سے پورا ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا اور آپ نے پوری جرأت اور بے باکی کے ساتھ کتاب وسنت، اقوال صحابہ اور اقوال فقہاء کی روشنی میں اس موضوع پر سیر حاصل بحث کی، اور بہت ہی مؤثر گفتگو فرمائی۔ آپ جب رد المحتار، قاضی خاں، الفتاویٰ الهندية اور دیگر کتب فقہ کی عبارتیں زبانی سنانے لگے تو سامعین آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگے اور ندوہ کی سرزمین میں آپ کی خطابت کا ڈنکا بجا، اور ہر چہار جانب آپ کی تقریر کا چرچا رہا۔

۲- حضرت قاضی صاحب علیہ الرحمہ کو اللہ تعالیٰ نے مخاطب لوگوں کے معیار کے مطابق ان کی زبان میں گفتگو کرنے اور ان کو اپنی بات سمجھانے کی غیر معمولی صلاحیت عطاء فرمائی تھی، جب لکھنؤ اور کانپور کے شہریوں کے سامنے تقریر کرتے تو ایسا محسوس ہوتا کہ اردو زبان کا بہت بڑا ادیب بول رہا ہے، اور جب بہار کے گاؤں والوں اور دیہاتیوں کے سامنے تقریر کرتے تو ان کو بھی ان کی زبان میں اپنی بات سمجھا دیتے۔ کسی بھی موضوع پر گفتگو فرماتے تو اس کے کسی بھی گوشہ کو تشنہ نہیں چھوڑتے۔ آپ بے مثال خطیب تھے، آپ نے جہاں بھی تقریر فرمائی خواہ ہندوستان میں یا ہندوستان سے باہر، ہر جگہ چھائے رہے۔ ۱۹۸۱ء میں جب کہ میں جامعہ عربیہ ہتھورا باندہ (یوپی) میں زیر تعلیم تھا، اس وقت پہلی مرتبہ حضرت قاضی صاحب علیہ الرحمہ کانپور بحیثیت مقرر تشریف لے گئے، مغرب کی نماز کے بعد جلسۂ عام تھا، اس سے قبل ۱۲ ربجے دن میں جامع العلوم کی دار الحدیث میں شہر کے تمام مدارس کے اساتذہ وطلبہ اور دیگر علماء کا اجتماع ہوا، آپ نے ایسی مؤثر گفتگو فرمائی کہ حاضرین کی آنکھیں اشکبار ہوگئیں اور کچھ زار و قطار رونے لگے، رات میں جب مجمع عام سے خطاب فرمایا تو مجمع میں شریک لوگوں کا بیان تھا کہ صرف چند منٹ کے لئے حاضر ہوئے تھے لیکن ڈھائی گھنٹہ کی تقریر کے بعد جب بات ختم ہوئی تو یہ خواہش باقی

رہی کہ کاش کچھ دیر اور تقریر ہوتی۔ سامعین کی تشنگی باقی رہی اور پورا مجمع گویا کہ زبان حال سے یہ مطالبہ کر رہا تھا کہ کچھ دیر اور۔

حضرت امیر شریعت مولانا سید نظام الدین صاحب مدظلہ نے ایک واقعہ سنایا کہ حیدر آباد میں مسلم پرسنل لاء بورڈ کے ایک اجلاس میں حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ۴۵ رمنٹ کی تمہیدی تقریر کی، تقریر ایسی زبردست اور مؤثر رہی کہ ان کے بعد کسی بھی مقرر نے تقریر کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی اور حضرت قاری محمد طیب صاحب علیہ الرحمہ جیسا مقرر بھی یہ کہنے پر مجبور ہو گیا کہ اس تقریر کے بعد کسی دوسری تقریر کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اس کے بعد تقریر کرنا مولانا مجاہد الاسلام قاسمی صاحب کی اس تقریر کو بے اثر کر دینا ہے۔

۱۹۸۶ء میں جب شاہ بانو والا کیس سامنے آیا اور یہاں کی عدلیہ نے یہ فیصلہ دیا کہ شوہر پر لازم ہے کہ مطلقہ کو تا حیات یا تا نکاح ثانی نفقہ دے۔ اس غیر شرعی فیصلے کے خلاف پورے ملک میں مسلم پرسنل لاء بورڈ کی طرف سے تحریک چلائی گئی، اس وقت امیر شریعت رابع حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانی علیہ الرحمہ کے ہمراہ حضرت قاضی صاحبؒ تھے، پورے ملک کا دورہ کیا اور ہر جگہ جا کر مسلم پرسنل لاء کو تفصیل سے سمجھایا۔

اسی موقع سے لکھنؤ کے بیگم محل پارک میں مسلم پرسنل لاء بورڈ کا اجلاس تھا، حضرت قاضی صاحبؒ بھی تشریف لائے ہوئے تھے اس میں میں بھی شریک تھا، حضرت قاضی صاحب علیہ الرحمہ نے تفصیل سے مسلم پرسنل لاء کو سمجھایا اور اس کی اہمیت و نزاکت بتلائی، آپ کی تقریر کے بعد اس اجلاس کے صدر حضرت مولانا علی میاں ندوی نور اللہ مرقدہٗ کو کہنا پڑا، کہ ”خوش قسمت صدر وہ ہے جس کے مقررین نے اس کو کچھ کہنے سے بے نیاز کر دیا ہو، مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کی تقریر کے بعد اب کسی تقریر کی ضرورت اور گنجائش باقی نہیں رہی“۔

غالباً ۱۹۷۵ء میں حکومت نے متبنیٰ بل پاس کرنے کا ارادہ کیا، مسلمانوں کی طرف سے اس پر احتجاج ہوا کہ مسلمانوں کو اس سے مستثنیٰ قرار دیا جائے، اس لئے کہ یہ قانون قرآنی حکم کے خلاف ہے، لے پالک کو حقیقی اولاد کا درجہ نہیں دیا گیا، حکومت کی طرف سے چالیس ایم پی پر مشتمل ایک وفد پورے ہندوستان کی عوام کی رائے معلوم کرنے کے لئے بھیجا گیا، مختلف جگہوں پر کیمپ لگایا گیا، ایک کیمپ کلکتہ اسمبلی میں بھی لگایا گیا، امارت شرعیہ سے حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب علیہ الرحمہ، موجودہ امیر شریعت حضرت مولانا سید نظام الدین صاحب مدظلہ العالی اور مولانا فداء الرحمٰن صاحب قاسمی مبلغ امارت شرعیہ پر مشتمل ایک وفد کلکتہ پہونچا، اسمبلی عوام خواص سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی، حضرت قاضی صاحب علیہ الرحمہ نے اس مسئلہ کو پوری وضاحت کے ساتھ سمجھایا اور قرآن وحدیث سے حوالہ دینے کے بجائے اس کے عقلی نقصانات کو بتایا اور اس بل میں کیا خرابیاں ہیں اور کیا نقصانات ہیں اور اس کے خلاف اسلام کا جو قانون ہے اس کے کیا فوائد ہیں، تفصیل سے بیان فرمایا۔ مجلس جب ختم ہوئی تو حکومت کی طرف سے آنے والے وفد کی چیئرمین جو ایک خاتون تھیں باہر آئیں اور یہ کہا کہ پورے ہندوستان میں اس طرح اس مسئلہ کو کسی نے نہیں سمجھایا جیسا کہ آپ نے سمجھایا ہے۔ حضرت قاضی صاحب علیہ الرحمہ کے بیان سے پورا وفد کافی متاثر ہوا اور وفد کی رپورٹ پر حکومت نے مسلمانوں کو اس قانون سے مستثنیٰ قرار دیا۔

۳- اللہ تعالیٰ نے حضرت قاضی صاحب علیہ الرحمہ کو بہت ساری خوبیوں سے نوازا تھا، ان میں سے ایک بہت بڑی خوبی یہ بھی تھی کہ جب کسی مجمع میں انتشار پیدا ہوتا اور مجمع کنٹرول سے باہر ہو جاتا تو ایسے موقع سے حضرت قاضی صاحب "فوراً چند منٹوں میں کنٹرول کر لیتے تھے اور انتشار سکون میں تبدیل ہو جاتا۔ ۱۹۸۱ء میں بہار کی مشہور ومعروف دینی درسگاہ جامعہ اسلامیہ قرآنیہ سمرا مغربی چمپارن (جس نے خصوصاً قرآن کے معاملہ میں بے

مثال خدمات انجام دی ہیں) میں سالانہ جلسہ تھا، حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بھی دعوت دی گئی تھی، ان کا آنا یقینی تھا لیکن کسی وجہ سے نہیں آسکے، ان کے نام پر بہت بڑا مجمع اکٹھا ہو گیا تھا، لوگوں کا سیلاب تھا اور مجمع کنٹرول سے باہر تھا، کوئی ایسا مقرر نہیں تھا جو مجمع کو کنٹرول کر سکے، حضرت قاضی صاحبؒ پہونچے اور مدرسہ میں داخل ہوتے ہی کمرے میں جانے کے بجائے اسٹیج پر گئے اور تقریباً ۲۰ رمنٹ کی ایسی مؤثر اور انقلابی تقریر کی کہ مجمع سے انتشار کی کیفیت ختم ہوگئی اور سب لوگ بغور تقریر سننے لگے۔

احمد آباد میں ۱۹۹۴ء میں مسلم پرسنل لاء بورڈ کا انتخابی اجلاس تھا، اس موقع سے بعض مقررین نے طلاق ثلاثہ کا مسئلہ چھیڑ دیا جس کی وجہ سے مجمع مسلکی اختلاف کا شکار ہو گیا اور بحث ومباحثہ کی کیفیت پیدا ہوگئی، حضرت قاضی صاحب علیہ الرحمہ فوراً کھڑے ہوئے اور چند منٹ ایسی گفتگو فرمائی کہ اس مجمع میں اختلاف کی گنجائش کسی کے لئے باقی نہیں رہی اور پورے اتحاد واتفاق کے ساتھ انتخاب عمل میں آیا۔

۴- حضرت قاضی صاحب علیہ الرحمہ معاملہ فہم تھے اور فوراً کسی معاملہ کی تہہ تک پہونچ جاتے تھے۔ بتیا مغربی چمپارن کے ایک پرانے اور ماہر وکیل جناب غلام ربانی صاحب نے مجھ سے حضرت قاضی صاحبؒ کی زندگی ہی میں فرمایا تھا کہ حضرت قاضی صاحب جیسا ذہین اور معاملہ فہم انسان میں نے نہیں دیکھا ہے۔ ہمارے دو تین جملے بولتے ہی وہ معاملہ کی تہہ تک پہونچ جاتے ہیں۔ اور صاحب معاملہ جو کہنا چاہتا ہے اس کو بیان کرنے لگتے ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ قاضی صاحب پہلے سے اس معاملہ کو اچھی طرح سمجھے ہوئے ہیں۔

۵- حضرت قاضی صاحبؒ کو امت مسلمہ کی اجتماعیت اور اتحاد کی بہت زیادہ فکر تھی اور ہمیشہ کوشاں اور فکر مند رہتے تھے کہ امت کس طرح مسلکی اور خاندانی اختلاف سے بالاتر ہوکر اور ذات وبرادری کے اختلاف سے ماوراء محض کلمہ واحدہ کی بنیاد پر ایک

امت اور ایک جماعت بن کر زندگی گذارنے۔ ایک مرتبہ حضرت علیہ الرحمہ نے مجھ سے بہت ہی افسوس اور حسرت کے ساتھ فرمایا کہ عزیزم! دیوبندی، بریلوی، جماعت اسلامی، تبلیغی بن کر یعنی کسی مسلک سے جڑ کر زندگی گذارانا آسان ہے لیکن مسلمان بن کر زندگی گذارنا بہت مشکل ہے، کاش کہ مسلمان حضرت قاضی صاحبؒ کے اس جملہ پر سنجیدگی سے غور کرتے کہ خصوصاً علماء کرام اور خواص کا طبقہ ان کے اس درد کو محسوس کرتا۔

اسی طرح جب مسلمانوں کے درمیان اختلاف ہوتا۔ ان کی جان و مال کو خطرہ لاحق ہوتا، مسلمان باہم دست و گریباں اور ایک دوسرے کے قتل کے درپے ہوتے تو حضرت قاضی صاحبؒ بے چین ہو جاتے اور مرغ بسمل کی طرح تڑپ جاتے۔ ابھی حال ہی کا واقعہ ہے کہ میرے علاقہ تر اوہ ضلع مغربی چمپارن کی تین بستیوں کے مسلمانوں میں اجتماعی اختلاف ہوا، کچھ جانیں ضائع ہو چکی تھیں اور مزید اجتماعی نقصان کا زبردست خطرہ تھا۔ میں نے تینوں گاؤں کے ذمہ داروں سے باتیں کیں اور ان کو امارت شرعیہ کے فیصلہ کو ماننے پر آمادہ کیا اور ان سے تحریر منظوری لے لی، پھر حضرت قاضی صاحبؒ اور موجودہ امیر شریعت مولانا سید نظام الدین صاحب دامت برکاتہم کے سامنے پیش کیا۔ دونوں نے فیصلہ فرمایا کہ فوراً بلا تاخیر امارت شرعیہ کا وفد اس علاقہ میں جائے۔ چنانچہ مولانا محمد قاسم صاحب مظفر پوری قاضی شریعت مدرسہ رحمانیہ سپول، قاضی عبدالجلیل صاحب، قاضی شریعت مفتی نسیم احمد قاسمی صاحب نائب ناظم امارت شرعیہ اور راقم الحروف پر مشتمل ایک وفد حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کی قیادت میں چمپارن کے اس علاقہ میں گیا اور ایک ہفتہ رہ کر سب لوگوں کے بیانات قلمبند کئے اور بہت ہی مناسب اور صحیح فیصلہ کیا جس کو سبھی فریق نے تسلیم کیا اور پورے علاقہ کے مسلمانوں نے اس فیصلہ کو قدر کی نگاہ سے دیکھا۔ حضرت قاضی صاحبؒ کا ایک پیغام علاقہ تر اوہ کے مسلمانوں کے نام ''بشکل خط لے گیا تھا، خط کا ایک ایک جملہ اثر انداز تھا اور وہاں کے مسلمانوں

کے دلوں میں گھر کرنے والا تھا۔ اس دوران حضرت قاضی صاحب علیہ الرحمہ دہلی اپولو ہسپتال میں زیر علاج تھے اور جب تک یہ وفد واپس نہیں آیا مسلسل فکر مند رہے اور امارت شرعیہ فون کر کے یہ معلوم کرتے رہے کہ کیا ہوا، جھگڑا ختم ہوا یا نہیں۔ واپسی کے بعد جب میں نے حضرت کو حالات لکھ کر فیکس کیا اور ٹیلیفون پر بھی زبانی بتلایا تو حضرتؒ اتنا خوش ہوئے کہ میں اس خوشی کی کیفیت بیان نہیں کر سکتا، آپ نے ہم لوگوں کو بہت بہت دعائیں دیں اور پورے وفد کی محنت کو سراہا۔

۶- آپ کسی سے ٹکرانا نہیں جانتے تھے اور نہ ہی اپنی رائے پر اصرار ہوتا تھا، اگر کسی دینی خدمت کی راہ میں کوئی رکاوٹ پیش آتی تو اس رکاوٹ کو دور کرنے پر اپنی محنت صرف نہیں کرتے تھے بلکہ اپنی محنت کا رخ بدل دیا کرتے تھے۔ مجھ سے بارہا یہ فرمایا کہ عزیزم! امیر شریعت مولانا سید منت اللہ رحمانی صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ مولوی صاحب پانی جیسا سفر کیجئے، پانی کے سفر میں کوئی چیز حائل ہوتی ہے تو پانی اس سے مقابلہ نہیں کرتا ہے بلکہ اپنے سفر کا رخ بدل دیتا ہے۔ حضرت قاضی صاحب علیہ الرحمہ کو میں نے پانی کی طرح سفر کرتے دیکھا او میرے سامنے بہت سی مثالیں موجود ہیں کہ حضرت نے سفر کی راہ میں حائل ہونے والی دیوار کو ہٹانے کی کوشش نہیں کی بلکہ اپنا رخ ہی پھیر دیا۔

۷- حضرت قاضی صاحب علیہ الرحمہ اپنی رائے کے خلاف دوسروں کی بات کو بغور سنتے اور دوسروں کی رائے پر سنجیدگی سے غور کرتے، اگر کوئی شخص آپؒ کی رائے کے خلاف اپنی رائے رکھتا اور براہ راست آپ سے استفسار کرتا تو آپ بہت خوش ہوتے اور کتاب وسنت، آثار صحابہ اور اقوال فقہاء کی روشنی میں مدلل ومفصل جواب تحریر فرماتے۔ چنانچہ طلاق سکران کے عدم وقوع کے سلسلے میں حضرت قاضی صاحبؒ اور ۲۴ مفتیان کرام کی رائے ترجمان دیوبند میں چھپی تو جناب مفتی عین الحق قاسمی صاحب بستوی کا خط حضرت قاضی صاحبؒ کی خدمت میں آیا جس میں انہوں نے لکھا کہ راقم

اب تک تو یہی پڑھتا اور دیکھتا سنتا اور سنا تا آرہا ہے کہ طلاق سکران کے وقوع میں کوئی شبہ نہیں، اس پر قدماء و متاخرین علماء امت کا اجماع ہے، لیکن حضرت والا اور ۲۴ رمفتیان کرام کی رائے دیکھ پڑھ کر کہ طلاق واقع نہیں ہوگی خرق اجماع کا ارتکاب کرنا لازم آرہا ہے، جس کی وجہ سے راقم کو سخت تشویش ہے۔

حضرت قاضی صاحب علیہ الرحمہ نے اس خط کا جواب یوں دیا کہ:

"آپ کا خط پاکر مجھے بیحد خوشی ہوئی کہ آپ نے براہ راست مجھ سے پوچھ لیا، محض کہنے سننے پر رائے قائم نہیں کی، آپ کی تحریر کا حاصل یہ ہے کہ "طلاق سکران" کا وقوع اجماعی قول ہے، اس کے خلاف کوئی رائے دینا خرق اجماع ہے۔ اصل سوال یہ ہے کہ یہ مسئلہ "مجمع علیہ یا مجتہد فیہ"؟ اگر تمام فقہاء کے قول کا احصاء کیا جائے تو یہ بات واضح ہو جائے گی کہ مسئلہ وقوع طلاق سکران کے مجتہد فیہ ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے، خود ائمہ احناف میں امام طحاوی، امام کرخی اور ابن سلمہ جیسے جلیل القدر اصحاب کا قول بھی یہی ہے کہ "سکران کی طلاق واقع نہ ہوگی" دیگر ائمہ کے یہاں بھی اس طرح کے اقوال ملتے ہیں، لہٰذا مسئلہ کے اجماعی ہونے کا دعویٰ اور عدم وقوع طلاق سکران کے قول کو خرق اجماع قرار دینا خطاء فاحش اور قصور مطالعہ کی دلیل ہے"۔

۸- حضرت قاضی صاحب علیہ الرحمہ میں حلم اور بردباری بھی بہت زیادہ تھی، اپنے چھوٹوں اور ماتحتوں کی دل فگار اور تکلیف دہ باتوں کو بخوشی برداشت کر لیتے تھے اور بعد میں کسی طرح کا انتقام بھی نہیں لیتے تھے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک مرتبہ ایک علمی مجلس تھی، چیدہ، چیدہ علماء تھے، معمولی بات پر ایک صاحب جو ہر اعتبار سے آپ سے چھوٹے تھے وہ آپ پر برس پڑے، سبھی لوگ ان کا منہ دیکھنے لگے، لیکن حضرت قاضی صاحبؒ نے بالکل ہی خاموشی اختیار کی اور کبھی بھی اس کا تذکرہ نہیں کیا۔

۹- اللہ تعالیٰ نے آپ کو دنیا سے عجیب وغریب بے نیازی عطا فرمائی تھی اور اہل

دنیا کی طرف ان کے مال ودولت کی وجہ سے کسی طرح کا جھکاؤ اور ان کی دولت کا کوئی رعب نہیں تھا۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ حضرت قاضی صاحب علیہ الرحمہ اپنی لائبریری میں تشریف فرما تھے، میں بھی ان کے پاس تھا۔ ایک صاحب تشریف لائے جن کی بھتیجی کا مقدمہ بسلسلہ فسخ نکاح مرکزی دارالقضاء امارت شرعیہ میں تھا، حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس فیصلہ کے لئے پیش کیا گیا تھا، وہ صاحب کافی مالدار تھے اور قاضی صاحب سے ان کا گہرا تعلق تھا، انہوں نے آتے ہی کہا کہ حضرت! مقدمہ جلد ہی فیصلہ ہو جاتا، اس پر غور فرما لیتے، میں رات بھر جگا ہوا ہوں، پریشانی زیادہ ہے، حضرت نے فرمایا کہ جاؤ، سو جاؤ، آرام کرو، وقت پر فیصلہ ہو جائے گا۔ پھر قدرے توقف کے بعد وہ صاحب پوچھنے لگے کہ حضرت! جمشید پور کے دفتر کی تعمیر کا کیا حال ہے؟ کہاں تک تعمیر کا کام ہوا ہے اور اس کے اخراجات کیا ہیں؟ یہ سننا تھا کہ حضرت قاضی صاحب بگڑ گئے، آپ کے چہرے کا رنگ بدل گیا، اور فرمایا کہ یہ تو جا کر نظامت سے معلوم کرو اور یہاں سے فوراً نکل جاؤ، نکلو، جلدی باہر جاؤ، ان کو نکال دیا اور وہاں موجود لوگوں سے فرمانے لگے کہ یہ شخص قاضی کو رشوت دینا چاہتا ہے، اس کو معلوم نہیں کہ کروڑوں روپئے اس ہاتھ پر آئے اور پانی کی طرح اللہ کے راستہ میں خرچ ہو گئے، اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے وہ اپنے دین کی خدمت کے سلسلہ میں کسی کا محتاج نہیں ہے۔

۱۰۔ آپ کی سب سے بڑی خوبی تفقہ کی تھی، کتاب وسنت، آثار صحابہ اور اقوال فقہاء پر گہری نظر تھی، اصول وجزئیات پر یکساں نظر تھی، یہ آپ کا امتیازی وصف تھا۔ فقہی سمندر میں غوطہ لگا کر انمول موتی چننے والے تھے اور جدید فقہی مسائل کو کتاب وسنت، صحابہ کے آثار وفقہاء کے اقوال کی روشنی میں استنباط واستخراج کی زبردست صلاحیت موجود تھی۔ دارالقضاء امارت شرعیہ میں محفوظ آپ کے فیصلے اور دارالافتاء امارت شرعیہ کے رجسٹروں میں محفوظ آپؒ کے فتاوے اس کے بیّن ثبوت ہیں، دور، دور تک اس وصف میں آپ کی نظیر

نہیں ملتی اس سلسلے میں بیشمار واقعات ہیں جن کی تفصیل کا موقع یہاں نہیں ہے۔

بہر حال! حضرت قاضی صاحب علیہ الرحمۃ گوناگوں خوبیوں کے مالک تھے، آپ کو خداداد صلاحیت ملی تھی، صدیوں میں اس طرح کا عالم پیدا ہوتا ہے۔ آپ بیمار رہے، اپولو ہسپتال دہلی میں زیر علاج رہے آپ کی صحت کے لئے صرف ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ پورے عالم اسلام میں دعائیں ہوئیں اور خوب ہوئیں آخیر وقت میں وقت پورا ہوگیا، اپنے رفیق اعلیٰ سے جا ملے، ہم اللہ کے فیصلہ پر راضی ہیں۔ اللہ پاک ہم سبھوں کو صبر جمیل عطا فرمائے اور آپ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دے۔ (آمین)

دو کام

”سب سے پہلا کام جو مدینہ کے لئے ہمارے آقا نے مکہ میں رہ کر کیا ہے دو کام ہیں۔ ایک تو مسلمانوں میں اجتماعیت قائم کرنے کے لئے ہر قبیلہ اور ہر محلہ کا ایک نقیب مقرر کیا ہے اور دوسرا کام یہ کیا ہے کہ ایک مدرس اور ایک استاد بھیجا، جو ان کی تعلیم و تربیت کا فرض انجام دے۔ کاش کہ مسلمان آج اپنے لئے ان دونوں چیزوں کو اسوہ بنائے۔ چنانچہ حضرت مصعب بن عمیرؓ تشریف لے گئے اور بارہ نقباء حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمائے جو اپنے اپنے زیر اثر علاقے میں مسلمانوں کی اجتماعیت کے امین و ذمہ دار تھے، پس مسلمانوں کا اجتماعی وجود لازم ہے، جائز نہیں کہ مسلمان بغیر امیر و سردار کے رہے۔ حرام ہے کہ تم انتشار کی زندگی گذارو، نہ انفرادیت حلال نہ فرقہ بندی حلال، حکومت تمہارے ہاتھ میں ہو یا نہ ہو۔ اقتدار کی باگ تمہارے ہاتھ میں ہو یا نہ ہو، اجتماعی اور جماعتی زندگی گذارنا تم پر واجب ہے۔“ (خطبات بنگلور ص: ۷۲)

حضرت مولانا مجاہد الاسلام قاسمیؒ

بحیثیت قاضی

از: مولانا مفتی نسیم احمد قاسمی
نائب ناظم امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ

مفکر اسلام حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کی ذات گرامی جامع صفات وکمالات تھی، علوم دینیہ میں یدطولیٰ رکھتے تھے۔ جدید علوم، عرف وعادات اور حالات زمانہ پران کی گہری اور عمیق نظر تھی، وہ اپنے وقت کے بلند پایہ فقیہ، امور قضاء کے ماہر، فہم وتدبر، سیاسی بصیرت اور غیر معمولی ذہانت وذکاوت کی دولت سے مالا مال، فکر رسا اور ذہن ثاقب کے مالک تھے۔ انہوں نے اپنی محنت، جدوجہد، شبانہ روز کی کاوش اور سعی پیہم سے علمی دنیا اور فقہ وقضاء کے میدان میں منفرد اور ممتاز مقام بنایا، امارت شرعیہ کے مسند قضاء پر بیٹھ کر ہندو پاک اور پورے عالم میں بحیثیت قاضی شہرت پائی، ان کے قلم سے سینکڑوں مقدمات کے فیصلے ہوئے، اور ہزاروں آپسی تنازعات حل ہوئے۔

حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کا اصل امتیاز امور قضاء میں ان کی مہارت ہے، اسلامی قضاۃ اور ائمہ سلف کے فیصلوں اور قضایا پر حضرت قاضی صاحبؒ کی گہری نظر تھی، کار قضاء کی نزاکت وباریکیوں سے وہ بہ خوبی واقف تھے، اور معاملات قضاء میں اجتہادی اور عبقری شان رکھتے تھے، انہوں نے نہایت ہی پیچیدہ اور مشکل مقدمات کے فیصلے کئے، جو اسلامی عدالتوں کے لئے نظیر کا کام کریں گے۔ انہوں نے سینکڑوں علماء اور اصحاب فقہ وافتاء کو کار قضاء کی تربیت دیکر "قضاء" کے منصب کا اہل بنایا۔ اس وقت

بہار، اڑیسہ وجھارکھنڈ اور ہندوستان کی دیگر ریاستوں میں جہاں بھی نظام قضاء قائم ہے اور قضاۃ حضرات امور قضاء انجام دے رہے ہیں، ان میں اکثریت ان حضرات کی ہے، جنہوں نے حضرت علیہ الرحمۃ سے براہ راست تربیت قضاء حاصل کی ہے اور آپ سے فیضیاب ہوئے ہیں۔

حضرت مولانا مجاہد الاسلام قاسمیؒ نے بہار، اڑیسہ وجھارکھنڈ اور مغربی بنگال کے علاوہ ہندوستان کی دیگر ریاستوں میں بھی دار القضاء کے قیام اور توسیع نظام قضاء کی کوشش فرمائی، ہندوستان کے باہر ساؤتھ افریقہ اور موریشش جیسے ممالک جہاں نظام حکومت غیر مسلموں کے ہاتھوں میں ہے۔ اور وہاں کے مسلمان غیر اسلامی نظام حکومت کے تحت زندگی گذار رہے ہیں، آپ نے ان ممالک میں بھی نظام امارت اور قیام دار القضاء کی تحریک کی اور وہاں کے علماء ومشائخ کو اس سنت متوارثہ کے احیاء کی طرف متوجہ فرمایا، ساؤتھ افریقہ کے کئی اصحاب علم نے آپ سے تربیت قضاء بھی حاصل کی۔ آپ نے ''اسلامی عدالت'' لکھکر قضاۃ اور کار قضاء انجام دینے والوں کے لئے آسانی پیدا فرمادی، اردو زبان میں ''آداب قضاء'' کے موضوع پر یہ نہایت ہی منفرد اور علمی شاہکار ہے، جسے علمی حلقوں میں قدر واستحسان کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔

حضرت امیر شریعت رابعؒ کا انتخاب اور نظام قضاء کی توسیع:

حضرت امیر شریعت ثالث مولانا قمر الدین علیہ الرحمہ کا وصال ۳۰ رجب ۱۳۷۶ھ کو ہوگیا، آپ کے وصال کے بعد انتخاب امیر کے لئے ۲۱ شعبان ۱۳۷۶ھ مطابق ۲۴ مارچ ۱۹۵۷ء کو ضلع دربھنگہ کے سوپول میں خصوصی اجلاس ہوا، جس میں حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانی علیہ الرحمہ کو امیر شریعت رابع کی حیثیت سے منتخب کیا گیا۔

حضرت امیر شریعت رابعؒ نے امیر شریعت منتخب ہونے کے چوتھے دن یعنی ۲۷ مارچ ۱۹۵۷ء، ۲۴ شعبان ۱۳۷۶ھ کو گیارہ منتخب ارکان مجلس شوریٰ کی معیت میں دفتر

امارت شرعیہ کا پہلا معائنہ کیا اور سب سے پہلا فرمان جو درج کتاب الاحکام میں ہوا اس میں سب سے پہلے اس پر زور دیا گیا کہ:

''امارت شرعیہ ہر طبقہ اور ہر خیال کے مسلمانوں کا مشترک ادارہ ہے جس کا مقصد بنیادی عقیدہ کی وحدت پر مسلمانوں کی شرعی تنظیم ہے تا کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو، مسلمانوں میں ممکن حد تک اسلامی احکام جاری ہوں اور مسلمان اس ملک میں اسلامی زندگی گذار سکیں...... امارت شرعیہ کی ترقی اور استحکام میں اس فکر اور طریقہ کار کو بنیادی مقام حاصل ہے۔ اس لئے امارت کے ہر کارکن پر اس کی پابندی لازم ہوگی''۔

دوسری چیز جس کو حضرت امیر شریعت رابعؒ نے پوری اہمیت اور تفصیل کے ساتھ درج فرمایا: وہ یہ ہے۔

محکمۂ قضاء جو امارت کا سب سے اہم شعبہ ہے اس کے نظام کو پورے صوبہ میں پھیلانا ضروری ہے تا کہ زیادہ سے زیادہ مسلمان کو فائدہ پہونچ سکے۔ اور مقدمات کے فیصلے جلد سے جلد ہو سکیں اور انہیں اسلامی زندگی گذارنے میں سہولت ہو، اس کی ضرورت ہے کہ:

(الف) جن اضلاع یا کمشنری میں ممکن ہو قاضی مقرر کئے جائیں، اور اس حلقہ کے مقدمات وہیں دائر ہو کر فیصلہ پائیں۔

(ب) مقرر کئے جانے والے قاضیوں کی تربیت کا نظم مرکزی دار القضاء پھلواری شریف میں کیا جائے کہ وہ مقدمات کی سماعت اور فیصلہ کے طریقوں کو اچھی طرح سمجھ لیں۔

(ج) قاضیوں کی سہولت کے لئے اردو زبان میں ایک رسالہ مرتب کیا جائے، جس میں فقہ کی معتبر کتابوں کو سامنے رکھ کر قاضیوں کے اختیارات وفرائض ومعاملات میں شہادت کے شرعی اصولوں اور ضابطے، فسخ نکاح اور خلع کی وجوہ اور طریقے اور اس سے متعلق مسائل درج کئے جائیں اور بطور مثال ونظیر عہد رسالت وصحابہ اور مشہور قضاۃ اسلام کے فیصلے لکھے جائیں۔ مقرر کئے جانے والے قاضی باضابطہ اس رسالہ کا مطالعہ کریں، تا کہ اس کی روشنی میں مقدمات کے فیصلے کر سکیں''۔ (کتاب الاحکام ۱۹۵۷ء)۔

توسیع قضاء کے پروگرام کے تحت حضرت امیر شریعت رابعؒ نے جامعہ رحمانی مونگیر میں تربیت قضاء کے دو ہفتے مقرر فرمائے اور بہار و اڑیسہ اور ملک کے نامور علماء اور مفتیان کرام کو تربیت قضاء کے اس پروگرام میں شرکت کی دعوت دی، پہلا ہفت روزہ تربیتی کیمپ جس کا آغاز جامعہ رحمانی مونگیر میں مؤرخہ ۱۶/۱۱/تا۲۱/۱۱/۱۹۵۸ء مطابق ۲۹/ محرم ۱۳۷۸ھ کو ہوا، وہ ایک ہفتہ تک چلتا رہا، اس کیمپ کا افتتاح حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ نے کیا پھر حضرت کا مقالہ حضرت مولانا مجاہد الاسلام قاسمیؒ نے پڑھ کر سنایا، اس اہم تحقیقی اور تاریخی مقالہ میں اسلامی قانون کی اہمیت، انسانی معاشرہ اور حیات میں اس کی ضرورت اور پھر عمل اور قیام قضاء کی اہمیت وضرورت پر روشنی ڈالی گئی۔

اس مقالہ کے بعد حضرت مولانا شاہ عون قادری قاضی شریعت کی ایک تحریر پیش کی گئی، جس میں دار القضاء کے طریقہ کار دعویٰ سے لیکر فیصلہ تک کی عبوری کاروائیاں اور فصل مقدمات سے متعلق اجمالی خاکہ پیش کیا گیا تھا، اس ہفت روزہ تربیت قضاء کیمپ میں ۲۶/ مشاہیر علماء کرام شریک ہوئے، جن میں حضرت مولانا مجاہد الاسلام قاسمیؒ بھی شامل ہیں، نائب امیر شریعت اور حضرت مولانا ابو المحاسن محمد سجادؒ کے تربیت یافتہ حضرت مولانا عبد الصمد رحمانیؒ اور حضرت مولانا شاہ عون احمد قادریؒ نے تربیت کے فرائض انجام دیئے، اور شرکاء حضرات کو قضاء کی عملی تربیت دی گئی۔

دوسرا ہفت روزہ تربیتی کیمپ ۳۰/ اگست تا ۴/ ستمبر ۵۸ء کو ہوا، جس میں ۱۳/ علماء کرام شریک ہوئے اس کیمپ میں بھی حضرت مولانا مجاہد الاسلام قاسمیؒ جو ان دونوں جامعہ رحمانی میں استاذ تھے شریک رہے، اور حضرت نائب امیر شریعت اور حضرت مولانا شاہ عون احمد قادریؒ سے قضاء کی عملی تربیت حاصل کی۔

عہدۂ قضاء و منصب نظامت پر تقرری:

حضرت مولانا مجاہد الاسلام قاسمیؒ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے ارشد

تلامذہ میں سے تھے، ۱۹۵۵ء میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی، اور دورۂ حدیث کے سالانہ امتحان میں امتیازی نمبرات سے کامیاب ہوئے، دیوبند سے فراغت کے بعد حضرت شیخ الاسلام کے ایماء پر جامعہ رحمانی مونگیر تشریف لے گئے، جہاں آپ نے ۱۹۵۵ء سے ۱۹۶۲ء تک عربی کی ابتدائی درجات سے لیکر منتہیٰ درجات کی کتابوں کا درس دیا، اس سات سال کے عرصہ میں سینکڑوں طلبہ نے آپ سے کسب فیض کیا اور آپ کی تربیت میں رہ کر علوم دینیہ میں کمال حاصل کیا۔

حضرت امیر شریعت رابع مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ آپ کی علمی صلاحیت، ذہانت وذکاوت سے بہت متاثر تھے اور اس جوہر قابل کی قدر و پذیرائی کرتے، چنانچہ ایک ایسے وقت جب کہ امارت شرعیہ کا سارا نظام عملاً مفلوج ہو کر رہ گیا تھا، عہد نظامت خالی ہو گیا تھا اور عرصہ دراز سے عہدۂ قضا کسی ایسے بالغ نظر فقیہ سے خالی تھا جو اس اہم عہدوں کے تقاضوں کو پورا کرتا، حضرت امیر شریعت رابعؒ کی دوررس نگاہ اور جوہر شناس طبیعت نے بھانپ لیا کہ امارت شرعیہ کی نشأۃ ثانیہ اور اس میں نئی روح ڈالنے کے لئے مولانا مجاہد الاسلام قاسمیؒ سے بہتر کوئی نہیں ہوسکتا، اس وقت امارت شرعیہ کا دامن مادی اسباب ووسائل سے بالکل خالی تھا، اور کل اثاثہ چند کمروں پر مشتمل تھا، حضرت مولانا مجاہد الاسلام قاسمی صاحب جامعہ رحمانی مونگیر میں درجۂ علیا کے کامیاب اور منظور نظر مدرس تھے، دور دور تک ان کا علمی شہرہ تھا، مسند تدریس کو چھوڑ کر امارت شرعیہ کی ذمہ داری کو قبول کرنا آسان کام نہیں تھا۔ مگر آپ نے حضرت امیر شریعتؒ کے ایماء پر امارت شرعیہ کی ذمہ داری قبول کر لی اور ۱۹۶۲ء مطابق یکم شوال ۱۳۸۱ھ کو عہدۂ قضا و منصب نظامت سنبھال لیا، اور کئی سالوں تک دونوں نازک عہدوں کی ذمہ داریاں بحسن وخوبی انجام دیتے رہے، امارت شرعیہ کے لئے مالی فراہمی کرتے، مقدمات کے فیصلے کرتے اور امور نظامت انجام دیتے رہے، پھر ۵ر شوال ۱۳۸۴ھ میں حضرت مولانا سید نظام الدین ناظم امارت شرعیہ اور مولانا احمد علی قاسمی صاحب ناظم بیت المال کی حیثیت سے مقرر کئے

گئے، اور آپ فرائض قضاء انجام دیتے رہے۔

آپ جس وقت امارت شرعیہ تشریف لائے، امارت شرعیہ دارالقضاء کے انچارج کی حیثیت سے جناب محمد شفیع صاحبؒ کام کررہے تھے، موصوف حضرت ابوالمحاسن مولانا محمد سجاد علیہ الرحمہ کے تربیت یافتہ اور فیض یافتہ تھے، امور قضاء پر گہری نگاہ تھی، اگرچہ باضابطہ عالم نہیں تھے، مگر مولانا سجادؒ کی صحبت کی برکت سے قضاء کے کاموں میں کمال اور مہارت رکھتے تھے، اور قضاء کا کوئی مسئلہ ان کی نگاہ سے اوجھل نہیں تھا، حضرت مولانا مجاہد الاسلام قاسمیؒ نے امور قضاء میں ان سے رہنمائی حاصل کی، اور ان کی خداداد صلاحیت سے فیضیاب ہوئے۔

توسیع نظام قضاء:

حضرت مولانا مجاہدالاسلام قاسمیؒ نے امارت شرعیہ تشریف لانے کے بعد شعبۂ قضاء کو اپنی خصوصی توجہات وعنایات کا مرکز بنایا۔ امارت شرعیہ کے دورۂ وفود کے پروگراموں میں عوام وخواص کو دارالقضاء کی اہمیت وضرورت اور اس کے فوائد سے روشناس کرایا۔ غیر اسلامی عدالتوں میں مقدمات لے جانے کے نقصانات اور اس کی دینی ودنیوی مفاسد سے آگاہ فرمایا، اور لوگوں کی سہولت وآسانی کے لئے بہار، اڑیسہ وجھارکھنڈ کے مختلف مقامات میں دارالقضاء قائم کرائے، آپ کے چالیس سالہ عہد امارت میں مختلف مقامات پر دارالقضاء قائم ہوئے اور باصلاحیت قضاۃ کی تقرری عمل میں آئی، آپ جس وقت امارت شرعیہ تشریف لائے تھے، اس وقت مرکزی دارالقضاء کے علاوہ صرف حسب ذیل مقامات پر ذیلی دارالقضاء قائم تھے۔

۱ مدرسہ رحمانیہ سوپول دربھنگہ	۱۳۷۸ھ	۲ مدرسہ انجمن اسلامیہ کشن گنج	۱۳۷۹ھ
۳ جامع مسجد اورنگ آباد	۱۳۷۹ھ	۴ جامعہ اشرفیہ نیا بھوجپور	۱۳۷۹ھ
۵ مدرسہ تنظیمیہ باراعیدگاہ پورنیہ	۱۳۷۹ھ	۶ مدرسہ امدادیہ لہریا سرائے دربھنگہ	۱۳۷۹ھ
۷ ڈلرا مغربی چمپارن	۱۳۸۱ھ	۸ مدرسہ رشید العلوم چترا	۱۳۸۱ھ
۹ مدرسہ رشیدیہ کواتھ رہتاس	۱۳۸۱ھ	....	

مگر رفتہ رفتہ آپ کی کوششوں کے نتیجے میں بہار، اڑیسہ اور جھارکھنڈ کے مختلف اضلاع اور سب ڈویژن میں دار القضاء قائم ہوئے، اور اس کا دائرۂ اثر پورے ہندوستان میں پھیلا، اس وقت صرف ان تینوں ریاستوں میں چھتیس دار القضاء قائم ہیں، ان ریاستوں کے علاوہ آپ کی کوششوں نے ہندوستان کی کئی اہم ریاستوں میں نظام قضاء قائم ہوا، جن میں آسام، کرناٹک، تمل ناڈو، آندھرا پردیش، مدھ پردیش، مہاراشٹر، دہلی، یوپی وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں، آپ نے قیام دار القضاء کے ساتھ ساتھ قضاۃ کی تربیت کی خصوصی مہم شروع فرمائی، اور تربیت قضاء کے نقشے اور خاکے مرتب کئے۔

تربیت قضاء:

قاضی القضاۃ حضرت مولانا مجاہد الاسلام قاسمیؒ امور قضاء کے ماہر، مسائل قضاء کے بہت بڑے عالم تھے، جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، خلفاء راشدین، حضرات صحابۂ کرام اور ائمۂ تابعیہ وتبع تابعین اور قضاۃ اسلام کے فیصلوں پر ان کی گہری نظر تھی، اصول قضاء اور جزئیات قضاء پر انہیں پورا عبور حاصل تھا، ان کا امتیاز ہی میدان اور ان کی فکر وسعی کا اصل محور ومرکز ''قضاء'' تھا، وہ بلا شبہ اپنے علم وفضل اور کار قضاء میں مہارت اور اختصاص کی وجہ سے ائمہ سلف اور قضاۃ اسلامی کی صحیح وارث اور ان کے علوم وافکار کے سچے جانشین تھے، ان کے فیصلوں میں قاضی شریح، قاضی ابو یوسف اور وکیع بن الجراح کے فیصلوں کی جھلک نظر آتی ہے۔ خاص طور پر تربیت قضاء میں ان کو مہارت تامہ حاصل تھی، اور قدرت کی طرف سے کار قضاء کے لئے افراد سازی کا خصوصی ملکہ ان کو حاصل تھا، جس سے انہوں نے پورا فائدہ اٹھایا، اور قضاء کے میدان میں علماء کی ایک بڑی جماعت کو ترتیب دے کر انہیں اس نازک ذمہ داری کا اہل بنادیا۔

توسیع نظام قضاء کے لئے امارت شرعیہ کی طرف سے ۲۸ر جولائی ۱۹۸۶ء سے پندرہ روزہ تربیت قضاء کا کل ہند کیمپ لگایا گیا۔ جس کا نگراں آپ کو مقرر کیا گیا، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ، حضرت امیر شریعت رابع مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ،

حضرت مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب مفتی دارالعلوم دیوبند، مولانا عبداللہ عباس ندوی کی شرکت نے کیمپ کی اہمیت وافادیت میں چار چاند لگا دیا، اس کیمپ میں ہندوستان کی کئی اہم ریاستوں آندھرا پردیش، کرناٹک، اڑیسہ، اتر پردیش، جموں کشمیر اور بہار سے مشاہیر علماء کرام اور اصحاب افتاء شریک ہوئے۔ اور قضاء کی عملی تربیت حاصل کی۔

حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ نے افتتاحی اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ:

"یہ ایک مبارک سفر کا آغاز ہے جو پوری ملت اسلامیہ کے لئے مشعل راہ ثابت ہوگا"۔

حضرت امیر شریعت مولانا منت اللہ رحمانیؒ نے اپنی افتتاحی تقریر میں فرمایا کہ:

"مظلوم کی پکار سننا اور لوگوں کو انصاف دینا بھی بہت بڑی عبادت ہے، دار القضاء امارت کی ریڑھ کی ہڈی ہے مسلمانوں کی تنظیم کے بعد جس کام پر سب سے زیادہ زور دینے کے ضرورت ہے وہ دار القضاء ہی ہے"۔

تربیتی کیمپ کے کنوینر حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ نے شرکاء کیمپ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"مسلمانوں پر شریعت نافذ کرنا ایک اہم فریضہ ہے، آپ نے فرمایا کہ: قضاء کی تربیت کے لئے پندرہ دنوں کی یہ مدت بہت کم ہے، تاہم اس کا مقصد یہ ہے کہ انہیں اپنے کام سے مناسبت پیدا ہوجائے، اور اس کا مزاج معلوم ہوجائے، پھر آپ نے مختلف مجلسوں میں دفتری کارروائی اور سماعت کا طریقہ بتایا اور مختلف مقدمات کی سماعت کرکے شرکاء کو قضاء کی عملی تربیت دی، اس کیمپ کے اہم شرکاء میں حضرت مولانا برہان الدین سنبھلی ندوۃ العلماء لکھنؤ، مفتی محمد سمیع الدین صاحب میدک، مولانا محمد اقبال ندوی صاحب دارالعلوم بھٹکل، مفتی عبیداللہ اسعدی، مولانا عتیق احمد بستوی وغیرہم ہیں۔

اس پندرہ روزہ تربیتی کیمپ سے پورے ملک میں قیام دار القضاء کے لئے فضا ہموار ہوئی، اصحاب علم نے اس کی ضرورت کا احساس کیا، اور مختلف مقامات میں دار القضاء قائم ہوئے۔

وانم باڑی میں تربیت قضاء کا پروگرام:

۲۲ر نومبر ۹۴ء تا ۲۷ر نومبر ۹۴ء مجلس علماء وانم باڑی کے زیر انتظام وانم باڑی میں تربیت قضاء کیمپ رکھا گیا جس میں حضرت مولانا مجاہد الاسلام قاسمیؒ اپنے رفقاء حضرت مولانا محمد قاسم مظفر پوری اور مولانا انیس الرحمٰن قاسمی کے ساتھ شریک ہوئے، اور ایک ہفتہ قیام کر کے شرکاء کیمپ کو قضاء کی عملی تربیت دی، اور مسائل قضاء پر محاضرات دیئے، اس کیمپ میں تمل ناڈو، کرناٹک اور آندھرا پردیس سے بڑی تعداد میں اہل علم اور اصحاب افتاء کو شریک ہوئے، اور ایک ہفتہ تک حضرت علیہ الرحمہ کے علوم و معارف سے فیضیاب ہوتے رہے، اس کیمپ کے مفید اور دوررس نتائج ظاہر ہوئے، اس کے علاوہ حضرت امیر شریعت آسام مولانا طیب الرحمٰن کی دعوت پر آسام میں تربیت قضاء کا کیمپ لگایا گیا، مگر حضرت علیہ الرحمہ اپنی شدید علالت کی وجہ اس کیمپ میں شریک نہیں ہو سکے اور آپ کی ہدایت پر حضرت مولانا محمد قاسم مظفر پوری اور مولانا انظار کارکن دارالقضاء نے اس کیمپ میں شرکت کی اور شرکاء کیمپ کو قضاء کی عملی تربیت دی اور قضاء کے ضروری مسائل بتائے، اس کیمپ میں آسام کے مختلف اضلاع سے سینکڑوں علماء، ائمہ اور اصحاب افتاء شریک ہوئے اور قضاء کی عملی تربیت حاصل کی۔

تربیت قضاء کا ایک سالہ کورس:

حضرت مولانا مجاہد الاسلام قاسمی علیہ الرحمہ کی جدوجہد اور مساعی جمیلہ کے ذریعہ پورے ملک میں امارت شرعیہ کے دارالقضاء کا تعارف ہوا، علماء اور خواص کو قضاء کی اہمیت اور قیام دارالقضاء کی ضرورت کا احساس ہوا، اور مختلف مقامات میں لوگوں نے دارالقضاء کے قیام کا فیصلہ کیا، اور امارت شرعیہ سے تربیت یافتہ قضاۃ کا مطالبہ ہونے لگا، پورے ملک میں صرف امارت شرعیہ ہی ایسا مرکز ہے جہاں اسی سالوں سے نظام قضاء قائم ہے، اور قضاۃ کی تربیت کا انتظام ہے، حضرت علیہ الرحمہ نے اس ضرورت کے پیش

نظر تربیت قضاء کا ایک سالہ کورس قائم فرمایا، جس مین قضاء کی عملی تربیت کے علاوہ آداب قضاء اور اصول قضاء سے متعلق کتابوں کی تدریس کو بھی شامل نصاب کیا گیا۔ جس میں معین الاحکام کی تدریس شامل ہے، چنانچہ ہندوستان کی مختلف ریاستوں سے فارغین اور فضلاء کرام نے اس کورس میں داخلہ لیا اور ایک سال یہاں رہکر نظام قضاء کو پوری طرح سمجھا اور اس کی تربیت حاصل کی، امارت شرعیہ کی طرف سے ان حضرات کی لئے قیام وطعام کی سہولت کے علاوہ وظائف کا بھی نظم کیا گیا۔

مسلم پرسنل لاء بورڈ کی طرف سے ہندوستان میں قیام دار القضاء کے لئے بحیثیت کنو ینر نامزدگی:

مسلم پرسنل لاء بورڈ نے اپنے گیارہویں اجلاس منعقدہ ۹/۱۰/۱ اکتوبر ۱۹۹۳ء جے پور میں امارت شرعیہ کے نظام قضاء کی تحسین کرتے ہوئے پورے ملک میں شرعی عدالت (دار القضاء) کے قیام کا فیصلہ کیا، چنانچہ یہ تجویز پاس کی گئی کہ:

"آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کی مجلس عاملہ کا یہ اجلاس محسوس کرتا ہے کہ مسلمانوں کی عائلی اور سماجی زندگی کو شریعت اسلامی پر کاربند رکھنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ان کے نزاعات کا تصفیہ اسلامی نظام عدل یعنی نظام قضاء کے ذریعہ طے ہو، اس احساس کے تحت یہ بورڈ اپنے قیام کے دن ہی سے دار القضاء (اسلامی عدالت) کے قیام پر زور دیتا رہا ہے .... یہاں اس بات کا ذکر بھی بے محل نہیں ہے کہ ریاست بہار واڑیسہ میں امارت شرعیہ کے تحت دار القضاء پچھلے ستر برسوں سے بڑی کامیابی کے ساتھ کام انجام دے رہا ہے۔ ان حالات میں یہ ضروری ہے کہ ملک کے طول وعرض میں قضاء کا اسلامی نظام قائم کیا جائے، اس غرض کے لئے صدر بورڈ ان ریاستوں میں جہاں دار القضاء نہیں ہے موزوں اصحاب کا انتخاب کریں، جو جماعۃ المسلمین کے اصول پر نظام قضاء کو جاری کریں، یا جہاں موزوں اور درکار صلاحیت کے عالم موجود ہوں وہاں کے علماء وعمائدین

کے مشورہ سے عالم کو بحیثیت قاضی مامور کریں۔

پھر بورڈ کی مجلس عاملہ نے حضرت مولانا مجاہد الاسلام قاسمیؒ کو پورے ملک میں قیام دارالقضاء کے لئے کنوینر مقرر کیا اور قضاۃ تیار کرنے کی ذمہ داری سونپی آپ نے اس کی ضرورت کے پیش نظر اس اہم اور نازک ذمہ داری کو قبول فرمایا، اور پورے عزم وحوصلہ کے ساتھ قیام دارالقضاء کے لئے ملک گیر مہم کا آغاز فرمایا، اور وسیع پیمانے پر تربیت قضاء کا عملی نظام قائم فرمایا، آپ کی کوششوں کے نتیجہ میں جنوبی ومشرقی دہلی، تھانہ، بمبئی، دھولیہ، اکولہ، میسور، اندور وغیرہ میں دارالقضاء کا قیام عمل میں آیا، اور تربیت یافتہ قضاۃ مقرر کئے گئے۔

المعهد العالي للتدريب في القضاء والافتاء کا قیام:

حضرت قاضی القضاۃ مولانا مجاہد الاسلام قاسمیؒ کی زندگی کا اہم ترین کارنامہ "المعهد العالي للتدريب في القضاء والافتاء" کا قیام ہے، جو اس وقت پورے ملک میں افتاء اور قضاء کے لئے مرکزی ادارہ ہے، اور ملک وبیرون ملک میں اسے قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، المعهد العالی کا دوسالہ کورس ہے جس میں پچاس فضلاء مدارس اسلامیہ کا داخلہ ہوتا ہے ہر سال پچیس علماء بیک وقت مفتی اور قاضی بنکر نکلتے ہیں۔

المعہد العالی کے اغراض ومقاصد:

حضرت مولانا مجاہد الاسلام قاسمی علیہ الرحمہ نے المعهد العالی کے حسب ذیل اغراض ومقاصد مقرر فرمائے۔

- "المعهد العالی" کے قیام کا مقصد فقہ اسلامی کے قواعد وضوابط، احکام شرعیہ کی تطبیق اور قوانین اسلامی وجدید نظامہائے قانون کا تقابلی مطالعہ ہے۔
- اس کے ذریعہ اسلام کی حفاظت وترویج کے لئے ایسے رجال کار کی تیاری مقصود ہے جو علم وعمل اور فکر ونظر میں اسلاف کے صحیح جانشین اور وارث ہوں۔

• مدارس اسلامیہ کے فضلاء کو افتاء وقضاء کی ایسی نظری وعملی تدریب کہ ان میں جدید مسائل کے حل کی صلاحیت پیدا ہو اور جدید سائنس وٹکنالوجی کی موجودہ ترقی اور معاشرتی تبدیلیوں پر نظر رکھتے ہوئے شریعت اسلامی کی تطبیق کے اہل ہو سکیں۔

مختلف فقہی وعلمی موضوعات پر تحقیقات کرانا:

نصاب:

مندرجہ بالا مقاصد کے حصول کے لئے المعہد کا دو سالہ کورس مرتب کیا گیا، جس کی تفصیل درج ذیل ہے، اس نصاب میں افتاء اور قضاء کی عملی تربیت اور مشق کے علاوہ اصول فقہ، قواعد فقہ، اور اصول افتاء وقضاء کو فن کی حیثیت سے داخل کیا گیا ہے، مذاہب اربعہ کا تقابلی مطالعہ اور جدید قانون اور سرکاری عدالتوں کے نظام وقانون کے تقابلی مطالعہ پر بھی توجہ دی گئی ہے، پہلے سال میں طلبہ کو اصول فقہ میں اصول بزدوی، تاریخ فقہ میں تاریخ التشریع الاسلامی (خضری بک) المدخل الفقهی العام للزرقاء (تاریخ فقہ) قواعد الفقہ میں الاشباہ والنظائر لابن نجیمؒ، اصول الکرخی، تاسیس النظر للدبوسی، فقہ حنفی میں الدر المختار (منتخب ابواب) اصول افتاء میں ادب المفتی والمستفتی لابن الصلاح، شرح عقود رسم المفتی، فرائض میں سراجی ادب القضاء میں معین الحکام کا درس اور اسلامی عدالت کا مطالعہ کرایا جاتا ہے، مذاہب اربعہ کے تقابلی مطالعہ کے تحت مختصر طحاوی، الثمر الدانی (مالکی) متن ابن الشجاع (شافعی) الروض المربع (حنبلی) کا اجتماعی مطالعہ کرایا جاتا ہے، فقہ القرآن کے تحت ۵۰/ آیاتِ احکام کا درس دیا جاتا ہے، فقہ الحدیث میں نصب الرایہ (منتخب ابواب) اس کے علاوہ انگریزی اور کمپیوٹر کی بھی تعلیم دی جاتی ہے، جب کہ ایک سال میں کئی بار اصحاب افتاء اور دانشوروں کے محاضرات کرائے جاتے ہیں۔ ایک سو سوالات کے جوابات اور پچاس مقدمات کی سماعت اور پچاس مقدمات کے جوابات

لکھوائے جاتے ہیں۔ سال دوم میں اصول فقہ میں اصول الفقہ لابی زہرہ، قواعد الفقہ میں کتاب الفروق للقرافی منتخبات، قواعد الاحکام لعز الدین بن عبدالسلام، منتخبات الفوائد البھیہ للغمرادی اور مقاصد الشرع کے تحت حجۃ اللہ البالغہ، الموافقات للشاطبی کے منتخبات کا درس دیا جاتا ہے۔ اور نظریۃ المقاصد کا درس دیا جاتا ہے، مذاہب فقہیہ کے مطالعہ کے تحت الافصاح لابن ھبیرہ اور ادب قضاء میں کتاب ادب القاضی للماوردی، مبحث الشروط از فتاویٰ ہندیہ کا مطالعہ کرایا جاتا ہے جب کہ احوال شخصیہ میں امام ابوزہرہ کی "الاحوال الشخصیۃ" اور دراسۃ القوانین الجدیدۃ کے تحت مصادر الحق کا درس دیا جاتا ہے، قضایا فقہیہ معاصرہ کے تحت مجلات مجمع الفقہ الاسلامی کا خارج میں مطالعہ کرایا جاتا ہے۔

افتاء کی عملی تربیت کے طور پر ڈیڑھ سو سوالات کے جوابات لکھائے جاتے ہیں جب کہ قضاء کی عملی تربیت کے طور پر فیصل شدہ مسلوں کا مطالعہ اور اس کا خلاصہ تیار کرایا جاتا ہے، پچاس مقدمات کی سماعت اور پچاس مقدمات کے فیصلے لکھوائے جاتے ہیں۔

المعھد العالی میں ہندوستان کی مرکزی درسگاہوں کے ممتاز فارغین اور فضلاء داخلہ کے لئے آتے ہیں، جن کا تحریری وتقریری امتحان کے ذریعہ داخلہ لیا جاتا ہے، ان کو قیام وطعام اور بستر وغیرہ کی سہولت کے ساتھ ساتھ ماہانہ وظیفہ دیا جاتا ہے، تاکہ وہ پوری محنت ویکسوئی کے ساتھ تربیت کی تکمیل کرسکیں۔ ان کی اعلیٰ تربیت، ذہنی وفکری اور اخلاقی تربیت اور کردار سازی پر خاص توجہ دی جاتی ہے۔ ہر سال المعھد العالی سے ۲۵ر علماء فارغ ہوتے ہیں، جنہیں مختلف مقامات پر قضاء کی ذمہ داری دی جاتی ہے یا پھر درس وتدریس اور دعوتی کاموں کے لئے مامور کیا جاتا ہے، چند سالوں کی جدّ وجہد سے بڑی تعداد میں باصلاحیت اور باشعور اصحاب افتاء وقضاء تیار ہوئے، جو اس وقت ہندوستان کے مرکزی مقامات پر افتاء، قضاء، درس وتدریس اور دعوت وتبلیغ کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

اسباب فسخ وتفریق:

چودہ اسباب فسخ ہیں جن کی بنیاد پر کسی عورت کا نکاح فسخ کیا جا سکتا ہے، اور عورت کی اس کے شوہر سے تفریق کی جاسکتی ہے۔ وہ اسباب یہ ہیں۔

۱- شوہر کا مفقود الخبر ہونا۔

۲- شوہر کا غائب غیر مفقود ہونا۔

۳- شوہر کا ادائیگی نفقہ سے عاجز ہونا۔

۴- شوہر کا استطاعت کے باوجود نفقہ نہ دینا۔

۵- شوہر کا حقوق زوجیت ادا نہ کرنا۔

۶- شوہر کا مجبوب ہونا۔

۷- شوہر کا عنین ہونا۔

۸- شوہر کا مجنون ہونا۔

۹- شوہر کا مجذوم، مبروص یا ایسے مرض میں مبتلا ہونا جس کے باعث بغیر ضرر عورت کا ساتھ رہنا ناممکن ہو۔

۱۰- نکاح کا غیر کفو میں ہونا یا غبن فاحش کے ساتھ ہونا۔

۱۱- نابالغ کا خیار بلوغ کے حق کو اختیار کرنا۔

۱۲- عورت کا حرمت مصاہرت سے دوچار ہونا۔

۱۳- شوہر کا تکلیف دہ مار پیٹ کرنا۔

۱۴- زن وشوہر میں شقاق کا ہونا۔

مذکورہ بالا صورتوں میں سے چند صورتوں میں فسخ وتفریق کے باب میں دار القضاء امارت شرعیہ کا دوسرے ائمہ رحمہم اللہ کے مسلک پر عمل ہے، جس کی تفصیل اور دلائل ووجوہ نائب امیر شریعت حضرت مولانا عبد الصمد رحمانی کی بے نظیر تصنیف "کتاب

الفسخ والتفریق" میں ملاحظہ کی جائیں۔

حضرت مولانا مجاہد الاسلام قاسمیؒ کا بھی اسی کے مطابق عمل تھا۔ اور آپ انہیں اسباب ووجوہ کی بناء پر میاں بیوی کے مابین تفریق کراتے تھے، ان مذکورہ بالا اسباب کے علاوہ دورہ حاضر میں جہیز وتلک کی بڑھتی ہوئی لعنت کے پیش نظر شوہر کی طرف سے نقدی اور جہیز وغیرہ کے مطالبہ کی بناء پر بھی آپ تفریق کے قائل تھے، چنانچہ ایک مقدمہ میں آپ نے اسی بناء پر عورت کے مطالبہ پر نکاح فسخ کر دیا۔ اسی طرح بلیا، یوپی کے مقدمہ میں شوہر کا بھائی اپنی بھاوج کے بھائی کے قتل میں گرفتار کیا گیا تھا اور مدعیہ اور اس کے گھر والوں کی طرف سے دار القضاء امارت شرعیہ میں مقدمہ دائر کیا گیا اور عورت نے عرضی دعویٰ میں مطالبہ کیا کہ اسے شوہر کے گھر والوں کی طرف سے جان کی ہلاکت کا خطرہ ہے، اس لئے اس کا نکاح مدعا علیہ سے فسخ کر دیا جائے، چنانچہ حضرت علیہ الرحمہ نے جان کی ہلاکت کے پیش نظر مدعیہ کا نکاح فسخ کر دیا۔ اسی طرح لعان کے ایک مقدمہ میں آپ نے لعان کرائے بغیر تفریق کر دی تھی۔

نوعیت مقدمات:

حضرت مولانا مجاہد الاسلام قاسمی کے پاس حسب ذیل نوعیت کے مقدمات پیش ہوتے تھے، جن کے فیصلے آپ کتاب وسنت، اسلامی قضاۃ کے فیصلوں اور فقہاء کی تصریحات کے مطابق کرتے تھے، فسخ نکاح کی تمام نوعیت کے مقدمات جن کا ذکر اسباب فسخ کے تحت ہو چکا ہے۔ حقیت، وقف، شرکت، ہبہ، وصیت، وراثت (تقسیم جائداد) لیکن زیادہ تر مقدمات فسخ نکاح سے متعلق ہوتے ہیں۔ جن کا فیصلہ نسبتاً آسان ہوتا ہے، حقیت، شرکت، ہبہ، تقسیم جائداد وغیرہ کے مقدمات کے فیصلوں کو دیکھنے کے بعد آپ کے تبحر علمی، کار قضاء میں مہارت وکمال اور حذاقت وذہانت کا اندازہ ہوتا ہے، اس قسم کے مقدمات کے فیصلوں کو علیحدہ سے ترتیب دینے کی ضرورت ہے تاکہ عدالتوں

میں ان سے ریفرنس اور مرجع کا کام لیا جا سکے۔

کار قضاء میں مہارت، ذہانت وذکاوت اور فیصلوں کے نمونے:

آپ امور قضاء میں شریح ثانی تھے، مسائل قضاء پر بے پناہ عبور، وسیع نظر، کمال درجہ کی مہارت اور خداداد ذہانت وذکاوت کے مالک تھے، آپ کے سینکڑوں فیصلے ایسے ہیں جن سے کار قضاء میں آپ کی مہارت، غیر معمولی قوت حافظہ اور ذہانت وذکاوت کا صحیح اندازہ لگایا جا سکتا ہے، بہت سے ایسے مقدمات جو سالہا سال عدالتوں میں زیر التوا ہے، پھر آپ کے پاس وہ مقدمات پیش کئے گئے اور آپ نے چند ماہ کے اندر ان کے فیصلے کر دیئے، چھتر ہر ضلع کوڈرما میں ایک مقدمہ چالیس سالوں تک عدالت میں چلتا رہا مگر اس کا فیصلہ نہیں ہو سکا۔ فریقین تھک ہار کر آپ کے پاس آئے اور پھر آپ نے اس مقدمہ کا فیصلہ فرمایا، اسی طرح جناب کفایت اللہ چمپارنی کا ایک مقدمہ حقیت سے متعلق ہائی کورٹ سے ریفر ہو کر آپ کے پاس آیا اور آپ نے اس کا فیصلہ فرمایا، اسی طرح حاجی اسرائیل صاحب وبرادران دھنباد، وارثان علی حسین کی شرکت اور جناب محمود عالم صاحب کے ہبہ کے مقدمات کے فیصلے فرمائے، جو نہایت ہی اہمیت کے حامل ہیں، ان فیصلوں سے کار قضاء میں آپ کی مہارت اور ذہانت وذکاوت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے، بطور نمونہ آپ کے چند فیصلوں کے اقتباسات پیش کئے جا رہے ہیں۔

مقدمہ نمبر (۴۶۸۶/۲) ۱۳۸۶ھ میں حضرت قاضی شریعت مولانا مجاہد الاسلام قاسمی نے جو فیصلہ فرمایا اس سے آپ کی فقہی بصیرت، قضاء میں مہارت اور ذہانت کا پتہ چلتا ہے۔ حضرت قاضی صاحب نے فیصلہ میں لکھا ہے مدعیہ کا نکاح مدعا علیہ سے ہوا۔ اور مدعیہ کی اپنی سسرال آمد ورفت ہوتی رہی۔ برادر مدعا علیہ کلکتہ رہتے تھے، مدعیہ کے والد اور بھائی بھی کاروبار کے سلسلہ میں کلکتہ میں مقیم تھے۔ ۲۵/اپریل ۶۴ء کو پدر مدعیہ اپنے وطن بلیا میں تھے اچانک برادر مدعیہ انتہائی دردناک طریقہ پر قتل کر دیئے گئے۔

پولیس نے جاسوس کتوں کی رہنمائی پر برادر مدعا علیہ مسمیٰ امان اللہ کو گرفتار کرلیا۔ اس طرح ڈیڑھ سال تک عدالت میں مقدمہ چلتا رہا اور ہائی کورٹ سیشن سپرد ہوا۔ جہاں سے مسمیٰ امان اللہ برادر مدعا علیہ کو رہائی ملی۔ حادثہ قتل کی اطلاع جیسے بلیا پہونچی مادر مدعیہ نے مشمت، نامی ایک عورت کو بھیج کر مدعیہ کی رخصتی کرالی۔ مدعا علیہ کے لوگوں نے بہ رضا ورغبت مدعیہ کو رخصت کردیا۔ مدعیہ جب میکہ پہنچی تو اسے یہ بھی معلوم ہوا کہ مسمیٰ امان اللہ برادر مدعا علیہ مقدمہ قتل میں ماخوذ ہے۔ فطری طور پر مدعیہ کے دل میں مدعا علیہ کی طرف سے توحش ہوا۔ دوسری طرف مدعا علیہ نے اپنے بھائی امان اللہ کی گرفتاری کا دوسرا اثر لیا اور اس نے مدعیہ یا اس کے لوگوں کا ساتھ ہمدردی یا تسکین خاطر کا کوئی سامان نہیں کیا۔ اس طرح یہ دوری مزید بڑھی، پھر یہ کہ فوری طور پر نہ سہی زخم کے کچھ مندمل ہوجانے کے بعد ہی مدعا علیہ اصلاح حال کی طرف کچھ دھیان دیتے ایسا نہیں ہوا، حالانکہ قطع نظر اس بحث کے کہ برادر مدعا علیہ قتل میں واقعۃً شریک تھے یا نہیں۔ بہر حال یہ بات طے شدہ ہے کہ پولیس کا ان کو اس الزام میں ماخوذ کرنا پدر مدعا علیہ کے علم واطلاع کے بغیر ہوا، مدعیہ جوان کی شرعی بیوی تھی، اور ان لوگوں کی اجازت سے ایک دردناک حادثہ کی خبر سن کر اپنے میکہ آئی تھی، وہ شرعاً اور اخلاقاً اس کی بہت زیادہ مستحق تھی کہ اس کے ساتھ اچھا سے اچھا برتاؤ کیا جاتا نہ یہ کہ اس کے ساتھ ہر طرح ترک تعلق اختیار کر کے اس کی زندگی کو جہنم بنا دیا جائے، کہا جاسکتا ہے مدعا علیہ کو اپنے بھائی کے بے قصور گرفتاری کا فکر تھا، لیکن ظاہر ہے کہ امان اللہ کی گرفتاری اور برادر مدعیہ کے قتل جیسے دردناک واقعہ کو ایک حیثیت نہیں دی جاسکتی ہے، احکام فقہ اسلامی کی رو سے عورت جو ناشزہ نہ ہو استحقاق نفقہ کا رکھتی ہے۔ دلائل شرعی کی روشنی میں معمول دار القضاء امارت شرعیہ یہ ہے کہ عدم انفاق موجب فسخ نکاح ہے۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے شوہر کو "امساك بالمعروف" کا حکم دیا ہے، اگر وہ کسی بھی ناگزیر واقعہ کی وجہ سے اچھی طرح

اپنی بیوی کے ساتھ نباہ نہ کر سکے تو اس کے لئے "تسریح باحسان" ضروری ہے، معاملہ زیر بحث میں مدعا علیہ نے شریعت کی ان دو مقرر کردہ راہوں میں سے کسی ایک راہ کو اختیار نہ کر کے مدعیہ کو معلق بنا کر رکھ دیا ہے، حالانکہ قرآن کریم کا ارشاد ہے: "ولا تذروھا کالمعلقۃ"۔ عام طور پر یہ تصور کہ مرد اگر چاہے تو عورت کو طلاق دیدے اور نہیں چاہے تو زندگی بھر اسے معلق رکھ کر پریشان کرے۔ یہ خیال کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور فقہ اسلامی کی روشنی میں درست نہیں ہے، بلکہ فقہ اسلامی نے اگر مرد کو طلاق کا حق تفویض کیا ہے تو ناگزیر حالات میں عورتوں کی نجات کے لئے قاضی کو حق تفریق دیا ہے، اور یہی اصول ہے جس کی روشنی میں حکمت اور انصاف کے ساتھ فریقین کے حقوق کا تحفظ کیا جا سکتا ہے۔

یہ فیصلہ حضرت قاضی صاحبؒ کے ابتدائی زمانہ کا ہے، مگر فیصلہ سے پختگی اور کار قضاء میں مہارت صاف واضح ہے۔

شرکت سے متعلق مقدمہ نمبر (۸۷۲/۳۳۵) ۹۶ھ

یہ مقدمہ مشترک کاروبار سے متعلق بڑا الجھا ہوا اور پیچیدہ تھا، جس کا فیصلہ حضرت قاضی شریعت مولانا مجاہد الاسلام قاسمی علیہ الرحمہ نے کیا.......... اس مقدمہ کی نوعیت کے بارے میں آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ:

"مسل دیکھنے سے واضح ہوتا ہے کہ بڑے بھائی نے ڈھائی سو روپئے پونجی سے کاروبار کا آغاز کیا اور اپنے دو چھوٹے بھائی کو بحیثیت سرپرست ساتھ رکھا، اس طرح یہ کاروبار تینوں بھائیوں کی محنت اور اتفاق سے ترقی کرتا رہا۔ لیکن ان کے درمیان کوئی باضابطہ معاہدہ نامہ شرکت کا نہیں ہوا مگر عملاً تینوں شریک تھے اور تینوں سبھی مفادات میں بھی مشترک تھے اس لئے یہ صورت عقد شرکت ہی کی محلاً، اور عرفاً پیدا ہوگئی، اس لئے کہ شرکت کبھی اختیاری بھی ہوتی ہے اور کبھی اضطراری، یہاں من وجہ اختیاری ہی ہے کہ

تینوں نے اپنے اختیار سے کام شروع کیا اگر چہ باضابطہ شرکت کی کوئی بات نہ ہوئی ہو۔ اس حیثیت سے جو کچھ تینوں کی مشترک محنت سے پیدا ہوا اس میں شرکت تینوں کی ہوگئی، اور مقدمہ کا فیصلہ کرتے ہوئے تحریر فرمایا۔

اب رہا یہ سوال کہ عقد شرکت کن حالات میں ختم ہو جاتی ہے تو یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ مدعی نمبر ۲ رنے یہ کہکر کہ میں آپ لوگوں کے ساتھ کام نہیں کروں گا، علیحدہ ہو گیا۔ ایسی صورت میں شرکاء میں سے کوئی ایک کہدے کہ میں تمہارے ساتھ کام نہیں کروں گا، عقد شرکت فسخ ہو جاتا ہے، اس لئے کہ شرکت ان عقود میں سے ہے جسے متعاقدین میں سے کوئی بھی توڑ سکتا ہے۔ (دیکھئے درمختار ج/۳ص/۴۸۵ کتاب الشرکۃ)

پس مدعی نمبر ۲ رکا یہ کہکر علیحدہ ہو جانا کہ میں آپ لوگوں کے ساتھ کام نہیں کروں گا، اس کاروباری شرکت کو ختم کرنے کے مرادف ہوا جو شروع سے چلی آرہی تھی......اب اس مشترک پونجی کو جو علیحدگی کے دن موجود تھی فروخت کر کے اگر باقی شرکاء نے نفع کمایا تو اس نفع میں علیحدہ ہو جانے والا شریک حصہ دار ہوگا یا نہیں؟ اس سلسلہ میں صاحب بحر نے جو صورت لکھی ہے وہ مقدمہ ھذا پر پوری طرح منطبق ہو جاتی ہے۔

"وصورته اشتركا واشتريا امتعة ثم قال احدهما لا اعمل معك بالشركة وغاب فباع الحاضر الامتعة فالحاصل للبائع وعليه قيمة المتاع لأن قوله لا اعمل معك فسخ للشركة معه" (البحر ج/۵ص/۱۹۹)

یعنی ایک شریک کے کہدینے کے بعد کہ میں تمہارے ساتھ شرکت میں کام نہیں کروں گا، اگر دوسرا شریک اس پونجی کو فروخت کر کے نفع حاصل کرے تو وہ منافع دوسرے شریک کا ہوگا البتہ علیحدہ ہونے والا شریک اپنے حصہ کی اصل پونجی کا حقدار رہے گا، جو دوسرے شریک کے ذمہ عائد ہوگی۔

اس فیصلہ سے بھی آپ کے تفقہ، فقہی بصیرت، مسائل قضاء میں کمال واختصاص

اور ذہانت وذکاوت کا ثبوت ملتا ہے۔

اسی طرح مقدمہ نمبر (۱۸/۲۱۱) ۹۴ھ (کٹیہار) میں آپ نے شرعی پنچایت کے فیصلہ کو شرعاً غیر معتبر قرار دیا۔ چنانچہ آپ نے اس مقدمہ کا فیصلہ کرتے ہوئے تحریر فرمایا کہ:

''مقدمہ ھذا میں مدعی محمد شفیق نے اپنے بیٹے کی بہو کی رخصتی کا مطالبہ کیا ہے اور مدعا علیہ عبدالحکیم کو قرار دیا ہے کہ جو مدعی کی بہو کا باپ ہے۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ یہ مقدمہ لڑکی نے اسلام پور ضلع پورنیہ کی شرعی پنچایت میں دائر کیا جس نے فسخ کا فیصلہ کر دیا، جہاں نظام قضاء قائم ہو وہاں شرعی پنچایت کا قیام بے معنیٰ ہے اور خود تحکیم کا اصول یہ ہے کہ حکم کو فریقین کا تسلیم کردہ ہونا چاہئے۔ مداخلہ فیصلہ مظہر ہے کہ ان کی تحکیم کو مدعا علیہ نے تسلیم نے کیا، ایسی صورت میں ان کا فیصلہ شرعاً قابل اعتبار نہیں اور بی بی مجینہ دختر عبدالحکیم، محمد طاہر پسر محمد شفیق کی زوجہ ہے، اس کا نکاح دوسرے مرد سے جائز ودرست نہیں ہوگا، رہا یہ مسئلہ کہ بی بی مجینہ کو رخصت ہونے کا حکم دیا جائے تو اس مقدمہ میں نقص یہ ہے کہ دعویٰ زوج کے والد نے کیا ہے، جب کہ زوج محمد طاہر خود عاقل وبالغ ہے، اور اصطلاح فقہ میں مدعی کی تعریف "المدعی من إذا ترك تُرك" کی گئی ہے یعنی مدعی وہی شخص ہوسکتا ہے جو اگر دعوی سے باز آجائے تو دعویٰ ختم ہوجائے گا۔ ظاہر ہے کہ پدر زوج کے ترک دعوی سے دعویٰ ختم نہیں ہوگا، اس لئے کہ یہ حق زوج کا ہے پدر زوج کا نہیں، اس لئے پدر زوج اس مقدمہ میں مدعی نہیں ہوسکتا اسی طرح پدور زوجہ مدعا علیہ نہیں ہوسکتا۔ اس لئے کہ رخصت ہوکر جانے اور فرائض وحقوق زوجیت کی ادائیگی زوجہ کے ذمہ داری ہے، پدر زوجہ کی نہیں۔ لہٰذا یہ مقدمہ اس لائق نہیں کہ اس میں کوئی حکم دیا جاسکے، اسے خارج کرتا ہوں۔

یہ نہایت ہی اہم اور بے نظیر فیصلہ ہے، بہار، اڑیسہ وجھارکھنڈ میں اسّی سالوں سے امارت شرعیہ کے تحت قضاء کا مستحکم نظام قائم ہے اور اسے ہر طبقہ کے باشعور علماء اور

اصحاب افتاء کا اعتماد حاصل ہے، حضرت مولانا مجاہد الاسلام قاسمیؒ کا یہ فیصلہ کہ جہاں دار القضاء قائم ہو وہاں شرعی پنچایت کا قیام بے معنی ہے، کتاب وسنت کی نصوص اور فقہاء کرام کی تصریحات کے عین مطابق ہے۔ اس لئے کہ اصلاً قضاۃ کی تقرری کا حق حضرت امیر شریعت کو حاصل ہے۔

علمی نقوش:

حضرت قاضی شریعت مولانا مجاہد الاسلام قاسمی علیہ الرحمہ چالیس سال تک امارت شرعیہ میں قاضی کے منصب پر فائز رہے، جس میں چھتیس سال کا وہ عرصہ ہے جس میں زیادہ تر آپ کا قیام مرکزی دفتر میں رہا، آپ نے مقدمات کے فیصلوں، قضاۃ کے کاموں کی نگرانی، تربیت قضاء کے نظام پر توجہ دینے کے ساتھ ساتھ مقاصد امارت شرعیہ کی نشر واشاعت کی خاطر ریاست، ملک اور بیرون ملک کے اسفار کئے، اخیر کے چار سال علالت اور بیماری کی وجہ سے آپ کا قیام زیادہ تر دہلی میں بغرض علاج رہا، اس دوران بھی جب کہ آپ مہلک مرض میں مبتلا تھے، اطباء حضرات آپ کو برابر آرام کا مشورہ دیتے رہے، مگر آپ نے علمی انہاک اور تشنہ کاموں کی تکمیل میں اپنے کو مشغول رکھا اور اس دوران بہت سی علمی اور تحقیقی کتابیں آپ کے قلم سے منظر عام پر آئیں، آپ نے ہزاروں مقدمات کے فیصلوں کے علاوہ قضاء کے موضوع پر نہایت ہی اہم اور قیمتی کتابیں تصنیف فرمائیں جو اس عہد کے قضاۃ کے لئے تراث علمی اور مشعل راہ ہیں۔

۱- رہنمائے دار القضاء پر نظر ثانی:

حضرت امیر شریعت رابع مولانا منت اللہ رحمانیؒ کے ایماء پر آپ نے رسالہ رہنمائے دار القضاء پر نظر ثانی فرمائی اور بہت سے اہم عنوانات ومضامین کا اضافہ کر کے رسالہ کو جامع اور مفید تر بنا دیا۔

ترمیم شدہ کے رسالہ کے عنوانات درج ذیل ہیں۔

(۱) درخواست دائر کرنے کا طریقہ (۲) مدعا علیہ کے یاد رکھنے کی باتیں

(۳) میاں بیوی کے درمیان علیحدگی کی درخواستیں (۴) علیحدگی کی تین شرعی صورتیں (**الف**) خلع اور اس کی ضروری تشریح (**ب**) تفریق اور اس کی تفصیل (**ج**) طلاق

۲-قضاء اور اس کی شرعی بنیاد:

یہ مختصر رسالہ ہے جو قضاء کے موضوع پر نہایت ہی اہمیت وافادیت کا حامل ہے، سادہ اور عام فہم اسلوب میں قرآن وسنت اور فقہاء کرام کی تصریحات کی روشنی میں قضاء کی اہمیت وضرورت پر روشنی ڈالی گئی ہے، پھر اکابر ہند کے رجحان پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ حضرت شاہ عبد العزیز علیہ الرحمہ کے فتویٰ کے بعد ہر دور میں اکابر ہند نے ہندوستان میں قیام دار القضاء کو ضروری قرار دیا ہے، اپنے موضوع پر رسالہ جامع اور مفید ہے۔ ۱۹۷۴ء میں دار الاشاعت امارت شرعیہ کی طرف سے اشاعت ہوئی۔

۳-کتاب الفسخ والتفریق پر نظر ثانی اور ترتیب وتحقیق:

نائب امیر شریعت حضرت مولانا عبد الصمد رحمانیؒ بانی امارت شرعیہ مولانا ابو المحاسن محمد سجاد علیہ الرحمہ کے تربیت یافتہ اور صحبت یافتہ تھے، انہوں نے فکر امارت اور نظام امارت وقضاء کو کتاب وسنت کی نصوص اور فقہاء کرام کی تصریحات کی روشنی میں مدلل اور منضبط کیا، کتاب الفسخ والتفریق مسائل قضاء اور اسباب فسخ وتفریق اور اس بارے میں امارت شرعیہ کے دار القضاء کے طریقۂ کار کی دلنشیں تشریح ہے۔ حضرت قاضی صاحب علیہ الرحمہ نے اپنی بیماری کے زمانہ میں اس کتاب پر ضروری حواشی لگائے، عربی عبارات کا ترجمہ کرایا اور قیمتی مقدمہ لکھ کر اپنی نگرانی میں اس کی جدید طباعت کی اور ترتیب وتحقیق کی خدمت انجام دی، جس سے کتاب کی اہمیت میں اضافہ ہوا۔

۴-اسلامی عدالت:

یہ کتاب اسلام کے عدالتی قوانین کا مجموعہ ہے اور آداب قضا سے متعلق اردو زبان

میں پہلی کتاب ہے، یہ کتاب حضرت قاضی شریعت مولانا مجاہد الاسلام قاسمیؒ کے چھتیس سالہ قضاء کے تجربات اور مطالعہ کا نچوڑ ہے اور اجتہادی شان کی حامل ہے۔

قضاء کیا ہے؟ قاضی کی کیا ذمہ داریاں ہیں؟ اور اسلامی عدالت میں کیا طریقۂ کار ہونا چاہئے؟ اس موضوع پر اسلامی عدالت اردو زبان میں دفعات پر مشتمل فقہ اسلامی اور قضاء اسلامی کی پہلی کتاب ہے، جو نہایت ہی جامع اور مستند ہے، اس کتاب کی ترتیب میں تمام ائمہ فقہ کی آراء سے استفادہ کیا گیا ہے، اور تمام ہی مذاہب فقہ کی اصل کتابوں اور ماخذوں سے حوالے دیئے گئے ہیں۔

کتاب کے آغاز میں مصنفؒ کے قلم سے نہایت ہی قیمتی مقدمہ ہے جو ۱۳۴ر صفحات پر مشتمل ہے، جس میں حسب ذیل عنوانات پر مصنف نے تفصیل سے محققانہ کلام کیا ہے۔

فقہ کا تعارف، علم ادب القاضی اور اس کی تاریخ، قضاء کی تاریخ اور چند مشہور قضاۃ کا تعارف، امارت شرعیہ اور نظام قضاء، کار قضاء اور اجتہاد، مصادر شرع اسلامی، استحسان، استصلاح، استصحاب، قول صحابی، سد ذرائع، کتاب کا تعارف۔ مقدمہ کے بعد ابتدائیہ ہے، جس میں مصنف علیہ الرحمہ نے سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ان خطوط کو نقل کیا ہے جن کی حیثیت اسلام کے نظام عدالت میں سنگ میل کی ہے ان خطوط میں اسلام کے قانون قضائی کے بنیادی خطوط واضح کئے گئے ہیں۔ جن میں حسب ذیل خطوط شامل ہیں۔

۱- کتاب سیاسۃ القضاء..... مکتوب سیدنا حضرت عمر فاروقؓ بنام سیدنا ابوموسیٰ الاشعریؓ

۲- مکتوب سیدنا عمر فاروق بنام سیدنا معاویہؓ ۳- ہدایات سیدنا عمر فاروقؓ بنام قاضی شریح

یہ کتاب ۷۰۴ر دفعات پر مشتمل ہے، جس میں قاضی کی ضرورت واہمیت، قضاء کی حقیقت، ولایت قضاء سے متعلق چند ضروری مسائل، تفویض قضاء کا اختیار، قاضی کے لئے ضروری صفات قاضی کا دائرۂ عمل، تفویض قضاء کی صورت، عزل قاضی کی بحث، حلقۂ

قاضی، قاضی کے فرائض اور اس کے اختیارات، قاضی سے متعلق آداب، قاضی کی ذات سے متعلق آداب، فریقین کے ساتھ برتاؤ کے آداب، گواہوں کے ساتھ برتاؤ کے آداب، نیابت قضاء کی بحث، ثالثی کے متعلق قوانین اور اس جیسے دیگر اہم مسائل قضاء پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

یہ کتاب پہلی بار عمدہ کتابت، روشن طباعت اور اعلیٰ گٹ اپ کے ساتھ قاضی پبلشرز نئی دہلی سے شائع ہوئی، اہل علم وشائقین حضرات نے اسے شوق کے ہاتھوں لیا، پھر اس کا دوسرا شاندار تصحیح شدہ ایڈیشن " ادارة العلـــوم الإسلامية "کراچی سے شائع ہوا۔ راقم الحروف نے حضرت علیہ الرحمہ کی ہدایت پر اس کی تصحیح کا کام انجام دیا، جس کے اخیر میں دار القضاء امارت شرعیہ کی عدالتی کاروائی کے جملہ فارم شامل ہیں۔

اس کا عربی ترجمہ مولانا نور الحق رحمانی صاحب استاذ المعهد العالی نے کیا جس کا نام "نظام القضاء الاسلامی" ہے، جسے المعهد العالی پھلواری شریف نے شائع کیا، اس کا دوسرا ایڈیشن جناب امین عثمانی کی کوششوں سے بیروت میں شائع ہوا۔

یہ اسلامی عدالت کی پہلی جلد ہے، دوسری جلد کی ترتیب کا کام آپ نے شروع کر دیا تھا اور شہادت کا حصہ لکھ بھی چکے تھے مگر اپنی شدید علالت کی وجہ سے اس کی تکمیل نہیں کر سکے جس کا اہل علم کو شدت سے انتظار تھا۔

فیصلوں کی تعداد:

حضرت قاضی مجاہد الاسلام قاسمی علیہ الرحمہ چالیس سال تک قاضی کے منصب جلیل پر فائز رہے، چھتیس سال تک مقدمات کے فیصلے فرماتے رہے، اخیر کے چار سال شدید علالت کی وجہ سے بغرض علاج دہلی میں قیام رہا، مگر جب بھی پھلواری شریف آتے اہم مقدمات کے فیصلے فرماتے اور بعض مقدمات میں رہنمائی فرمائی اور بعض مسلوں کو دہلی منگوا کر ان کے فیصلے قلمبند کروائے، چھتیس سالہ عہد قضاء میں آپ کے قلم سے تقریباً بارہ ہزار چار سو ستر (۱۲۴۷۰)

مقدمات کے فیصلے ہوئے، جن میں ہر نوعیت کے مقدمات شامل ہیں۔
جن کی سن وار تفصیل حسب ذیل ہے۔

سال	تعداد مقدمات	سال	تعداد مقدمات
۱۳۸۱ھ	۱۹۶	۱۴۰۱ھ	۳۴۸
۱۳۸۲ھ	۲۰۰	۱۴۰۲ھ	۳۳۶
۱۳۸۳ھ	۲۱۰	۱۴۰۳ھ	۳۸۳
۱۳۸۴ھ	۲۰۸	۱۴۰۴ھ	۳۸۰
۱۳۸۵ھ	۲۲۱	۱۴۰۵ھ	۳۷۶
۱۳۸۶ھ	۲۶۴	۱۴۰۶ھ	۳۳۵
۱۳۸۷ھ	۲۵۲	۱۴۰۷ھ	۳۵۳
۱۳۸۸ھ	۲۷۳	۱۴۰۸ھ	۳۲۷
۱۳۸۹ھ	۲۷۸	۱۴۰۹ھ	۳۸۳
۱۳۹۰ھ	۳۰۸	۱۴۱۰ھ	۳۴۴
۱۳۹۱ھ	۳۱۸	۱۴۱۱ھ	۳۵۴
۱۳۹۲ھ	۲۶۳	۱۴۱۲ھ	۴۳۷
۱۳۹۳ھ	۳۴۰	۱۴۱۳ھ	۴۷۷
۱۳۹۴ھ	۲۹۹	۱۴۱۴ھ	۵۰۴
۱۳۹۵ھ	۲۹۴	۱۴۱۵ھ	۴۱۴
۱۳۹۶ھ	۳۴۸	۱۴۱۶ھ	۴۴۷
۱۳۹۷ھ	۲۸۳	۱۴۱۷ھ	۴۱۳
۱۳۹۸ھ	۳۳۳	۱۴۱۸ھ	۲۴۵
۱۳۹۹ھ	۲۸۰	۱۴۱۹ھ	۲۳۸
۱۴۰۰ھ	۳۱۵		

☆☆☆

حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ اور مسلم پرسنل لا بورڈ

از : محمد اسعد قاسمی

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے قیام کے بعد سے شاید ہی کوئی پڑھا لکھا ہندو یا مسلمان ہو جو مسلم پرسنل لا کے معنی ومفہوم اور اس کی اہمیت سے ناواقف ہو، پھر بھی یہاں یہ وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے کہ مسلم پرسنل لا دراصل مسلمانوں کا وہ شخصی وعائلی قانون ہے جس کا تعلق فرد سے بھی ہے اور مسلم معاشرے سے بھی، ان قوانین کی شرعی وقانونی اور دینی ومذہبی اہمیت یہ ہے کہ یہ تمام تر قرآن وحدیث سے ماخوذ ہیں اس لئے ان پر عمل نہ کرنے والوں کو کافر وفاسق اور ظالم کہا گیا ہے۔

﴿ومن لم يحكم بما أنزل الله فاؤلئك هم الكافرون﴾ (المائدة:۴۴)

اسی اہمیت کے سبب انگریزوں نے ہندوستان پر اپنی حکومت کے دور میں 'محمڈن لا' اور 'مسلم پرسنل لا' کے نام سے اسے باقی رکھا اور اسے عدالتوں میں تسلیم کیا۔ پھر آزاد ہندوستان کے دستور اور قانون میں بھی ''مسلم پرسنل لا'' کی دستوری وقانونی حیثیت کو تسلیم کیا گیا۔

اس شخصی وعائلی قانون کے دائرے میں نکاح وطلاق، خلع وتفریق، وراثت وحضانت، وقف وہبہ اور وصیت وغیرہ جیسے اہم معاملات آتے ہیں جو فرد وجماعت کی زندگی میں کلیدی اور بنیادی اہمیت رکھتے ہیں جن کی بدولت کوئی سماج اور معاشرہ قائم ہوتا

ہے اور فرد و خاندان اپنے معاملات کو بخوبی انجام دیتے ہیں۔

اسلام کے ان شخصی و عائلی قوانین میں عورتوں کے حقوق کی خاص رعایت کی گئی ہے اور ان کے صنفی تقاضوں کے پیش نظر ان کے حقوق کا تحفظ کیا گیا اور ان کے دائرۂ کار کا تعین کیا گیا ہے۔

ان عائلی قوانین کے ذریعے فرد و معاشرہ کے درمیان صحت منداور خوشگوار تعلقات قائم ہوتے ہیں اور ایک صالح، عفت پسند، حیادار اور ذمہ دار معاشرہ وجود میں آتا ہے جو صالح اقدار کا محافظ اور پاسباں ہوتا ہے اس لیے مغرب کے ملحد اور اباحت پسند تہذیب و معاشرت نے ''مسلم پرسنل لا'' اور عورتوں سے متعلق اسلامی قوانین پر نکتہ چینی اور ان کی مخالفت شروع کردی جس سے متاثر ہوکر ہندوستان میں بھی ان عائلی قوانین میں ترمیم و تنسیخ اور اصلاح و تبدیلی کی آوازیں اٹھنے لگیں تو ہندوستان کے علماء و مشائخ کو ان شرعی قوانین کے تحفظ کی فکر لاحق ہوئی جس کے نتیجے میں ۱۹۷۲ء میں بمبئی میں علماء اور مسلم دانشوروں کی کل ہند کانفرنس ہوئی اور مسلم پرسنل لا کے تحفظ اور دفاع کے لیے ملک کے ممتاز و منفرد علماء وفقہاء وکلاء اور دانشوروں کے اشتراک وتعاون سے ''مسلم پرسنل لا بورڈ'' قائم ہوا جس کے محرک حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ اور پہلے صدر حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ تھے۔ قاضی صاحبؒ بورڈ کے قیام کے ساتھ ہی اس کے بنیادی ممبر اور مجلس عاملہ کے رکن رکین تھے اور اس کے مختلف کاموں اور پرگراموں میں شروع سے آخر تک پوری دلچسپی لیتے رہے اور بورڈ کے اغراض و مقاصد کے حصول کے لیے سرگرم بلکہ سرگرداں رہے۔

اور حقیقت تو یہ ہے کہ وہ ہمیشہ ہی بورڈ کے نمائندہ اور ترجمان بنے رہے۔ مسلم پرسنل لا بورڈ کے قیام سے کچھ پہلے مولانا منت اللہ رحمانیؒ کی تحریک پر مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ نے دارالعلوم دیوبند میں بھی قائدین ملت اور ممتاز ترین علماء اور دانشوروں کا

ایک مخصوص مشاورتی اجلاس بلایا تھا بزرگوں کے حکم وایماء پر بورڈ کے اغراض ومقاصد، اور مباحث وموضوعات کا خاکہ تیار کرنے کے لیے مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحبؒ نے دیوبند میں ایک ماہ کے قریب قیام کیا، اور اپنے مفوضہ کام کو بخیر وخوبی انجام دیا اور اس طرح قاضی صاحبؒ کی شب وروز محنت کے نتیجہ میں بورڈ کا وہ بنیادی خاکہ تیار ہوا جس میں بورڈ نے آگے چل کر رنگ بھرا اور اسے عملی شکل دی۔

قاضی صاحبؒ کو اپنی علمی صلاحیت، فقہی بصیرت ومہارت، اور معاملہ فہمی وذکاوت کے سبب پرسنل لا بورڈ کے اکثر علماء اور خصوصاً حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ، حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ اور حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ کا اعتماد حاصل رہا، بلکہ اکثر مواقع پر انہوں نے ان اکابر کی نمائندگی اور نیابت کی۔

ججوں، وکیلوں، ماہرین قانون، اور صحافیوں سے مسلم پرسنل لا بورڈ کے موقف کی ترجمانی اور وضاحت کے لیے یہ اکابر علماء اکثر قاضی صاحبؒ کو آگے بڑھاتے تھے اور وہ اپنی خداداد صلاحیت، اور جرأت وہمت اور ذہانت وفطانت سے کام لے کر شرعی اور اسلامی قوانین کی نہ صرف وکالت ووضاحت کرتے تھے بلکہ ججوں اور دانشوروں، صحافیوں اور وکیلوں کو بھی قائل کر دیتے تھے اور ان کے دل ودماغ پر اسلامی قوانین کی برتری وبہتری کا نقش قائم کر دیتے تھے، ان کی اس کامیابی کا راز ان کی علمی وفقہی بصیرت، مؤثر خطابت، اور موقع شناسی اور حالات زمانہ سے واقفیت میں مضمر تھا۔

۱۹۸۵ء میں شاہ بانو کیس میں فیصلہ دیتے ہوئے سپریم کورٹ نے جب نفقۂ مطلقہ کو تا عقد ثانی ادا کرنے کا حکم دے کر قرآن وحدیث کی من مانی تشریح اور شریعت میں مداخلت کا راستہ کھول دیا جس پر ملک بھر میں مسلمانوں نے احتجاج کیا، مسلم پرسنل لا بورڈ نے تقریری وتحریری طور پر پورے ملک میں نفقۂ مطلقہ اور متاع معروف کی تشریح وتوضیح کی، اس سلسلے میں قاضی صاحبؒ نے بھی قانون شریعت کی اہمیت اجاگر کی اور ہندستانی

عدلیہ و ہندستانی حکومت کے سامنے شریعت کے موقف کی کھل کر وضاحت کی اور ملک بھر کے طوفانی دورے کیے بالآخر وزیر اعظم راجیو گاندھی کی تائید سے مسلم مطلقہ ترمیمی بل پاس ہوا جس سے لوگوں کو کچھ راحت ملی۔

اسی عرصے میں قاضی صاحبؒ نے امارتِ شرعیہ بہار کے طرز پر ہندوستان بھر میں قیام امارت اور دار القضاء و دار الافتاء قائم کرنے کی مہم چلائی اور مسلمانوں کو شرعی عدالتوں سے رجوع کرنے کی ترغیب دی، یہ مہم بڑی حد تک کامیاب ہوئی اور کئی صوبوں کے اہم شہروں میں دار القضاء قائم ہوئے خصوصاً ندوۃ العلماء لکھنؤ میں یوپی کا مرکزی دار القضاء قائم ہوا جو سرگرمی سے اپنے فرائض انجام دے رہا ہے، حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ کے دور صدارت میں بھی قاضی صاحبؒ نے پرسنل لا بورڈ کی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اس کے اجلاس ہائے عام کو کامیاب بنایا، اور انھیں یہ اعزاز بھی حاصل ہوا کہ مولانا علی میاںؒ نے کانفرنسوں اور صحافیوں سے انٹرویو میں مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحبؒ کو بورڈ کے ترجمان کی حیثیت سے پیش کیا اور ان پر مکمل اعتماد کیا۔ مولانا علی میاں صاحبؒ کی علالت کے دوران قاضی صاحبؒ پرسنل لا بورڈ کی ذمہ داریوں کو سنبھالے رہے۔ مسلم پرسنل لا بورڈ کے قیام کے بعد اس سے قاضی صاحبؒ کی مسلسل وابستگی اور ان کی گراں قدر خدمات کو دیکھتے ہوئے مولانا علی میاں صاحبؒ کے بعد بورڈ کی صدارت کے لیے ان کا متفقہ طور سے انتخاب ہوا اور انہوں نے اپنی شدید علالت کے باوجود اس عظیم ذمہ داری کو سنبھال لیا اور صرف سنبھالا ہی نہیں بلکہ اس میں ایک نئی روح پھونک دی، دلّی میں اس کے دفتر کو منظم کیا، اور انتظامی امور کی اصلاح کی، اس کی سرگرمیوں میں اضافہ کیا، فرقہ پرست جماعتوں کی طرف سے ایک بار پھر بابری مسجد کی جگہ رام مندر کی تعمیر کا قضیہ کھڑا کیا گیا، اور بورڈ کو مرعوب و متاثر کرنے کی کوشش کی گئی، لیکن قاضی صاحبؒ نے جرأت مندانہ موقف اختیار کر کے بورڈ کے شرعی فیصلے کی تائید کی

اور حکومت اور فرقہ پرور جماعتوں کے آگے جھکنے سے انکار کر دیا۔

قاضی صاحب کے دور صدارت میں مسلم پرسنل لا بورڈ نے ایک اور علمی و دینی کارنامہ انجام دیا وہ یہ کہ اسلام کے عائلی قوانین کا جدید طرز پر دفعہ وار جو مستند مجموعہ مولانا منت اللہ رحمانیؒ نے ممتاز علماء کی ایک جماعت کے ذریعہ تیار کرایا تھا وہ سالہا سال گذرنے کے باوجود بعض اسباب و موانع کی بنا پر چھپ نہیں سکا تھا۔ قاضی صاحبؒ کی مسلسل دلچسپی اور کوشش سے اس کو ''مجموعہ قوانین اسلامی'' کے نام سے بورڈ نے بڑی آب و تاب سے شائع کیا۔ اور اس کا انگریزی ترجمہ بھی کرا دیا، اور ملک کے قانونی حلقوں اور عدلیہ تک اسلامی قوانین کو مرتب شکل میں پہنچا دیا۔

قاضی صاحبؒ نے اپنے دور میں بورڈ کے ارکان میں مزید اضافہ کیا، اس کو وسعت دی اور اس کے لیے لائق افراد کا انتخاب کیا۔ بورڈ کی قیادت کے لیے قاضی صاحبؒ کو بہت کم وقت ملا، لیکن مختصر مدت میں بھی قاضی صاحبؒ نے ایسے مفید کام کیے جو کارنامے کی حیثیت رکھتے ہیں، مسلم پرسنل لا بورڈ ملک کے تمام ہی علماء کا نمائندہ ادارہ ہے لیکن اس پر قاضی صاحبؒ کی خدمات کے آثار و نقوش بہت تابندہ و درخشندہ ہیں جو ان کی یاد دلاتے رہیں گے اور مشکل حالات میں رہنمائی کرتے رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ دین و شریعت کے اس ''مرد مجاہد'' کی قربانیوں کو قبول فرمائے اور انہیں اپنے قرب و رضا سے نوازے، اور مسلم پرسنل لا بورڈ کو دین و شریعت کی حفاظت و اشاعت کی توفیق مزید بخشے۔

وما ذلك على الله بعزيز

حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ اور اتحادِ ملت

از: مولانا ڈاکٹر شمس تبریز خاں
استاذ شعبۂ عربی، لکھنؤ یونیورسٹی، لکھنؤ

اپنے عزیز دوست اور دار العلوم کے ہم سبق ساتھی مولانا شعیب احمد رحمانی مرحوم (استاذ اردو رانچی یونیورسٹی) سے جو حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب قاسمیؒ کے بھانجے تھے، قاضی صاحب کا نام غالباً پہلی بار سنا اور ان کی غیر معمولی محنت وصلاحیت اور دار العلوم سے درجۂ اول میں فراغت کا علم ہوا اور ان کی علمیت اور لیاقت کا تأثر ذہن پر مرتسم ہو گیا اور دل میں ان کی عزت وعظمت بڑھ گئی، دار العلوم سے فراغت کے بعد مولانا شعیب مرحوم کے کہنے پر میں دو ماہ کے قریب ہفتہ وار ''نقیب'' پھلواری شریف کی ادارت سے متعلق رہا، قاضی صاحب میرے پڑوس ہی میں مقیم تھے اس لیے دو ماہ تک برابر یکجائی رہی، ان دنوں حضرت مولانا سید نظام الدین صاحب مدظلہ (حال امیر شریعت بہار) اور جناب مولانا احمد علی قاسمی صاحب (جنرل سکریٹری مسلم مجلس مشاورت) بھی ناظم امارت کے عہدوں پر وہاں قیام فرما تھے اور ان سے بھی ملاقاتیں رہتی تھیں، وہیں مولانا محمد شفیع تمنائی (ناقل فتاوی امارت شرعیہ) سے جو اچھے شاعر اور سخن فہم تھے، مخلصانہ تعلق رہا، قاضی صاحب کی دعوت پر بہار بلکہ ملک کے مشہور شاعر جناب کلیم عاجز اکثر تشریف لاتے تھے اور اپنے اشعار سے محظوظ کرتے تھے اس سے اندازہ ہوا کہ ہمارے قاضی صاحب شعر وسخن کا بھی اچھا مذاق رکھتے ہیں۔

امیر شریعت حضرت مولانا منت اللہ رحمانی صاحبؒ جب تشریف لاتے تو ہم سب

لوگ ان کی خدمت میں حاضر ہوتے، وہاں قاضی صاحب کا حسن ادب اور تواضع دیکھنے والا ہوتا تھا اور اس سے یہ سبق ملتا تھا کہ اپنے بڑوں کی کس طرح عزت کرنی چاہئے۔

ملت کے لیے قاضی صاحب کی فکر مندی اور دردمندی کے جو نمونے ان دو مہینوں میں دیکھے وہ ان کی بقیہ زندگی اور ملت کے لیے ان کی بے چین طبیعت کو سمجھنے کی بنیاد بنے رہے، جب بھی کوئی فساد ہوتا تو قاضی صاحب امیر شریعت کی طرف سے اخبارات کے لیے بیان جاری کرتے اور عرب سفیروں وغیرہ کو اس کی طرف متوجہ کرتے، حالات جاننے کے لیے اردو انگریزی اخبارات کا پابندی سے مطالعہ کرتے اور ریڈیو سے بھی خبریں سنتے تھے، اور پریس کانفرنس بھی بلاتے تھے، اور حسب سہولت امارت کی طرف سے فساد زدگان کی مدد بھی کراتے تھے۔ حکام سے رابطہ کر کے فساد کی مذمت کے ساتھ ان کو فساد پر قابو پانے اور مصیبت زدوں کی مدد کی طرف متوجہ کرتے تھے، وہ قاضی صاحبؒ کی زندگی کا ارتقائی اور تشکیلی دور تھا، لیکن اس دور میں بھی ان کی پابندیٔ اوقات، یکسوئی کے ساتھ مطالعہ، دفتری مشغولیات، تنظیمی معاملات، تحریر و تقریر سب میں نمایاں چیز ملت کے لیے ان کی فکر مندی اور دردمندی تھی جو ان کو متحرک اور بے قرار رکھتی تھی۔

امارتِ شرعیہ ہر دور میں مسلمانوں کی وحدت و اجتماعیت کی اساس رہی ہے جو منصوص بھی ہے کہ اللہ اور رسولؐ کے بعد مسلمان اپنے امیر و خلیفہ کی اطاعت کریں اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامیں، چنانچہ ان احکام پر عمل کے نتیجے میں مسلمانوں میں وحدت و اخوت اور اجتماعیت کے اوصاف پیدا ہوئے اور وہ ایک طاقت بن کر ابھرے مسلمانوں میں جب تک خلافت کا نظام قائم رہا تو مسلمانوں کی وحدت و اجتماعیت بھی قائم رہیں اور خلافت کے خاتمے کے بعد مسلمان طرح طرح کی فرقہ بندیوں اور قومیتوں میں بٹ گئے جس کا انجام یہ ہوا کہ اپنی کثرت عددی کے باوجود بے وزن و بے وقار ہو گئے۔ ہندستان میں مسلم حکومت کے خاتمے کے بعد علماء نے ملی اتحاد و اتفاق اور شیرازۂ ملت کی مضبوطی کے لیے امارت شرعیہ کے نظام کی وکالت کی جس سے

بہار واڑیسہ اور پھر بعض اور صوبوں نے فائدہ اٹھایا۔ قاضی صاحبؒ نے امارتِ شرعیہ کے اس پیغام کے تحت اور اس پلیٹ فارم سے مسلمانانِ ہند کو ہمیشہ اتفاق واتحاد، ملی شیرازہ بندی اور اپنی صفوں کی مضبوطی ودرستگی کی دعوت دی اور الحادودہریت، بے دینی وبداخلاقی کے ماحول میں دینی اور دعوتی زندگی گزارنے اور مذہب واخلاق کا اچھے سے اچھا نمونہ پیش کرنے کی تلقین کی کہ جس حد تک ہوسکے اپنے امیر کی اطاعت کریں اور ملکی قوانین کے ساتھ اپنے عائلی وخاندانی قوانین اور شریعت کے اخلاقی نظام کو اپنائیں جو ان کی وحدت واجتماعیت اور قومی طاقت کا ذریعہ بھی ثابت ہوگی۔

قاضی صاحب امارت شرعیہ کے اس مقصد وپیغام ہی کے ساتھ مسلم پرسنل لاء بورڈ سے بھی وابستہ ہوئے جو علماء وماہرین امت کی منتخب اور متفق علیہ تنظیم ہونے کے سبب مسلمانانِ ہند کی ترجمان بھی ہے اور ان کی ملی وحدت وجمعیت کی اساس بھی ہے، اسی لیے مسلم پرسنل لا بورڈ میں مسلمانوں کے ہر فرقہ وجماعت کی نمائندگی ہے تاکہ وہ حکومت کے سامنے متفقہ ومشترکہ طور سے اپنی آواز اٹھائیں اور اپنے دستوری وآئینی حقوق کے لیے مل جل کر جدوجہد کریں۔ چنانچہ مسلم پرسنل لا بورڈ کی اس حکمت عملی کے اچھے اور مفید نتائج سامنے آئے ہیں اور ملت کی اجتماعیت وشیرازہ بندی کو طاقت ورسوخ حاصل ہوا ہے۔

اس سال کے شروع میں جب فرقہ پرور طاقتوں نے بابری مسجد کے سلسلے میں سخت موقف اپنایا اور ملکی قوانین اور عدلیہ کو بھی نظر انداز کر کے من مانے حل کے لیے ہنگامہ برپا کیا تو بورڈ نے دستوری حدود میں رہنے اور عدالتی فیصلے کو تسلیم کرنے کے اعلان کے ساتھ ہندو مسلم مذہبی رہنماؤں کی خوشگوار ماحول میں بات چیت کا بھی انتظام کیا لیکن مختلف وجوہ سے وہ گفتگو ناکام رہی، لیکن اپنے صدر کی رہنمائی میں بورڈ نے جرأت مندانہ موقف اپنایا اور مسلمانوں نے بھی اپنی وحدت اور اجتماعیت کا ثبوت دیا جس کے نتیجے میں فرقہ پرست طاقتوں کو پیچھے ہٹنا پڑا۔

ملی اتحاد و اتفاق اور ملت کی سربلندی اور سیاسی وزن و وقار میں اضافہ کے لیے قاضی صاحب اور ان کے چند دردمند و مخلص دوستوں نے ''ملی کونسل'' کے نام سے ایک سیاسی پارٹی کی بنیاد بھی ڈالی تاکہ وہ مسلمانوں کو سیاسی و سماجی طور سے خود کفیل اور خود مختار بنا سکے اور انہیں دوسری سیاسی پارٹیوں کے جبر و استحصال سے نجات دلا سکے۔ اس میں ملت کے بہت سے اہل فکر و نظر اور مختلف جماعتوں اور طبقوں کے لوگ شامل کیے گئے اور اس کے پلیٹ فارم سے ملی مفاد اور اتحاد کی آواز بلند کی گئی اور مسلمانانِ ہند کے سامنے ایک سیکولر، بااصول و باضمیر اور غیر جانبدار سیاسی جماعت کا نصب العین رکھا گیا جس سے جڑ کر وہ ہندستان کی سیکولر، جمہوریت پسند اور انصاف پرور جماعتوں اور طاقتوں کو مؤثر بنا سکتے اور خود اپنی صفوں کو درست کر کے اور گروہی و جماعتی، ذاتی و شخصی مفادات سے بلند ہو کر ایک متحدہ سیاسی قوت بن سکتے ہیں۔

اس کے لیے انھوں نے علماء و ماہرینِ سیاست کے نام سے اپلیں شائع کیں اور ملت کو اس کے نفع و ضرر سے آگاہ کیا اور الیکشن کے مواقع پر سیکولر جماعتوں کے لائق اور ایماندار نمائندوں کی حمایت کے لیے ایسی اپیلیں کیں، جن پر اگر عمل ہو تو وہ ہندستان کی سیکولر جمہوریہ کی اقلیتوں کے لیے بہترین لائحہ عمل ثابت ہو سکتی ہیں۔

قاضی صاحبؒ نے ملی کونسل کے دستور اساسی کا آغاز ہی ایسے الفاظ سے کیا تھا جن سے ملی اتحاد اور ملی سربلندی کے لیے ان کی قلبی کیفیت کا اس طرح اظہار ہوا تھا، ''ملت اسلامیہ کا انتشار، نظم و اتحاد کا طالب ہے، یہ امت جو قیام عدل و انصاف کے لیے وجود میں آئی تھی قعر مذلت میں گرتی جا رہی ہے، ضرورت ہے کہ اس کے منصبِ عظیم اور مقام بلند کی اس کو یاد دلائی جائے، نیکی اور معروف کی اشاعت، بدی اور فساد کے خاتمہ کے لیے جس گروہ کو پیدا کیا گیا تھا وہ آج خود اپنی زبوں حالی اور ہمہ جہت پسماندگی کے سبب دوسروں کے لیے درسِ عبرت بن گیا ہے، ضرورت ہے کہ اس میں ایسا امنگ

وحوصلہ پیدا کیا جائے کہ وہ پھر جادۂ حق وصداقت پر گامزن ہوسکے(۱)

ملی کونسل کے اغراض ومقاصد میں بھی ترجیحی طور پر اتحاد ملت کو جگہ دیتے ہوئے لکھا گیا تھا:

''(الف) کلمۂ طیبہ کی بنیاد پر مسلمانوں میں اجتماعیت اور اتحاد پیدا کرنا اور اس بات کی کوشش کرنا کہ مسلمان بحیثیت خیر امت اس ملک میں اپنی ذمہ داریاں پوری کرسکیں الخ''(۲)۔

ملی اتحاد واجتماعیت کو دینی بنیادوں پر استوار اور مضبوط کرنے کے لیے انھوں نے ۱۹۸۹ء میں ''اسلامک فقہ اکیڈمی'' کے قیام اور اس کے بین الاقوامی سیمناروں سے بھی مدد لی، اس کے ذریعے جہاں انھوں نے فقہ اسلامی کو نئی حرکت وحرارت بخشی، اجتہاد کے بند دروازے کھولے اور پیچیدہ عصری مسائل پر کھل کر بحث کرنے، اور سنجیدگی سے ان کی حل کی تلاش کی دعوت دی وہیں چاروں مذاہب فقہ سے استفادہ اور تلفیق کے ذریعے مسلکی مخالفت ونزاع، اور تحزب وتعصب کو ختم کرنے کی سعی مشکور بھی کی اور ائمہ اربعہ کو یکساں طور سے محترم ومعظم سمجھنے اور ان کی گرانقدر فقہی ودینی خدمات کی قدر اور ان سے استفادہ کا ذوق ومزاج اور رجحان پیدا کیا جو تقریباً ختم ہورہا تھا۔

اسی کے ساتھ انھوں نے برصغیر اور عالم اسلام کے مختلف مسالک فقہ سے منسلک فقہاء وعلماء کو باہمی ربط وتعلق اور افہام وتفہیم کے رشتے میں باندھنے اور فقہی اختلافات میں اعتدال کی راہ اپنانے، اور اختلاف کو نزاع باہمی ومخالفت کا سبب نہ بنانے کی حکمت عملی اپنائی اس کے لیے انھوں نے اپنی زندگی میں ۱۳؍بین الاقوامی سیمنار اور مذاکرات کرائے اور ان میں ہر فقہی مسلک ومذہب کے افراد کو دل کھول کر دعوت دی اور ان کی بحث وتحقیق کی اشاعت کی اور ان کا خیر مقدم کیا۔

قاضی صاحبؒ نے اپنے اس طریقۂ عمل کے بارے میں خود لکھا تھا کہ ''ان فقہی مجالس

(۱) دستور اساسی، ص/۳، (۲) ایضاً ص/۱۳۔

میں بلالحاظ اختلافِ مسلک وخیال فقہ اسلامی کے ماہرین کی شرکت اور کھلے ذہن کے ساتھ اصل صورت حال کی تحقیق اور پوری احتیاط کے ساتھ احکام شروع کی تطبیق کا جو عظیم الشان عمل شروع ہوا ہے وہ امتِ مسلمہ کے لیے فال نیک ہے..(اہم فقہی فیصلے ص/۳)

فقہ اکیڈمی کا تعارف کراتے ہوئے برادر محترم مولانا عتیق احمد قاسمی صاحب نے صحیح لکھا تھا کہ ''مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب دامت برکاتہم کی دیرینہ خواہش تھی کہ نئے مسائل پر اجتماعی غور وخوض اور فیصلہ کے لیے بڑے پیمانہ پر سیمنار بھی منعقد کیے جائیں جن میں ہندوستان کے تمام اصحاب تحقیق علماء وفقہاء کو بلا اختلاف مسلک دعوت دی جائے اور نئے مسائل کی حقیقت اور صحیح صورت حال سے واقف ہونے کے لیے علوم جدید کے ماہرین کو بھی ان سیمناروں میں شریک کیا جائے اور تصویر مسئلہ میں ان سے مدد لی جائے''(۱)

مشرقی یوپی کے عظیم تعلیمی ادارہ ''دارالعلوم الاسلامیہ بستی'' میں اسلامک فقہ اکیڈمی کا بارہواں بین الاقوامی اجلاس ۱۱رتا ۱۴رفروری ۲۰۰۰ء میں منعقد ہوا جس میں ایک موضوع بحث، اختلاف فقہاء کے اسباب'' بھی تھا۔اس مذاکرے میں مختلف مسالک فقہ کے علماء وفضلاء نے جس طرح چاروں ائمہ کرامؒ کا پورا احترام ملحوظ رکھا اور ان کے مصادر وماخذ، اور منہج وطریقۂ کار کو سمجھنے سمجھانے کی کوشش کی وہ بھی باہمی اختلافات ونزاعات کو گوارا کرنے اور اس سلسلہ میں رواداری وکشادہ قلبی اور وسیع النظری کا رویہ اپنانے کی ایک پرزور دعوت اور اختلافی مسائل میں اعتدال وانصاف کی راہ اپنانے کی ایک اچھی مثال تھی۔

امارتِ شرعیہ ومسلم پرسنل لابورڈ قاضی صاحب کا میدان عمل تھے جس کے ذریعے انھوں نے اتحاد ملت کی سرگرمیوں کو بہت تقویت پہنچائی، ''اسلامک فقہ اکیڈمی'' اور ''ملی کونسل'' ان کی وہ یادگاریں ہیں جن کے ذریعے انھوں نے اتحاد ملت اور ملت کی عظمت رفتہ کی بحالی اور روشن مستقبل کے لیے دینی ودنیوی بنیادیں استوار کیں۔

قاضی صاحبؒ کو ہمارا بہترین خراج عقیدت یہی ہے کہ ہم ان اداروں کی قدر کریں

(۱) سہ ماہی فکر اسلامی بستی معاصر فقہ اسلامی نمبر ص/ ۳۵۷

اور وحدت واجتماعیت، یک جہتی و یک دلی کے ساتھ اپنی صفوں کو مضبوط کریں اور بنیان مرصوص (سیسہ پلائی دیوار) بن جائیں ؎

اٹھ کہ خورشید کا سامانِ سفر تازہ کریں
نفس سوختۂ شام وسحر تازہ کریں

فرقہ پرور اور فسطائی طاقتوں کے عزائم بڑھتے جارہے ہیں اور وہ اپنے ناپاک اور مجرمانہ منصوبوں میں کامیاب ہوتے نظر آرہے ہیں کہ اب انہیں بڑی طاقتوں کی تائید بھی حاصل ہوتی نظر آتی ہے گجرات میں جس طرح سے تین ماہ سے فرقہ پرستی کا ننگا ناچ ہورہا ہے اور اس کے مقابلے پر سیکولر طاقتیں بے بس نظر آتی ہیں اور جس انداز میں سنگھ پریوار کے خطرناک منصوبے سامنے آرہے ہیں اور جس طرح انھوں نے مسلمانوں کی نسل کشی اور اپنے وطن سے بے دخلی کے لیے جارحانہ ومجرمانہ طریقے اپنائے ہیں وہ پورے ہندستان کے مسلمانوں کے لیے نہ صرف گہرے غور وفکر کی بلکہ فوری تدابیر اور حکمت عملی اپنانے کی دعوت دے رہے ہیں کہ گجرات میں ہندتو کا تجربہ کہیں بھی شروع ہوسکتا ہے۔ اس لیے ان ہنگامی حالات میں مسلمانان ہند سیکولر طاقتوں سے تعاون کے ساتھ اپنی صفوں کو چست ودرست کریں، تمام مذہبی، مسلکی، اور سیاسی اختلافات بھلا دیں خصوصاً شیعہ سنی، دیوبندی بریلوی، اہلحدیث ومقلدین کے اختلافات سے لازمی طور سے گریز کریں۔ اسی طرح سے اونچی اور نیچی ذات ونسل اور برادریوں کی عصبیت جاہلیہ کو ترک کر کے صرف ملت اسلامیہ اور امتِ محمدیہ کے فرد بن جائیں اور اپنی اخوت ومساوات کا دیرینہ سبق یاد کر کے اپنے حال کو بہتر اور مستقبل کو بہترین بنانے کے عمل میں کتاب وسنت کی تعلیمات کی روشنی میں گامزن ہوجائیں ؎

بخود خزیدہ ومحکم چوکوہساراں زی
چو خس مزی کہ ہوا تند وشعلہ بیباک است

(اقبال)

حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کی

تصنیفی خدمات

از:- مولانا عتیق احمد قاسمی
استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

ایسی شخصیتیں بہت کم ہوتی ہیں جو بہ یک وقت تحریر، تقریر اور تدریس تینوں پر کامل دستگاہ رکھتی ہوں، عام طور پر باکمال لوگ ان میں سے ایک یا دو چیزوں میں کمال رکھتے ہیں، ایسا خال خال ہی ہوتا ہے کہ تینوں میدانوں میں ایک ہی شخص کو اعلیٰ درجہ کا کمال حاصل ہو، تصنیف، تقریر اور تدریس میں سے ہر ایک کا الگ مزاج اور خصوصیات ہیں، ہر ایک کے تقاضے ایک دوسرے سے مختلف ہیں، اسی لئے عام طور پر اچھا مصنف اچھا مقرر نہیں ہوتا، اور اچھا مقرر اچھا مدرس نہیں ہوتا۔

عبقریت وجامعیت:

حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ جل شانہ نے عبقریت اور جامعیت عطا کی تھی، وہ بہ یک وقت مختلف اور متضاد اوصاف اور صلاحیتوں کے مالک تھے، ان کی باقاعدہ تدریسی زندگی بہت مختصر اور محدود رہی، دار العلوم دیوبند سے فراغت کے بعد چند سال انھوں نے جامعہ رحمانیہ خانقاہ مونگیر میں ایک کامیاب مدرس کی حیثیت سے زندگی گزاری، ان کی یہ زندگی بڑی پر فیض اور باثمر تھی، ان کے بہت سے ممتاز اور

صاحب قلم تلامذہ تازہ دم اور سرگرم عمل ہیں، وہ ان کی تدریسی خصوصیات پر زیادہ بہتر انداز میں روشنی ڈال سکتے ہیں۔

خطیبانہ مقام:

تقریر وخطابت ان کا خصوصی میدان تھا، میدان خطابت میں انہوں نے بہت کم عمری میں اور بڑے بڑوں کی موجودگی میں اپنا مخصوص مقام بنالیا تھا، موقع محل اور مجمع کی رعایت سے ان کا خطاب بڑا مؤثر اور دلنشیں ہوتا تھا، ان کی خطیبانہ خصوصیات کو بیان کرنے کے لئے مستقل مضمون کی ضرورت ہے۔

ان کا خطیبانہ رنگ وآہنگ رفتہ رفتہ ان کی زندگی کے دوسرے پہلوؤں پر غالب آتا گیا، قاضی شریعت کے علاوہ لوگ انھیں اسی حیثیت سے جاننے لگے کہ وہ چوٹی کے کامیاب خطیب ومقرر ہیں اور ان کی زبان میں خداوند تعالیٰ نے بلا کی تاثیر رکھی ہے۔

تصنیفی خدمات:

حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ جس پایہ کے خطیب ومقرر تھے اسی درجہ کے مصنف اور قلم کار بھی تھے، فیاض ازل نے انھیں اعلیٰ درجہ کی تصنیفی صلاحیت سے بہرہ ور کیا تھا، لیکن ان کی متنوع مصروفیات اور مسلسل اسفار کی وجہ سے ان کی تصنیفی صلاحیت بہت کم بروئے کار آسکی، پھر بھی انھوں نے جو تصنیفی سرمایہ چھوڑا ہے وہ ان کے سلیقۂ تصنیف، ذوق تحقیق اور اسلوب تحریر کا بہترین نمونہ ہے۔

کئی بار ایسا ہوا کہ حضرت قاضیؒ نے مجھ سے بعض جلسوں میں شرکت کے لئے فرمایا، میں نے جب یہ معذرت کی کہ یہ میرا میدان نہیں ہے تو قاضی صاحب نے فرمایا کہ زمانہ طالب علمی میں میرا بھی اصل مزاج تحریر وتصنیف کا تھا، میں نے اسی زمانہ میں حضرت مولانا علی میاںؒ کی کتاب ''مسلمانوں کے عروج وزوال کا دنیا پر اثر'' کا بڑی محنت اور دیدہ ریزی سے خلاصہ تیار کیا تھا، حضرت مولانا علی میاںؒ کی یہ کتاب مجھے بہت پسند

تھی، افسوس ہے کہ یہ تلخیص کہیں ضائع ہوگئی، پھر دینی ضرورت اور تقاضوں کا احساس کر کے میں نے تقریر و خطابت کے میدان میں قدم رکھا اور اب مجھے لوگ زیادہ تر مقرر کی حیثیت سے جانتے ہیں۔

ابتدائی تحریریں:

حضرت قاضی صاحبؒ کی بالکل ابتدائی تحریریں بلاشبہ ان دیواری پرچوں کی زینت بنی ہونگی، جن کا رواج دارالعلوم دیوبند میں بہت زمانۂ قدیم سے چلا آرہا ہے، حضرت قاضی صاحب کی دور طالب علمی کی دیواری پرچے (خصوصاً انجمن طلبائے بہار کی طرف سے شائع ہونے والے) اگر کہیں محفوظ ہوں تو ان کی بالکل ابتدائی تحریریں دریافت ہوسکتی ہیں۔

شروع ہی سے حضرت قاضی صاحب ماہنامہ دارالعلوم دیوبند میں بھی گاہے بہ گاہے لکھا کرتے تھے ہفت روزہ نقیب پھلواری شریف پٹنہ میں بھی ان کی تحریریں شائع ہوا کرتی تھیں، ان تمام مضامین اور تحریروں کو ''دارالعلوم'' اور ''نقیب'' کی فائلوں سے جمع کرنے کی ضرورت ہے۔

مقدمات کے فیصلے:

ان کی تحریروں کا بڑا گراں قدر شرعی، قانونی اور سماجی ذخیرہ وہ فیصلے ہیں جو انھوں نے مرکزی دارالقضاء امارت شرعیہ بہار واڑیسہ سے جاری فرمائے، مقدمات کے یہ فیصلے ہزار سے متجاوز ہی ہوں گے، ان فیصلوں کی تحقیق و تدوین بڑا اہم دینی، علمی، تحقیقی کام ہے، ان کا گہرائی سے مطالعہ اور تجزیہ کیا جائے تو حضرت قاضی صاحبؒ کی شانِ تفقہ و اجتہاد نمایاں ہوگی، ان کے اسلوب تحریر، انداز نگارش پر روشنی پڑے گی، اس دور کی سماجی صورت حال آئینہ بن جائے گی، سہ ماہی بحث و نظر کے شماروں میں حضرت قاضی صاحب کے بہت سے فیصلے شائع ہو چکے ہیں، ان کے مطالعے سے قاضی صاحب کے

فیصلوں کی فقہی اور شرعی اہمیت اور ان کی ادبی وانشائی قدر و قیمت اجاگر ہوتی ہے۔

سب سے اہم تصنیف ''اسلامی عدالت'':

حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کی تصانیف میں سب سے اہم ان کی گراں قدر تصنیف ''اسلامی عدالت'' ہے، مصنف نے چار جلدوں میں اس کتاب کا خاکہ بنایا تھا، لیکن اپنی ہمہ جہتی مصروفیات کی بنا پر وہ جلد اول سے آگے نہ بڑھ سکے، اس کتاب کی اشاعت ۱۹۸۸ء میں ہوئی، الفرقان مارچ ۱۹۸۹ء میں اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے میں نے جو کچھ لکھا تھا، اس کا اعادہ یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے۔

نام کتاب	اسلامی عدالت حصہ اول (اسلام کے عدالتی قوانین کا مجموعہ)
مصنف	مولانا مجاہد الاسلام صاحب قاسمی، قاضی شریعت امارت شرعیہ بہار واڑیسہ
صفحات	۴۸۰
ناشر	قاضی پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز، ونیچ بلڈنگ، حضرت نظام الدین ویسٹ نئی دہلی ۱۳
کتابت، طباعت، کاغذ	انتہائی معیاری
قیمت	۱۵۰ روپے

" زیر تبصرہ کتاب اسلامی قانون کے میدان میں ایک بڑے خلا کو پر کرتی ہے اور انسانی ذہنوں کے تراشے ہوئے نظام ہائے قانون کے مقابلہ میں اسلامی نظام قانون کی برتری اور جاودانی کا روشن ثبوت ہے۔ اسلامی عدالت کی جلد اول (جو زیر تبصرہ ہے) میں مصنف نے اسلامی قانون قضا کے اس حصہ کو جس کا تعلق قاضی، عدالت، سماعتِ مقدمہ اور فیصلہ سے ہے دفعہ وار مرتب کر دیا ہے پوری کتاب سات سو چالیس دفعات پر مشتمل ہے۔

کسی کتاب کا تعارف مصنف کتاب سے بہتر کون کرا سکتا ہے۔ فاضل مصنف نے کتاب کے تعارف میں لکھا ہے ''اس کتاب کی ترتیب میں ائمہ اربعہ اور دیگر ائمہ مجتہدین

کی فقہی آراء کو سامنے رکھا گیا اور حالات وضرورت کی رعایت کرتے ہوئے کہیں کہیں مسلک احناف سے عدول بھی کیا گیا ہے جس کی صراحت کردی گئی ہے، اور بعض مقامات پر ائمہ اربعہ کے علاوہ دیگر ائمہ مجتہدین کی آراء بھی پیش نظر رکھی گئی ہیں۔کوشش کی گئی ہے کہ تمام ہی مندرجات کے مستند حوالے اور اصل عربی عبارتیں حاشیہ میں درج ہوں۔تا کہ علماء کو خاص سہولت ہو۔اور اہم مسائل پر تحقیقی بحث حاشیہ میں کردی گئی ہے۔ دوسری خاص بات یہ ہے کہ اسلام کے عدالتی قوانین کی ضابطہ بندی کی گئی ہے اور اس کو دفعہ وار جمع کیا گیا ہے، جو نسبۃً مشکل کام تھا، لیکن دفعہ وار ترتیب میں کسی قانون کو جاننے میں جو سہولت ہوتی ہے اس کے پیش نظر یہی طریقہ اختیار کیا گیا کہ یہ طرز جدید ہے اور مفید" (کتاب کا صفحہ ۳۱)

فقہ اسلامی کی ہر جامع کتاب میں اسلام کے عدالتی نظام سے متعلق ایک باب ادب القاضی یا ادب القضاء کے نام سے ملتا ہے، موضوع کی جلالت شان اور اہمیت کی بنا پر ہمارے مجتہدین اور فقہاء نے ادب القاضی کے موضوع پر مستقل کتابیں بھی بہ کثرت تصنیف کی ہیں۔ فاضل مصنف نے اسلامی نظام عدل کے موضوع پر تمام قدیم وجدید ذخیرے کو کھنگال کر یہ کتاب تیار کی ہے، اس کتاب کی تصنیف کے لئے مصنف نے طویل ترین علمی، تحقیقی ریاضت کی۔ دریافت وجستجو کی سنگلاخ وادیاں طے کیں، علوم اسلامیہ کے بے کراں سمندر سے چن چن کر موتی جمع کئے۔ فاضل مصنف پچیس سال سے زائد مدت سے امارت شرعیہ بہار واڑیسہ کے منصب قضا پر فائز ہیں اور اقامت عدل کا فریضہ عملاً انجام دے رہے ہیں۔اس طویل عدالتی تجربات نے ایک طرف انہیں اس بلند پایہ تصنیف پر آمادہ کیا تو دوسری طرف اس تصنیفی سفر نے ان کے لئے خضر راہ کا بھی کام کیا، اس لئے بے تکلف کہا جاسکتا ہے کہ اسلامی عدالت علم وتحقیق کا ایک شاہکار ہونے کے ساتھ ایک تجرباتی کتاب بھی ہے۔ تحقیق وتجربہ کے حسین امتزاج نے کتاب کی عظمت وافادیت دوچند کردی ہے۔

اس کتاب کا مقدمہ (۱۳۴) صفحات پر مشتمل ہے، مقدمہ خود ایک گراں قدر تحقیقی کتاب سے کم نہیں، ابتدائی بارہ صفحات میں مصنف نے ادب القاضی کے موضوع پر فقہاء اسلام کی تصنیفات کا تعارف کرایا ہے۔ صفحہ ۱۳ر سے صفحہ ۴۵ر تک مصنف نے دور نبوی، دور صحابہ کے نظام قضا اور قاضیوں کا اجمالی تذکرہ کرنے کے بعد تاریخ اسلام کے چند ممتاز اور نامور قاضیوں کے حالات، اہم فیصلوں اور فقہی آراء کا خلاصہ پیش کیا ہے۔ صفحہ ۴۵ر سے صفحہ ۵۲ر تک مصنف نے ''امارت شرعیہ اور نظام قضا'' کے موضوع پر روشنی ڈالی ہے جس میں انہوں نے جائزہ لیا ہے کہ غیر مسلم اقتدار میں بسنے والے مسلمانوں کے لئے امارت شرعیہ اور قضاء شرعی کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟ اور موجودہ ہندوستان میں مسلمان نظام امارت وقضا قائم کرنے کے مکلف ہیں یا نہیں، اس ضمن میں امارت شرعیہ بہار واڑیسہ کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے۔

اس کے بعد مصنف نے اجتہاد جیسے اہم اور نازک موضوع پر قلم اٹھایا ہے اور حق یہ ہے کہ بحث کا حق ادا کردیا ہے، میرے نزدیک اجتہاد کی بحث اس مقدمہ کی کلیدی اور اہم ترین بحث ہے، علماء اور قانون دانوں نیز اجتہاد کے موضوع سے دلچسپی رکھنے والوں کو اس بحث کا مطالعہ ضرور کرنا چاہئے۔ اجتہاد کی حقیقت کیا ہے؟ مجتہد کے لئے ضروری شرائط کیا ہیں؟ کار اجتہاد کے بنیادی عناصر کیا ہیں؟ اجتہاد کن مسائل میں ہوسکتا ہے؟ کیا اجتہاد میں تجزی ہوسکتی ہے؟ کیا اجتہاد کا دروازہ بند ہو چکا ہے؟ اجتہاد کی وہ کون سی قسم ہے جس کا قیامت تک باقی رہنا ضروری ہے؟ اس طرح کے متعدد اہم اور حساس مسائل پر مصنف نے بڑی بالغ نظری، اعتدال اور ژرف نگاہی کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔

اجتہاد کی پرمغز فکر انگیز بحث سے فارغ ہونے کے بعد مصنف نے اسلامی شریعت کے اولین مآخذ کتاب وسنت، اجماع وقیاس پر نسبۃً مختصر کلام کرنے کے بعد فقہ اسلامی کے ثانوی مآخذ استحسان، استصلاح، سد ذرائع وغیرہ پر بصیرت افروز بحثیں کی ہیں۔ میرے خیال میں اردو زبان میں اتنی جامعیت واختصار کے ساتھ یہ اصولی مباحث پہلی

بار آرہے ہیں۔ ارباب فقہ وفتاویٰ اور اسلامی قانون سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے یہ مباحث مینارۂ نور ثابت ہوں گے، نیز اس مشینی اور سائنسی دور کے پیدا کردہ مسائل حل کرنے میں بڑے معاون ہوں گے۔

صفحہ ۱۲۸ر سے کتاب کا تعارف شروع ہوتا ہے، جس میں مصنف نے اس تصنیف کے محرکات بیان کرنے کے بعد کتاب کی کہانی اپنی زبانی بیان کی ہے، زیر تبصرہ کتاب کا مکمل خاکہ مصنف کے الفاظ میں یہ ہے ''اس کتاب کی جلد اول کا موضوع اسلام کے قانونِ قضائی کا وہ حصہ ہے جس کا تعلق قاضی، عدالت، سماعت مقدمہ اور فیصلہ سے ہے۔ کتاب کی دوسری جلد اصولِ دعویٰ اور تیسری جلد ضابطۂ شہادت پر مشتمل ہوگی۔ اگر اللہ نے اسے مکمل کرادیا تو پھر مختلف ابواب فقہیہ خصوصیت کے ساتھ احوال شخصیہ (پرسنل لاء) سے متعلق احکام جن کا تعلق قضاء قاضی سے ہے ان پر ایک حصہ لکھا جائے گا، تب جاکر یہ کتاب مکمل ہوگی۔ یہ سب انسانی منصوبے ہیں، یہ رواں دواں ''رخش عمر'' کہاں تھمے کون جانتا ہے اور مواقع وحالات کس حد تک ساتھ دیتے ہیں کسے معلوم ہے، بس سب کچھ اللہ کی مشیت پر موقوف ہے''۔ (صفحہ ۱۳۱)

اس منصوبہ کے مطابق اگر ''اسلامی عدالت کی چاروں جلدیں مکمل ہوگئیں تو علمی دنیا کے لئے بڑا بیش قیمت تحفہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فاضل مصنف کی عمر، صحت، قوت، میں برکت عطا فرمائے تاکہ وہ اس سلسلۂ تصنیف کو بحسن وخوبی مکمل کرسکیں، فاضل مصنف مختلف میدانوں میں مذہب وملت کی بیش بہا خدمات انجام دے رہے ہیں، ان کے مختلف مشاغل اور متنوع مصروفیات کہیں اس تصنیفی منصوبہ کی تکمیل میں سدِ راہ نہ بن جائیں، کاش وہ کچھ عرصہ علمی اور تصنیفی اعتکاف کرکے اس سلسلہ کو مکمل کرسکیں۔

صفحہ ۱۳۴ر پر مقدمہ مکمل ہونے کے بعد اصل کتاب کا آغاز ہوتا ہے۔ ابتدائیہ کے عنوان سے مصنف نے قضاء کے موضوع پر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے تین مکاتیب کا متن اور ان کا ترجمہ شامل کیا ہے یہ تینوں مکاتیب اسلامی عدالت کے رہنما اصولوں کی

حیثیت رکھتے ہیں، مصنف نے ان متبرک مکاتیب سے کتاب کا آغاز کر کے حسنِ انتخاب کا ثبوت دیا ہے۔ ابتدائیہ کے بعد ''نظام قضاء اسلامی'' کے زیر عنوان مصنف نے قضاء کی ضرورت واہمیت، قضاء کی حقیقت، تفویض قضا، قاضی کے لئے ضروری صفات دائرہ عمل اوراختیارا ت، قاضی کی معزولی وغیرہ سے متعلق اسلامی قوانین کو دفعہ وار مرتب کیا ہے، یہ بحث صفحہ ۲۷۲ر تک پھیلی ہوئی ہے۔ اس کے بعد رکن اول کے زیر عنوان قاضی کی ذات سے متعلق آداب، فریقین کے ساتھ برتاؤ کے آداب، گواہوں کے ساتھ برتاؤ کے آداب، نیابت قضا کے قوانین، ثالثی کے قوانین کی ضابطہ بندی کی گئی ہے۔ کتاب کا رکن دوم قاضی کے فیصلوں سے تعلق ہے۔ اس میں قاضی کے فیصلوں کی بنیادیں، علماء اور اصحاب افتاء سے مشورہ، کتابوں پر اعتماد، اپیل اور نظر ثانی جیسے موضوعات کے اسلامی قوانین کو مرتب کیا گیا ہے۔ یہ بحث صفحہ ۳۲۷ر پر ختم ہوتی ہے۔ تیسرا رکن مقضی لہ ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ قاضی کن لوگوں کے مقدمات سن سکتا ہے کن کے نہیں، مثلاً خلیفہ یا سلطان کے مقدمات سن سکتا ہے لیکن اپنی اولاد یا والدین کا مقدمہ نہیں سن سکتا۔ کتاب کا رکن چہارم مقضی فیہ کی تفصیلات پر مشتمل ہے، اس میں بتایا گیا ہے کہ قضاء کے دائرہ میں کون سے امور ومعاملات آتے ہیں اور کون سے نہیں آتے، پانچویں رکن کا عنوان ہے مقضی علیہ ۰۰ فرد، یا جماعت جس پر مقدمہ میں کوئی حق عائد ہوتا ہے۔ اس ذیل میں مصنف نے قضاء علی الغائب۔ کے موضوع پر بڑی تحقیقی اور تجرباتی بحث کی ہے، جس سے مصنف کی مقاصدِ تشریع سے آگاہی اور فقہی بصیرت کا پتہ چلتا ہے۔

صفحہ ۳۹۶ر سے رکن سادس کے زیر عنوان عدالتی طریقہ کار کی بحث شروع ہوتی ہے۔ اس عنوان کے تحت قاضی کے فیصلہ کی اصطلاحات، قاضی کے حکم کا موضوعِ مقدمہ تک محدود ہونا، قاضی کے کون تصرفات حکم ہیں اور کون نہیں، کون امور قاضی کے فیصلہ کے محتاج نہیں ہیں، دار القضاء کا نظام کار۔ ایک قاضی کا خط دوسرے قاضی کے نام امور قضا میں کن شرائط کے ساتھ معتبر ہوگا ان نازک موضوعات کی ضابطہ بندی کی گئی ہے۔

جس سے اسلامی عدالت کے خدوخال بہت واضح طور قارئین کے سامنے آجاتے ہیں۔ اس طرح اصل کتاب صفحہ ۴۳۳ر پر ختم ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد سات صفحات میں ماخذ کی فہرست اور ۴۴۱ر سے ۴۷۹ تک مضامینِ کتاب کی تفصیلی فہرست ہے۔

زیر تبصرہ کتاب علماء اور اصحاب افتاء کے لئے بہترین تحفہ ہونے کے ساتھ وکلاء، ججز اور قانون دانوں کے لئے انتہائی معلومات افزا اور مفید ہے۔ مصنف نے اسلام کے عدالتی قوانین کی ضابطہ بندی کرکے اور انہیں جدید طرز پر دفعہ وار مرتب کرکے جدید تعلیم یافتہ طبقے کیلئے استفادہ آسان بنادیا ہے، حتی الامکان زبان بھی سہل اور سلیس استعمال کی ہے۔ شاہ بانو کیس کے طوفان کے وقت سے عصری دانش گاہوں اور ''دانشوروں'' کے حلقوں میں بھی اسلامی قوانین اور اسلام کے عدالتی نظام کے مطالعہ کا رجحان پیدا ہو گیا ہے۔ اس کتاب کا مطالعہ کرنے سے اسلام کے عدالتی نظام کا مفصل خاکہ ہمارے وکلاء، ججز اور قانون دانوں کے سامنے آجائے گا اور وہ محسوس کریں گے کہ ہمارا موجودہ عدالتی نظام عدل وانصاف مہیا کرنے اور حصول انصاف کو آسان اور یقینی بنانے میں اسلامی نظام عدالت سے بہت پیچھے ہے، کتاب کے مطالعہ سے ہمارے قانون دانوں کو یہ بھی محسوس ہوگا کہ مروجہ عدالتی نظام کے قابل تعریف اجزاء زیادہ تر اسلام کے عدالتی قوانین سے ماخوذ ہیں۔ عصر حاضر میں عدل وانصاف برپا کرنے کے لئے بے شمار ادارے قائم کردیئے گئے ہیں، ہر ملک کی آمدنی کا ایک بڑا حصہ عدلیہ پر صرف ہورہا ہے، لیکن رعایا حقیقی عدل وانصاف کو ترس رہی ہے۔ یورپ کے تیار کردہ موجودہ پر پیچ عدالتی نظام نے انصاف کا حصول انتہائی گراں اور دشوار بنادیا ہے، دن بہ دن عدلیہ سے اعتماد اٹھتا جارہا ہے، اس لئے عصر میں اس کی زیادہ ضرورت ہے کہ اسلام کے عدالتی نظام کو ستم رسیدہ عالم انسانیت کے سامنے پیش کرکے بتایا جائے کہ دنیا کے مرض کی دوا اور درد کا درماں خدا کا عطا کردہ نظام عدل ہے، اسلامی نظام عدالت میں انصاف کا حصول یقینی، ارزاں اور آسان ہے۔ زیر تبصرہ کتاب یہ ضرورت بڑی حد تک پوری کرتی ہے خدا کرے اس

کتاب کا انگریزی اور عربی ترجمہ جلد از جلد شائع ہو جائے تاکہ کتاب کی افادیت کا دائرہ وسیع تر ہو جائے۔

فاضل مصنف نے کتاب کے حواشی میں جو بحثیں کی ہیں وہ علماء اور فقہاء کے لئے معرکۃ الآراء اور فکر انگیز ہیں، حواشی نے کتاب کا علمی اور تحقیقی پایہ بہت بلند کر دیا ہے، حاشیہ کے مباحث مصنف کی فقیہ النفس، اسلامی قانون پر عبور نیز مطالعہ کی گہرائی و گیرائی کا منہ بولتا ثبوت ہیں، بطور نمونہ ملاحظہ ہو (۱) قاضی کے حلقۂ کار کی بحث ۲۱۶ر تا ۲۲۲ (۲) قضاء علی الغائی کی بحث ۳۸۳ر تا ۳۹۳ (۳) کتاب القاضی الی القاضی کی بحث ۴۲۸ر تا ۴۳۳۔

(اس کے بعد دو صفحات میں کتاب کی چند خامیوں کی نشاندہی کے بعد میں نے لکھا تھا)

اس طرح کی ہلکی پھلکی غلطیوں سے قطع نظر کتاب اپنے موضوع پر جامع اور مکمل ہے، تحقیق وتلاش کی وادیوں میں مصنف کا اشہب قلم بڑی استواری اور اعتدال کے ساتھ چلا ہے۔ قاضی پبلشرز نے اس کتاب کے اشاعت کا حق ادا کر دیا ہے، کتاب، طباعت، کاغذ، گٹ اپ کتاب کے شایان شان اور معیاری ہیں، ہم تمام قارئین خصوصا علماء، فقہاء، وکلاء، ججز اور قانون اسلامی کے طلبہ اور ریسرچ اسکالروں کو اس اہم ترین کتاب کے مطالعہ کا مشورہ دیتے ہیں۔ فاضل مصنف کو اس عظیم تصنیف پر اور قاضی پبلشرز کو اس بلند پایہ کتاب کی اشاعت پر مبارک باد پیش کرتے ہیں کتاب کی قدر وقیمت اور معیاری اشاعت کے لحاظ سے قیمت علم وتحقیق کے قدردانوں کو شاید زیادہ نہ محسوس ہو لیکن ہم علامہ اقبال کی زبان میں یہ ضرور کہیں گے ؎

کم مایہ ہیں سوداگر اس دیس میں ارزاں ہو

''اسلامی عدالت'' کو اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی قبولیت سے نوازا، ہندوستان اور پاکستان سے اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہوئے، اس کا عربی ترجمہ ہندوستان

اور بیروت سے شائع ہو چکا ہے، انگریزی ترجمہ بھی ہو رہا تھا، معلوم نہیں کہ وہ کس مرحلہ میں ہے۔

مباحث فقہیہ:

حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کی ایک اہم ترین تصنیف جوان کی وفات سے چند روز قبل منظر عام پر آئی ''مباحث فقہیہ'' ہے، یہ کتاب اصول فقہ اور فقہ کے چند اہم موضوعات پر موصوف کے گراں قدر مقالات و مباحث کا مجموعہ ہے، اسے ہم حضرت قاضی صاحب کے فقہی افکار کا نچوڑ اور خلاصہ کہہ سکتے ہیں۔

کتاب کو چھ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے، باب اول میں اصول فقہ کے چند مباحث ہیں، اسلامی شریعت کے سرچشموں (کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، اجماع، قیاس) کا مختصر تعارف کرایا گیا ہے، ضمنی ادلہ (استحسان، استصلاح، استصحاب، قول صحابی، سد ذرائع) پر تفصیلی بحث و تحقیق کی گئی ہے، اجتہاد اور شرعی رخصتوں کے حکم پر بصیرت افروز کلام کیا گیا ہے۔

باب دوم اوقاف و عبادات کے چند مسائل پر مشتمل ہے، اس میں ''ویران قبرستان اور اوقاف کے احکام'' کے موضوع پر حضرت قاضی صاحب کی بحث بڑی چشم کشا اور بصیرت افروز ہے۔

باب سوم میں عائلی زندگی کے چند شرعی قوانین پر بحث کی گئی ہے، اس میں دو بحثیں ''اسلام کا قانون نفقہ'' ''نفقہ مطلقہ کا مسئلہ'' خاص طور پر بڑی تحقیقی اور فکر انگیز ہیں۔

باب چہارم میں اسلامی عدالتی نظام کے چند مباحث پر مشتمل ہے، اس باب کے مباحث یہ ہیں۔ (۱) اسلامی زندگی اور نظام شرعی کا قیام (۲) قضا اور اس کی شرعی بنیاد (۳) قضاء علی الغائب (۴) تحکیم (ثالثی) کے اصول (۵) ازدواجی الجھنوں کا قرآنی حل۔

باب پنجم چند طبی مباحث پر مشتمل ہے، ان مباحث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کس قدر زمانہ آگاہ تھے اور نئے مسائل پر ان کی نظر کتنی عمیق تھی، موضوعات یہ ہیں (۱) ضبط تولید

فقہ اسلامی کی روشنی میں (۲) دماغی موت وحیات کا مسئلہ (۳) یوتھینیز یا (قتل بدافع شفقت)

باب ششم میں معاشی مسائل پر مشتمل ہے، اس باب کے مباحث یہ ہیں (۱) بیع الوفاء (۲) بیع حقوق۔ تعارف اور چند سوالات (۳) قرض دینے والے چند مالیاتی ادارے، غور وفکر کے پہلو (۴) بینک ڈپازٹ کی شرعی حیثیت (۵) سرکاری سودی قرضے۔

اس کتاب کے آغاز میں حضرت قاضی صاحبؒ کے بھتیجے اور شاگرد رشید جناب مولانا خالد سیف اللہ رحمانی بانی المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد کی حضرت قاضی صاحبؒ کے تعارف پر مشتمل سولہ صفحات کی تحریر ہے، اس میں حضرت قاضی صاحب کا تعارف بڑے اختصار، جامعیت اور سلیقہ مندی سے کرایا گیا ہے کتاب کے مجموعی صفحات ۴۶۹ ہیں، اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا نے بڑی آب وتاب اور سلیقہ سے یہ کتاب شائع کی۔

صنوان القضاء کی تحقیق:

حضرت قاضی صاحبؒ کا ایک بڑا علمی اور تحقیقی کارنامہ ''صنوان القضاء وعنوان الافتاء'' کی تحقیق واشاعت ہے، یہ کتاب ساتویں صدی ہجری کے ایک ہندوستانی عالم کی تصنیف ہے، دارالسلطنت دہلی میں یہ کتاب لکھی گئی، مصنف قاضی عمادالدین محمد بن محمد الاشفورقانی (متوفی ۶۴۶ھ) ہیں، صنوان القضاء ہندوستان کی قدیم فقہی تصنیفات میں ہے، لیکن یہ کتاب اب تک زیور طبع سے آراستہ نہ ہوسکی تھی، عموماً اہل علم اس سے ناواقف تھے، حضرت قاضی صاحب نے ہندوستان کے مکتبات میں اس کے قلمی نسخے دریافت کرکے اس کی تحقیق کا بیڑا اٹھایا، اگرچہ انہوں نے یہ کام کافی دنوں پہلے شروع کیا تھا لیکن ان کی دینی وملی مصروفیات اور بہ کثرت اسفار اس تحقیقی کام میں رکاوٹ تھے، وفات سے تقریباً چار سال قبل جب کینسر جیسے موذی مرض نے انہیں آگھیرا اور مرض کی شدت نے ان کی سرگرمیوں اور اسفار کو انتہائی محدود کردیا تو وہ اس بڑے تحقیقی کام کے لئے بڑی حدتک یکسو ہوسکے، بڑے انہماک اور یکسوئی کے ساتھ مختصر مدت میں انہوں نے صنوان

القضاء کی تحقیق کو مکمل کیا، متعدد مخطوطات کو پیش نظر رکھ کر تدوینِ متن کا کام کیا، پوری کتاب کی پیراگرافنگ اور فقرہ بندی کی، عناوین قائم کیے، جا بہ جا تحقیقی حواشی لکھے، کتاب میں مذکور شخصیات اور کتابوں کا فٹ نوٹ میں تعارف کرایا، کتاب پر مبسوط مقدمہ لکھا، یہ سارے کام انہوں نے فقہ اکیڈمی انڈیا کے چند باصلاحیت رفقاء کے تعاون سے مختصر مدت میں انجام دیئے۔

صنوان القضاء چار جلدوں میں وزارت اوقاف کویت کی جانب سے بڑے اہتمام سے شائع ہو چکی ہے۔

فقہ المشکلات اور خطباتِ بنگلور:

حضرت قاضی صاحب کی تصنیفات میں فقہ المشکلات (عربی زبان میں) اور خطباتِ بنگلور بھی خاصی اہمیت کے حامل ہیں، فقہ المشکلات ان کے چند فقہی مقالات کا مجموعہ ہے اور خطبات بنگلور سیرت نبوی پر ان کے وقیع اور فکر انگیز خطبات ہیں۔

فقہ اکیڈمی کے ذریعہ تصنیفی خدمت:

فقہ اکیڈمی انڈیا کے ذریعہ تحقیق وتصنیف اور نئے مسائل پر بحث وتمحیص کے جو کام ہو چکے ہین ان سب میں حضرت قاضی صاحبؒ کا فکر اور شخصیت روح کی طرح سمائے ہوئے ہے، اکیڈمی کا تازہ دم کاروان علم وتحقیق انہیں کا ترتیب دیا ہوا ہے، فقہ اکیڈمی کے وقیع وضخیم مجلّے اور گراں قدر کتابیں اور رسالے حضرت قاضی صاحبؒ ہی کے کھاتے میں جاتے ہیں، کیونکہ: یہ سب پودا انہیں کی لگائی ہوئی ہے۔

بحث ونظر:

سہ ماہی مجلہ بحث ونظر جو سالہا سال سے حضرت قاضی صاحبؒ کی ادارت میں شائع ہو رہا ہے ان کی علمی وتحقیقی خدمات کی ایک سنہری کڑی ہے، بحث ونظر کے اداریئے عموماً حضرت قاضی صاحبؒ کے قلم سے ہوتے تھے، یہ اداریئے خود فکر ونظر، ادب وانشاء کے اعلیٰ نمونے ہیں، ان میں قاضی صاحب کی فکری جولانیاں، ان کے دل دردمند اور فکر

ارجمند کی جھلکیاں اور امت مسلمہ کے مسائل کے لئے ان کی بے تابیاں صاف جھلکتی ہیں، بحث ونظر نے ولایتِ تحقیق وتفقہ کے لئے سپاہ تازہ تیار کی اور برصغیر میں ایک نئی علمی وفقہی بیداری پیدا کی، بحث ونظر کی فائلیں بحث وتحقیق، تفقہ واستنباط کے خزینے ہیں، جن سے آنے والی نسلیں آبدار موتیاں نکالتی رہیں گی۔

اسلوب تحریر:

اوپر کے صفحات میں حضرت قاضی صاحبؒ کی تصنیفی خدمات کا مختصر تعارف پیش کیا گیا، ضرورت تھی کہ ان کے اسلوبِ تحریر اور ان کی تحریروں کی ادبی قدر وقیمت پر بھی روشنی ڈالی جاتی لیکن اپنی مصروفیت اور مضمون کے صفحات کی تنگ دامانی اس کی اجازت نہیں دیتی، اس لئے چند اشارات پر اکتفا کر کے بات ختم کردی جائے گی۔

حضرت قاضی صاحبؒ کا اسلوب تحریر بہت رواں دواں، شستہ اور شگفتہ ہے، فقہی اور قانونی موضوعات میں سلاست اور ادبی چاشنی کو برقرار رکھنا بڑا مشکل کام ہے لیکن قاضی صاحبؒ نے اس مشکل کو بھی آسان کر دکھایا ہے، ان کی تحریریں تعقید اور ژولیدہ بیانی سے پاک ہیں، پیچیدہ سے پیچیدہ مشکل مسائل کو آسان کر کے پیش کرنے کی خصوصی صلاحیت انہیں قسام ازل نے عطا فرمائی تھی، تعبیر وتفہیم کی غیر معمولی قدرت تھی، ان کا ادبی ذوق بہت صاف ستھرا اور نکھرا ہوا تھا، اردو کے بلند پایہ ادیبوں اور شاعروں کی نگارشات اور اشعار کا انہوں نے وسیع مطالعہ کیا تھا اور جدید ترین ادبی معیاری تحریروں کے مطالعہ کے لئے وقت نکال لیا کرتے تھے اس لئے ان کی تمام تحریروں میں ادب کی حلاوت اور چاشنی اور اسلوب کا بانکپن پایا جاتا ہے۔

اس مختصر مضمون میں ان کے کن کن کمالات کا ذکر کیا جائے، اس مضمون کو خود اپنے ہی ایک اقتباس پر ختم کرنا اچھا معلوم ہوتا ہے، جس میں حضرت قاضی صاحبؒ کی جامعیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

کون رخصت ہوا؟

۴/اپریل ۲۰۰۲ء کے سورج غروب ہونے کے ساتھ علم وتحقیق، فکر ونظر، جہد وعمل کا وہ

آفتاب بھی غروب ہو گیا جس نے بیسویں صدی کے آخری دہوں میں اپنی تنویر اور ضیا پاشیوں سے بزم علم و تحقیق کو منور اور فکر و نظر کی شاہراہوں کو معطر کر رکھا تھا، اس کی نکتہ آفرینیوں اور بذلہ سنجیوں سے علمی محفلیں بارونق، اور اس کی قانونی موشگافیوں سے وکلاء اور ججز محو حیرت تھے! اتحاد ملت کا وہ حدی خواں چلا گیا جو دل دردمند اور فکر ارجمند کے ساتھ امت مسلمہ کی شیرازہ بندی کے لئے سرگرم عمل تھا اور امت کی بکھری ہوئی صفوں کو درست کرنے میں جٹا ہوا تھا! وہ مردم شناس اور مردم گر رخصت ہو گیا جو نوجوانوں کی بہترین خوابیدہ صلاحیتوں کو بیدار اور منظم کر کے امت کی تعمیر نو اور سربلندی کی مہم میں مصروف تھا۔

وہ متکلم اسلام نہ رہا جس نے اپنی زبان و قلم سے اسلامی عقائد و حقائق اور اسلامی شریعت کی ترجمانی دور حاضر میں بڑی ذہانت اور بلاغت کے ساتھ کی، وہ فقیہ اسلام ہم سے جدا ہو گیا جس کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کے دستوری قوانین اور مقاصد شریعت مدارج احکام پر مجتہدانہ نظر و بصیرت عطا فرمائی تھی اور دور حاضر کے نت نئے پیچیدہ مسائل کو اسلامی شریعت کی روشنی میں حل کرنے کا زبردست ملکہ عطا فرمایا تھا۔

وہ ملی قائد و رہنما رخصت ہو گیا جس نے اغراض پرستی اور مادہ پروری کے اس دور میں مسلمانوں کی سیاسی رہنمائی کرنے کے ساتھ سیاست کو دین کا خادم و تابع بنانے کی کوشش جاری رکھی، وہ کشادہ دل اور روشن دماغ چلا گیا جس نے عمر بھر علماء اور دانشوروں کو اختلاف رائے کو برداشت کرنے اور تعمیری تنقید کی حوصلہ افزائی کرنے کا عملی سبق دیا اور حدود کے اندر رہتے ہوئے اختلاف فکر و نظر کو امت مسلمہ اور انسانیت کا عظیم سرمایہ قرار دیا۔

حیف! محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ سودائی اور شیدائی دنیا سے رخصت ہو گیا جو دین محمدی کی سربلندی کے لئے تڑپتا اور پھڑکتا اور اپنی راحت و آرام، صحت و زندگی ہر چیز کو خطرے میں ڈال کر دین اسلام کی سربلندی کے لئے فکر مند اور سرگرم عمل رہا۔

وہ خوش نوا واعظ اور شعلہ نوا خطیب ہمارے درمیان سے رخصت ہو گیا، جس کی شیریں بیانیوں نے دل و دماغ کو اسلامی تعلیمات پر مطمئن کیا اور جس کی شعلہ نوائیوں

نے باطل کے فکری خس وخاشاک کو جلا دیا اور غیر اسلامی رسوم وعادات کا قلع قمع کیا، وہ عبقری شخصیت ہم سے رخصت ہوگئی جس کا زرخیز ذہن امت کی صلاح وفلاح کے لئے تعمیری اور قابل عمل منصوبے بناتا رہتا تھا اور اس کی توانائیاں ان منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے کے لئے وقف تھیں۔

دریغا! وہ صاحب عزم اور بلند حوصلہ شخص نہ رہا جس کے لغت میں ''مایوسی'' اور ''شکست خوردگی'' کے الفاظ نہ تھے، جو مایوسیوں میں امید کی قندیلیں روشن کرتا تھا، اور انتہائی حوصلہ شکن اور نازک حالات میں بھی عزم وحوصلہ مندی کی دعوت دیتا تھا۔

وہ مجاہد اسلام! اپنے خالق ومالک کے حضور جا پہنچا اور ابدی نیند سو رہا، جس کی زندگی جہد مسلسل، سعی پیہم، جہاد واجتہاد سے عبارت تھی، جس کا فلسفۂ زندگی تھا'' کرتے کرتے مرنا، مرتے مرتے کرنا''۔

ملت اسلامیہ کا وہ پشتیبان اور ترجمان رخصت ہوگیا جس کی آواز حکومت کے ایوانوں اور سیاست وصحافت کے میدانوں میں اہمیت اور توجہ کے ساتھ سنی جاتی تھی۔

حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی ملت اسلامیہ ہندیہ کے لئے اللہ تعالیٰ کا عظیم عطیہ اور نعمت بے بہا تھے، ان کی وفات سے ایسا زبردست خلا پیدا ہوگیا ہے جس کا پر ہونا موجودہ حالات میں بڑا مشکل ہے، ان کی ہمہ جہت اور ہشت پہل شخصیت امت کے لئے اس گھنے ثمردار درخت کی سی تھی جس کا پھل بھی کھایا جاتا ہے اور اس کے گھنے سائے میں تھکے ہوئے درماندہ مسافر آرام بھی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت قاضی صاحبؒ کی بال بال مغفرت فرمائے، جنت کے اعلیٰ مقام میں انہیں جگہ دے، ان کے رخصت ہونے سے جو زبردست خلا پیدا ہوگیا ہے اسے پُر فرمائے امت مسلمہ کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے، ان کی غم زدہ رفیقۂ حیات اور دوسرے پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے اور ان کے شروع کیے ہوئے مفید کاموں کو جاری رکھے۔

☆☆☆

اسلامک فقہ اکیڈمی

ہندوستان میں ایک نئے علمی انقلاب کا سرچشمہ

از: مولانا اختر امام عادل قاسمی

استاذ حدیث وصدر کلیۃ الشریعۃ دار العلوم سبیل السلام حیدرآباد

حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ موجودہ ہندوستان میں ایک فقہی انقلاب کے بانی ہیں، جس کا سب سے بڑا سرچشمہ ''اسلامک فقہ اکیڈمی'' (مجمع الفقہ الاسلامی) ہے، یہ قاضی صاحبؒ کا سب سے اہم اور عظیم الشان فقہی کارنامہ ہے۔ عرصہ سے ملت کو اس قسم کے زندہ اور متحرک ادارہ کی ضرورت تھی، علماء کئی دہائیوں سے علمی جمود کا شکار ہو چکے تھے، تحقیقی مطالعہ کا ذوق گھٹتا جا رہا تھا، چند افراد تھے جن کے دم سے تحقیق ومطالعہ کی بزم قائم تھی، ورنہ یہ انجمن بالکل سونی پڑ چکی تھی، علمی ترقیات اور توسیعی مطالعات کا سلسلہ تقریباً مفقود ہو چکا تھا، جبکہ دور جدید کے بدلتے ہوئے حالات میں علماء وفقہاء کو کافی بیدار رہنے کی ضرورت تھی، عصر جدید میں کئی ایسے مسائل پیدا ہو چکے تھے جن پر اجتماعی غور وفکر کی حاجت تھی، دنیا کو ان کے حل کا انتظار تھا، اور سب سے اہم بات یہ کہ آج افراد میں اجتہادی صلاحیت کی کمی کی بنا پر انفرادی آراء پر اعتماد کرنا مشکل تھا، اس لئے ضرورت تھی کہ کوئی شخص اٹھے اور علماء کو اجتماعی بحث وتحقیق اور شورائی اجتہاد پر آمادہ کرے، یہ کام انتہائی مشکل اور صبر آزما تھا، اور اس کے لئے فی زمانہ حضرت قاضی صاحبؒ سے زیادہ کوئی موزوں شخصیت نہیں تھی، اللہ نے ان کے دل میں یہ بات ڈالی، انہوں نے وقت کی پکار اور حالات کے تقاضوں کو سمجھا اور اس عظیم الشان مجلس فقہی کی

بنیاد ڈالی، جو آزادی کے بعد ہندوستان کی سب سے بڑی علمی اور انقلابی تحریک ثابت ہوئی، اور اس طرح قاضی صاحب کی کوششوں سے آزاد ہندوستان میں پہلی بار فقہ شورائی یا فقہ اجتماعی کی بنیاد پڑی۔

''اجتماعی اجتہاد''

اور یہ کوئی نئی بدعت قاضی صاحب نے ایجاد نہیں کردی تھی، بلکہ یہ سنت فاروقی ہے کہ اہم مسائل میں انفرادی آراء کے بجائے اجتماعی غور وخوض کا راستہ اختیار کیا جائے، متعدد مسائل میں حضرت فاروق اعظمؓ نے یہ طرز عمل اختیار کیا۔

اس طرز اجتہاد کا سب سے بڑا فائدہ یہ۔ ہے کہ انفرادی آراء میں جو اختلافات ہوسکتے ہیں ان کا امکان اس صورت میں بہت کم ہوجاتا ہے، اور زیادہ تر مسائل میں کوئی متفقہ قدر نکل جاتی ہے علاوہ ازیں بحث کے مختلف پہلو تمام لوگوں کے سامنے آجاتے ہیں اور ہر پہلو پر پوری سنجیدگی کے ساتھ شرکاء کو سوچنے کا موقعہ ملتا ہے، نیز اس سے نئے شرکاء اور فضلاء کی ذہنی تربیت بھی ہوتی ہے اور ان میں نئے مسائل کے حل کا شعور بیدار ہوتا ہے، اور اس طرح امت میں علمی خلا پیدا نہیں ہوتا۔ اس طرز اجتہاد کا ایک اہم ترین فائدہ یہ بھی ہے کہ امت میں جزوی اجتہاد کا عمل جاری رہتا ہے، اس کے ذریعہ ہر دور میں نئے مسائل وحوادث کا حل نکالا جاسکتا ہے، اور اسلامی قانون کی جامعیت اور ابدیت کے مظاہر سامنے آتے رہتے ہیں، اور قانون ہر دور میں اپنی نئی تعبیر وتشریح کے ساتھ زندگی پر حاوی رہتا ہے وغیرہ۔

یہ وہ عظیم مقاصد ہیں جن کے پیش نظر اسلامی تاریخ میں حضرت فاروق اعظمؓ نے اجتماعی اجتہاد کی عملی بنیاد ڈالی، حضرت فاروق اعظمؓ کے اکثر مسائل اجماعی یا اتفاقی ہونے اور ان کے مذہب فقہی کی اشاعت عام کا بڑا سبب یہی اجتماعی اجتہاد ہے، حضرت فاروق اعظمؓ کے علاوہ دیگر فقہاء صحابہ کو یہ مواقع حاصل نہیں ہوئے، اسی لئے ان کے مذاہب کو وہ

قبول عام حاصل نہ ہوا اور نہ ان کی وہ اشاعت ہوسکی جو حضرت فاروق اعظمؓ کے مذہبِ فقہی کی ہوئی (ازالة الخفاء، رسالہ فقہ عمر فاروق، حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ ج/۳)

حضرت فاروق اعظمؓ کی فقہ اجتماعی تھی اور دیگر صحابہ کی فقہ انفرادی، اجتماعی اور انفرادی کا فرق صحت فکر میں بھی ظاہر ہوتا ہے اور قبولیت و اشاعت میں بھی۔

حضرت فاروق اعظمؓ کے بعد سے امام اعظم ابوحنیفہؒ تک اجتماعی تفقہ کی کسی بڑی کوشش کا سراغ نہیں ملتا، تابعین اور ائمہ مجتہدین کے دور میں امام اعظم ابوحنیفہؒ نے ایک بار پھر اس تاریخ کا اعادہ فرمایا، البتہ صورتِ حال تھوڑی بدلی ہوئی تھی، کہ امام اعظمؒ نے اتنا اہم ترین کام سرکاری سطح پر نہیں بلکہ نجی سطح پر شروع فرمایا، اس لئے کہ سرکاری طور پر اس عظیم الشان کام کی تکمیل ناممکن تھی، کیونکہ اب نہ فاروق اعظمؓ جیسے امیر المؤمنین تھے اور نہ ان کے شرکاء مجلس کی طرح اہل کمال شرکاء۔ امام ابوحنیفہ نے بہت ہی دور رس منصوبہ بندی کے ساتھ فقہ تقدیری کی بنیاد ڈالی، اور نئے مسائل کے علاوہ مستقبل قریب سے مستقبل بعید تک کے ممکنہ مسائل کو بحث و نظر کا موضوع بنایا، اور اس طرح ایک قابل لحاظ عرصے کی مسلسل کوششوں کے نتیجے میں ہزاروں بلکہ لاکھوں مسائل اسلامی قانون کی حیثیت سے مدون کر لئے گئے۔

ائمہ اربعہ میں کسی امام کے مذہب کو یہ امتیاز حاصل نہیں ہے، امام ابوحنیفہؒ کی فقہ اجتماعی تھی اور ان کے علاوہ تینوں ائمہ کی فقہ انفرادی، اسی لئے امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کو جو قبول عام اور عقل و نقل کی ہم آہنگی حاصل ہوئی، وہ کسی امام کے مذہب کو حاصل نہ ہوسکی۔

یہ اجتماعی اور انفرادی کا فرق ان ائمہ کے اصولِ اجتہاد میں بھی ملتا ہے۔ یہ ائمہ اربعہ کے اصولِ اجتہاد کے تجزیہ کا موقع نہیں ہے، ورنہ اس پر روشنی ڈالی جاتی کہ امام ابوحنیفہؒ نے اجتہاد اور تفقہ کے جو اصول اختیار فرمائے وہ آفاقیت کے حامل ہیں اور ان میں کسی مخصوص طرز یا علاقے کی تحدید یا تخصیص نہیں ہے، جبکہ دیگر ائمہ کے اصول اجتہاد میں

اس قسم کی تخصیصات وتحدیدات کئی جگہ نظر آتی ہیں، مثلاً امام مالکؒ نے اختلافی مسائل میں ترجیح کا یہ اصول اختیار فرمایا کہ اہل مدینہ کے اقوال کو ترجیح حاصل ہوگی، یہ علاقائی تخصیص ہے، حضرت امام شافعیؒ نے اصح مافی الباب (یعنی اس موضوع پر جو سب سے صحیح سند سے روایت مروی ہو اس) کو ترجیح کا معیار قرار دیا، یہ روایت ودرایت میں سے روایت کی تخصیص ہے، امام اعظم ابوحنیفہؒ کے اصولوں میں اس قسم کی کوئی حد بندی یا تنگی نہیں ہے، نہ ان کے یہاں علاقائی ترجیح ہے اور نہ محض قوت سند کو معیار مانا جاتا ہے، وہ ہر علاقے کی صحیح روایات کا اعتبار کرتے ہیں، اور روایت ودرایت دونوں اصولوں کو مناسب طور پر استعمال کرتے ہیں، یہ آفاقیت بلاشبہ اجتماعی اجتہاد کی دین ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہؒ نے فقہ اجتماعی کو آخری شکل دی، اور اس طرح بحث ونظر کے بے شمار گوشے اور اجتہاد واستنباط کے متعدد اصول سامنے آئے، بعد میں امام ابویوسف، امام شافعی اور دیگر فقہاء میں اصول فقہ کی تدوین کا جو رجحان پایا جاتا ہے کہا جاسکتا ہے کہ یہ سب اسی مجلس ابی حنیفہ کی دین تھی، اسی لئے اگر چہ امام ابوحنیفہ نے اصول فقہ پر خود کوئی کتاب نہیں لکھی اور نہ باقاعدہ اس کی تدوین کی طرف توجہ فرمائی، مگر انہوں نے اپنی فقہی مجلسوں کے ذریعہ بحث وتحقیق اور اجتہاد واستنباط کے جو مناہج اور اصول پیش کئے وہ بعد کے ادوار میں تدوین اصول کے لئے دلیل اور اساس بنے اس طرح اصول فقہ کی تدوین یا اصول اجتہاد کی نشو ونما سے امام ابوحنیفہ کو الگ نہیں کیا جاسکتا۔

''جمود وانحطاط کا آغاز''

امام اعظم ابوحنیفہؒ کے بعد مختلف علاقوں اور ادوار میں حسب ضرورت جزوی طور پر امام صاحبؒ کے اس اجتماعی طرز کی پیروی کی گئی، اور علماء محدود سطح پر نوازل وحوادث (نئے مسائل وواقعات) میں اجتماعی غور وفکر کے لئے بیٹھتے رہے جیسا کہ علامہ شامی نے اس قسم کی بعض اجتماعی کوششوں کا ذکر کیا ہے، مثلاً ''بیع الوفاء'' کی بحث کے ضمن میں علامہ شامی

نے فتاویٰ خیریہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ "پانچویں صدی ہجری میں جب بخارا اور اس کے مضافات میں بیع الوفاء کا رواج ہوا، تو امام حسن ماتریدی کو اس زمانے کے ایک مشہور عالم نے اجتماعی غور وفکر کا مشورہ دیا، اگرچہ امام ماتریدی نے نے یہ کہکر خود اپنی شرکت سے معذرت کردی تھی کہ میں اس سلسلے میں اپنی رائے دے چکا ہوں، اور تمام لوگوں کو میری رائے کا علم بھی ہو چکا ہے، اب آپ لوگ چاہتے ہیں تو علماء جمع ہوں اور اس پر غور کریں، میری رائے اگر ان کے خلاف پڑے تو دلائل سے ثابت کریں کہ میری رائے غلط کیوں ہے؟ اور ان کی رائے صحیح کیوں؟ (شامی ج/۵ ص:۲۷۶ مطبوعہ کراچی)

لیکن رفتہ رفتہ یہ ذوق جستجو، اور یہ جذبہ تحقیق کمزور پڑتا چلا گیا، اور فی الجملہ ایک جمود اور استغناء کا ماحول بن گیا، علماء کے اندر بالعموم تصلب کی جگہ تعصب، وسعت کی جگہ تنگ نظری، اور دقت نظری اور حساسیت کی جگہ سطحیت اور جذباتیت نے لے لی، درمیانی صدیوں میں کئی اہل تحقیق اور انقلابی علماء نے اپنے اپنے طور پر اس جمود کو توڑنے اور اس بحر ساکن میں حرکت لانے کی کوششیں کیں، جن میں امام غزالی، علامہ ابن تیمیہ، علامہ عزالدین بن عبدالسلام، علامہ ابن ہمام، علامہ ابن دقیق العید، اور علامہ زین الدین قاسم بن قطلو بغا، اور قریب ترین صدیوں میں حضرت شاہ ولی اللہ، حضرت مولانا عبدالحئی ابوالحسنات فرنگی محلی، اور حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے نام زیادہ نمایاں ہیں، ان حضرات کی علمی اور انقلابی کوششوں کے بڑے گہرے اثرات مرتب ہوئے، اور اس طرح ہر دور میں اہل علم اور اہل تحقیق علماء پیدا ہوتے رہے۔

مگر اس پورے دور میں کم از کم ہندوستان میں جدید فقہی مسائل اور نوازل وحوادث کے حل کے لئے کسی بڑی اجتماعی کوشش کا سراغ نہیں ملتا، حضرت عالمگیر اورنگ زیب کے دور میں علامہ نظام کی سربراہی میں ایک مجلسِ فقہی قائم ہوئی تھی، جس نے مشہور زمانہ کتاب "فتاویٰ ہندیہ" مرتب کی، مگر اس کی حیثیت اجتہادی نہیں تھی، نئے مسائل پر غور

وخوض کرنا اس کے مقاصد میں شامل نہیں تھا، اس مجلس کا کام فقط اتنا تھا کہ ہندوستانی حالات کے تناظر میں فقہ حنفی کی تمام جزئیات کو موضاعاتی طور پر مرتب کر دیا جائے۔ یعنی بالفاظ دیگر اس مجلس کے قیام کا مقصد ہندوستان کے اسلامی تحریری آئین کی ترتیب تو تھی یہ بھی اپنی جگہ ایک اہم ترین کام تھا، مگر اس کا تعلق زیادہ تر عدالتی نظام سے تھا، ''اجتماعی تفقہ وتدبر'' کا کام اس مجلس کے موضوع سے خارج تھا۔

اسی طرح کی ترکی کی خلافت عثمانی کے دور میں ''مجلۃ الاحکام العدلیہ'' اور ہندوستان کے عہد اسلامی میں ایک اور مجموعۂ قانون ''فتاویٰ تاتارخانیہ'' کی ترتیب عمل میں آئی، مگر ظاہر ہے کہ ان سب کا تعلق اسلامی حکومت کے آئینی یا عدالتی نظام سے تھا، اس کا عملِ تشریع یا اجتماعی اجتہاد سے کوئی خاص تعلق نہیں تھا۔

البتہ آخری دور میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اس میدان میں اہم کردار ادا کیا، اور انہوں نے متعدد نئے مسائل پر مخصوص علماء کو اجتماعی غور وفکر کی دعوت دی، جس کے اہم ارکان میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ بھی تھے، انہوں نے اس چیز کو محدود سطح پر کچھ دنوں پاکستان میں جاری رکھا۔

اس قسم کی ایک محدود کوشش ندوۃ العلماء لکھنؤ میں بھی کی گئی، جس کے تحت ملک کے اہم ترین علماء نے وقت کے کئی اہم مسائل پر بحث وتحقیق کی اور ان کا حل نکالنے کی کوشش کی۔

ایک محدود سطح پر حضرت مولانا محمد میاں صاحب علیہ الرحمۃ کے زمانہ میں جمعیۃ علماء ہند نے بھی اس میدان میں کوشش کی تھی۔

ان تمام فقہی کوششوں کی علمی اور تاریخی طور پر اپنی اہمیت ہے۔ مگر یہ بھی ایک امر واقعہ ہے کہ اس میدان میں کوئی بہت زیادہ بڑی کوشش نہیں کی گئی، حسب ضرورت چند علماء کی چند نشستوں میں مسائل پر تبادلۂ خیال کر لیا گیا اور بس۔

اس میدان میں عام انقلابی سطح کی کوشش (غالباً) پہلی بار حضرت مولانا قاضی مجاہد

الاسلام قاسمیؒ نے کی، انہوں نے اس اجتماعی تفقہ کو اس دور کے ہر عالم کا مسئلہ بنادیا، ہر مفتی کے دل میں آگے بڑھ کر امت کے مسائل کی فکر پیدا کی اور ان کو مجبور کیا کہ وہ کتابوں کا مطالعہ کریں، فکر ونظر میں وسعت پیدا کریں، فقہ اسلامی کے اصل سرچشموں سے براہ راست مربوط ہوں، فقہ اسلامی کے اصول وکلیات سے آگاہ ہوں، دین کا مزاج سمجھیں، حالات پر نگاہ رکھیں، جدید علوم واصطلاحات کو بھی سمجھنے کی کوشش کریں، اور اس تغیر پذیر دنیا میں آنکھ اور کان بند کر کے نہیں بلکہ پوری بیداری اور حاضر دماغی کے ساتھ مسائل کا سامنا کریں، اس طرح اسلامک فقہ اکیڈمی ایک طرف جدید مسائل کے حل کے لئے علماء کے اجتماعی تفکر وتفقہ کا مرکز بنی تو دوسری طرف جدید علماء وفضلاء کے لئے فقہی اور علمی تربیت گاہ بھی۔

حضرت قاضی صاحب اس باب میں اپنے بزرگوں میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور حضرت مولانا ابوالمحاسن سجادؒ کو خصوصیت کے ساتھ اپنے لئے معیار اور دلیل راہ سمجھتے تھے، اور اپنی تقریروں میں ان حضرات کی اجتہادی مساعی کا بڑے وقیع الفاظ میں ذکر فرماتے تھے، دوسرے فقہی سمینار کے موقعہ پر قاضی صاحب نے جو تقریر فرمائی تھی وہ ان کے نقطۂ نظر اور اسلامک فقہ اکیڈمی کے بنیادی مقاصد کو سمجھنے میں کافی اہمیت رکھتی ہے، اس تقریر کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

"ائمہ کبار اور علماء واسلاف نے اپنے زمانے اور حالات کے اعتبار سے مسائل کا استخراج واستنباط کیا ہے۔ جس کی مفصل اور وقیع تاریخ ایسی مثال ہے کہ جس کی نظیر دنیا کے موجودہ مذاہب میں سے کسی مذہب میں نہیں ایسی تاریخ اور ایسا ریکارڈ رکھتے ہوئے یہ کیسے ممکن ہے کہ کسی دور اور کسی زمانہ کے علماء دین اپنے دور اور اپنے زمانہ کے تقاضوں کی حقیقی تکمیل اور پیش آمدہ مسائل کے صحیح حل میں ہمت ہار جائیں، غفلت کی چادر اوڑھ کر سو جائیں، اور جمود ان پر طاری ہو جائے؟ جب پچھلے دور میں ایسا نہیں ہوا (اور کسی

ابدی دین کے ساتھ ایسا معاملہ پیش بھی نہیں آسکتا) اور ہر زمانہ کے علماء اپنے زمانہ کے حالات اور مسائل سے واقف ہو کر رہبری اور رہنمائی کا فریضہ انجام دیتے رہے، تو اس زمانہ کے علماء کو بھی اپنے زمانہ کی ضرورتوں سے واقف ہونا پڑے گا، اور آج کی سائنسی ایجادات، طبی تحقیقات، معاشی ترقیات، مختلف سماجی اور جغرافیائی حالات، حمل ونقل کے جدید ذرائع، اور ترسیل وابلاغ کے نئے آلات نے نت نئے فقہی وشرعی مسائل جو پیدا کئے ہیں، ان کا حل پیش کرنا ہوگا، حساس علماء نے اپنے وقت کے علماء کی توجہ اس طرف ہمیشہ مبذول کرائی ہے، نابغۂ روزگار عالم دین مولانا سید سلیمان ندویؒ اپنی وفات سے چند ماہ پیشتر جب پاکستان سے ہندوستان تشریف لائے، تو بار بار فرماتے کہ:

''اس وقت نئے نئے مسائل سامنے آرہے ہیں اور ایسے علماء کی ضرورت ہے جو ان مسائل کا تشفی بخش جواب دے سکیں، اس لئے فقہ کی تعلیم پر بہت زیادہ توجہ کرنی چاہئے۔
(مطالعۂ سلیمانی ص/ ۱۳۸)

خوشی کی بات ہے کہ عالم اسلام کے علماء وفقہاء اس طرف متوجہ ہیں، اور مختلف ممالک میں فقہی اکیڈمیاں قائم ہیں جہاں مختلف انداز سے ان مسائل پر کام ہو رہا ہے، ماضی قریب کے ہندوستانی علماء میں مولانا ابوالمحاسن سجاد صاحبؒ، مولانا اشرف علی تھانویؒ، اور مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے اس سلسلے میں جو کوششیں کی ہیں وہ نہ صرف لائق تحسین بلکہ قابل تقلید بھی ہیں، اور ان کے کام کو آگے بڑھانا اور پھر اس طرح کے کام کو باہم مربوط کرنا اور مسلک ومشرب اور تنظیم وادارہ کے اختلاف سے بالاتر ہو کر فریق کے بجائے رفیق کے احساس کے ساتھ اجتماعی شکل میں ان مسائل پر غور کرنا بلاشبہ وقت کا اہم تقاضہ ہے۔ (مجلہ فقہ اسلامی ج/۲ ص/۱۴)

''اجتماعی اور انفرادی اجتہاد میں فرق''

اس لئے اب یہ سوال اٹھانے کی ضرورت نہیں ہے کہ مسائل کے استخراج واستنباط یا

ترجیح و تخریج کے لئے جس درجہ کے علم و کمال کی ضرورت ہے کیا وہ قاضی صاحب یا ان کی مجلس کے شرکاء میں موجود تھا؟ اور حنفیہ نے فقہاء کے جو سات طبقات بیان کئے ہیں، یہ حضرات ان میں سے کس طبقہ میں داخل ہیں؟

اس لئے کہ علم و کمال کا یہ معیار، یا طبقات فقہاء میں سے کسی طبقہ کی تعیین انفرادی اجتہاد و تحقیق میں مطلوب ہے، اجتماعی اجتہاد میں نہیں، ورنہ اجتماعی اجتہاد کی ماضی قریب و بعید میں جو چھوٹی بڑی کوششیں ہوئی ہیں، ان سب میں اس معیار کی تحقیق کی جاتی، اور اس کی تعیین کے بعد ہی ان کے پیش کردہ فقہی حلوں کو شرعی اعتبار حاصل ہوتا، اور اس قسم کا سوال سابقہ فقہی مساعی پر بھی اٹھایا جاسکتا تھا، مگر اس قسم کے کسی سوال و جواب کا کوئی ذکر سابقہ فقہی مساعی کی تاریخ میں نہیں ملتا۔ اجتماعی و انفرادی کا یہی وہ فرق ہے جس سے ذہول ہو جانے کی بنا پر بعض معاصر علماء کے ذہنوں میں مذکورہ سوال پیدا ہوا، اور اس سوال کے حوالے سے قاضی صاحب کی شخصیت کو بلا وجہ تنقید کا نشانہ بنایا گیا۔

علاوہ ازیں اجتماعی غور و تحقیق دراصل اصطلاحی اجتہاد ہی نہیں ہے، کہ اس کے لئے اجتہاد مطلق، اجتہاد فی المذہب اور اجتہاد فی المسائل کی تحقیق و تشقیق کی جائے، اور اس مسئلے پر غور کیا جائے کہ اجتہاد کا دروازہ بند ہے یا کھلا؟ اور کس قسم کے اجتہاد کی آج گنجائش ہے یا نہیں؟

میں نے جہاں تک محسوس کیا ان حضرات کے ذہنوں میں اس قسم کی کوئی بات نہیں تھی، ان کے سامنے صرف اتنی سی بات تھی کہ نئے مسائل و حوادث کا حل بہر حال امت کے سامنے آنا چاہئے، اور قانونِ اسلامی کے جو اصول و کلیات ہیں ان کی تطبیق موجودہ حالات و واقعات پر ہونی چاہئے، امت کو اندھیرے میں نہیں رکھا جاسکتا، اسلام ایک ابدی نظامِ حیات ہے، ہر دور کی ضروریات اور تقاضوں کا حل لازماً اس کے پاس موجود ہے بس شرط یہ ہے کہ اس میں غور کیا جائے، نئے مسائل کے بارے میں یہ تو نہیں کہا

جاسکتا کہ چونکہ سابقہ بزرگوں نے ان کا کوئی حل اپنی کتابوں میں نہیں لکھا ہے، اس لئے ہم کوئی حل پیش کرنے سے قاصر ہیں، اگر یہ زندہ مذہب اور زندہ امت ہے، تو اس کو ہر حل میں حل پیش کرنا ہوگا، اور یہ امت کبھی بانجھ نہیں ہوسکتی، ہر دور میں ایسے افراد بہرحال موجود رہیں گے جو اسلام کی ابدیت کی توثیق وتشریح کرتے رہیں گے، صحابہ کرامؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بڑے مسائل کا سامنا کرنا پڑا جن سے ان کو عہد نبوت میں سابقہ نہیں پڑا تھا، مگر انہوں نے کبھی یہ عذر پیش نہیں کیا کہ چونکہ یہ مسئلہ عہد نبوت میں پیش نہیں آیا تھا اس لئے ہمارے لئے اس کا حل پیش کرنا مشکل ہے، بلکہ انہوں نے اجتہاد کیا اور غور وفکر کے بعد اس کا شرعی حل پیش کیا۔

قاضی صاحب نے اسی دوسرے فقہی سیمنار کی ایک نشست میں بحث کے دوران اپنے اس موقف کا بڑا واضح اظہار فرمایا تھا، قاضی صاحب نے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

”کہہ سکتے ہیں کہ بالکل اجتہادی طور پر چند فیصلے کرتے ہیں، مگر ایک ہے اجتہاد مصطلح اور ایک ہے بدلتے ہوئے حالات میں نیا حکم دینا، دونوں میں فرق ہے، دو اصول اکثر کتابوں میں مذکور ہیں، سلف سے عدول کرتے ہوئے جب مسئلہ بیان کیا جاتا ہے تو عبارت یوں ملتی ہے: "لو کانوا فی ھذا الزمان لقالوا بما قلنا" کوئی شک نہیں کہ احکام کی دو قسمیں ہیں، ایک تو ابدی جن پر حالات اور زمانہ کا کوئی اثر نہیں پڑتا، دوسرے وہ احکام ہیں، جن پر حالات کا اثر پڑتا ہے، عادات، حالات، زمانہ کے تقاضوں اور عرف پر مبنی ہوتے ہیں، جب عادات وحالات اور زمانہ کے تقاضوں میں تغیر پیدا ہوجائے، تو تغیر سے پہلے جو حالات تھے ان ہی احکام پر تغیر کے بعد بھی اصرار کرنا تفقہ سے جوڑ نہیں کھاتا، فقیہ جس طرح سرچشمۂ علوم شریعت سے تعلق رکھتا ہے، اسی طرح وہ وقت کا نباض بھی ہوتا ہے حضرت امام محمدؒ بازار میں گھومتے تھے اور لوگوں کے حالات معلوم کرتے تھے“۔

وہ احکام جو حالات پر مرتب ہوتے ہیں ہر حالت میں انہی پر اصرار کرنا صحیح نہ ہوگا، میری حیثیت نہیں کہ میں کہہ سکوں لیکن امام قرافی کہتے ہیں کہ یہ اجتہاد نہیں ہے بلکہ حالات کے تغیر کی صورت میں تطبیق ہے، اس لئے علماء مسئلہ نسخ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ ایجاد حکم نہیں ہے بلکہ کشف حکم ہے۔ (مجلہ فقہ اسلامی ج/۲ص/۵۴۲)

''اجتہاد کے تعلق سے قاضی صاحب کا نقطۂ نظر''

اس موقعہ سے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اجتہاد کے تعلق سے قاضی صاحب کا نقطۂ نظر بھی معلوم کیا جائے اس سے اکیڈمی اور قاضی صاحب کے مقاصد اور نظریات کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔

اجتہاد کے موضوع پر قاضی صاحب کا ایک مفصل مقالہ ''اسلامی عدالت'' کے مقدمہ میں موجود ہے، اس میں قاضی صاحب نے اس موضوع کے تقریباً تمام ہی بنیادی گوشوں پر نظر ڈالی ہے، اور بصیرت افروز بحث کی ہے، اجتہاد کی حقیقت اس کے عناصر ترکیبی، مجتہد کے فرائض، اہلیت اجتہاد کی شرطیں، تجزیٔ اجتہاد کی بحث، اجتہاد جاری ہے یا موقوف؟ اجتہاد میں مطلوبہ طریق کار وغیرہ بہت ہی اہم گوشے اس مقالے میں آگئے ہیں، تقریباً اس موضوع پر بکھرے ہوئے مباحث کا لب لباب قاضی صاحب نے اپنے اس مقالے میں پیش کردیا ہے، اس مقالہ کا صرف وہ حصہ پیش کیا جاتا ہے جن سے اجتہاد کے بارے میں قاضی صاحب کا نقطۂ نظر سامنے آتا ہے، تحریر فرماتے ہیں۔

''اجتہاد کے عناصر ترکیبی تین ہیں، مجتہد، محل اجتہاد، اور طریقۂ اجتہاد جیسے مجتہد میں اہلیت اجتہاد ضروری ہے، اسی طرح محل اجتہاد یعنی ان مسائل کا تعین بھی ضروری ہے جن میں اجتہاد کی گنجائش ہے، اگر اہلیتِ اجتہاد مفقود ہوگی تو شریعت عقل عیار کے لئے بازیچۂ اطفال بن جائے گی، اور اگر محل اجتہاد کا تعین نہیں ہوگا تو محل منصوص کو اجتہاد کا نشانہ بنا کر نصوصِ شریعت کو منہدم کیا جائے گا، حالانکہ ہر وہ اجتہاد جو نص سے معارض ہو

مردود ہے۔

محل اجتہاد کے بارے میں اتنا سمجھ لینا چاہئے کہ ہر وہ مسئلہ جس کے بارے میں کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ میں کوئی نص قطعی وارد ہو یا کسی حکم پر امت کا اجماع ہو چکا ہو اس میں اجتہاد کی کوئی گنجائش نہیں ہے......اب اگر بزعم خود مجتہدین کا ایک ٹولہ اٹھے اور کہنا شروع کردے کہ نماز دو ہی وقتوں کی ضروری ہے تو یہ اجتہاد مردود قرار پائے گا۔

کارِ اجتہاد جاری ہے یا نہیں؟ اور کوئی زمانہ مجتہد سے خالی ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اس تعلق سے علماء کے مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد ان پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"ہمارے نزدیک ان واقعات وحالات کی روشنی میں جو پچھلے طویل زمانہ سے پیش آرہے ہیں یہ کہنا تو بہت مشکل ہے کہ کسی زمانہ کا مجتہد سے خالی ہونا ممکن نہیں ہے، کہ واقعات وحالات اس نظریہ کا ساتھ نہیں دیتے، لیکن اتنی بات تو واضح ہے کہ اس قول کی بھی کوئی گنجائش نہیں کہ متاخرین میں کسی صاحب اجتہاد شخص کا پیدا ہونا ناممکن ہے، حقیقت یہ ہے کہ ذکاوت وفطانت اور ذہن رسا کی نعمت اللہ نے چھین نہیں لی ہے، وسائل اجتہاد اور علوم ومعارف کے خزانوں تک رسائی عہدِ متاخرین میں جس طرح آسانی ہوگئی ہے، پہلے کبھی نہیں تھی، سلف کی محنت آج روزانہ مدفون کتب خانوں سے نکل کر اس تیزی کے ساتھ سامنے آرہی ہے کہ جس کا پہلے تصور مشکل تھا، ان عظیم علمی خزانوں کو دیکھ کر برجستہ کہنا پڑتا ہے "اخرجت الأرض اثقالها" (سورۂ زلزال:۲) لیکن مسئلہ نہ ذکاوت وفطانت کا ہے نہ فہم صحیح کا، نہ وسائل علم کا اور نہ خزانۂ علمی تک رسائی کا، اصل مسئلہ ہماری کوتاہ ہمتی کا ہے، مشاغل علمیہ سے گریز کا ہے، علم کی راہ میں شب بیداری کے فقدان کا ہے، فکر میں عدم توازن اور بے اعتدالی کا ہے، خوف آخرت اور امورِ دین میں احتیاط کی کمی کا ہے، ورع وتقویٰ کے فقدان کا ہے، اور نتیجۃً اہلیتِ اجتہاد کے ناپید ہونے کا ہے، اور اگر اہلیتِ اجتہاد مفقود ہو اور پھر اجتہاد کی اجازت دی جائے، تو اس کا لازمی نتیجہ حدیث رسول کے

مطابق "ضلوا واضلوا" (مسلم باب فی فضل العلم ۱۸۵۸) (خود گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا) ہی ہوسکتا ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ اجتہاد کے بہت مراتب ہیں، ضروری نہیں کہ سبھی مجتہدین اپنی سبھی صلاحیتوں میں مساوی ہوں، کم سے کم اور ضروری حد تک اہلیتِ اجتہاد موجود ہو تو پھر اس کے بعد اپنی اپنی محنت، صلاحیت اور اللہ کی عنایت سے مجتہدین میں فرق مراتب پیدا ہوسکتا ہے اور کسی کا علم کسی سے زیادہ ہوسکتا ہے، کہ "فوق کل ذی علم علیم" (سورۃ یوسف:۷۶) اور یہ بھی واقعہ ہے کہ ابوحنیفہؒ، ابو یوسفؒ، محمد بن حسنؒ، زفر بن ہذیلؒ، عافیہ بن یزیدؒ الاودی، مالکؒ، شافعیؒ، احمد بن حنبلؒ، سفیان ثوریؒ، ابن جریر طبریؒ، ابوثورؒ، امام طحاویؒ، امام بویطیؒ، اور اس درجہ کے لوگ تو ہر زمانہ میں نہیں پیدا ہوئے، لیکن خود قفالؒ، ابن دقیق العید، عزبن عبدالسلام، قاضی خاں، برہان الدین مرغینانی، اور علامہ کمال الدین ابن ہمام جیسے لوگ پیدا ہوتے رہے ہیں، جن کے بارے میں بہت سے علماء کی رائے ہے کہ یہ حضرات صاحبِ اجتہاد تھے، اس آخری دور میں شاہ ولی اللہ الدہلویؒ کی اہلیتِ اجتہاد سے کیسے انکار ہوسکتا ہے؟ اور اگر یہ ضروری نہیں کہ مجتہد اپنے مجتہد ہونے کا دعویٰ کرے تو اس آخری عہد اور ماضی قریب میں حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی اجتہادی صلاحیتوں اور ان کے مجتہدانہ فتاویٰ کو کیسے نظر انداز کیا جاسکتا ہے؟

خیال رہے کہ مجتہد کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ سلف کی تحقیقات کی بساط الٹ کر اپنی طرف سے کوئی بات کہہ دے، تو مجتہد ہے حضرت تھانوی نے جس طرح اپنے عہد کے پیچیدہ اور الجھے ہوئے پیش آمدہ مسائل کا حل کیا ہے، قواعد شرع پر جیسی ان کی گہری نگاہ ہے، اقوال سلف کی جس طرح وہ رعایت کرتے ہیں تاکہ خرق اجماع لازم نہ آئے، مناط حکم پر جیسی ان کی نگاہ رہتی ہے اور فتویٰ میں جس شدتِ احتیاط اور ورع وتقویٰ کو برتتے ہیں، ان کی نادرۂ روزگار شخصیت سلف کے فقیہ النفس علماء کی یاد دلاتی ہے، مجھے یہ احساس

ہے کہ جو کان لفظ اجتہاد کو سننا گوارا نہیں کرتے، انہیں میرا یہ کہنا بھی شاید پسند نہ آئے کہ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے بعد حضرت تھانویؒ نے کار اجتہاد انجام دیا ہے اگرچہ انہوں نے ہمیشہ اپنے کو مقلد کہا ہے اور مقلد سمجھا ہے، اور ایسے کسی بھی قول سے پرہیز کیا ہے، جس کی نظیر اقوال سلف میں نہ ملتی ہو۔

یہ حقیقت ہے کہ اجتہاد ایک نازک ترین ذمہ داری ہے اگر ہر کس و ناکس کو اجتہاد کی اجازت دے دی جائے تو دین ایک کھیل بن کر رہ جائے گا، خواہشات نفس کی پیروی کی جائے گی، مصالح شرعیہ اور مقاصدِ تشریع کو نظر انداز کر دیا جائے گا، اور شریعت کے نزول کا مقصد ہی فوت ہو جائے گا، کارِ اجتہاد کی نازک ذمہ داری اگر نا اہل افراد یا ایسے لوگوں کے حوالہ کر دی جائے، تو جو خوف خدا سے خالی اور خشکی و تری میں بے محابا چکنے کا مزاج رکھتے ہیں یقین ہے کہ یہ اصولِ اجتہاد سے ناواقف اور اہلیتِ اجتہاد سے محروم لوگ اپنی جہالت کی وجہ سے خود بھی گمراہ ہوں گے اور اللہ کی مخلوق کو بھی گمراہ کریں گے، آج کے عہد کی بڑی بدنصیبی یہ ہے کہ وہ لوگ جو مکان کی تعمیر سے لے کر معاشی مسائل تک اور پرائمری اسکول سے یونیورسٹی کی تدریس تک یعنی زندگی کے ہر شعبہ میں مہارت، تربیت، تجربہ اور تخصص (SPECIALI SATION) کو ضروری تصور کرتے ہیں، وہ دین کے معاملہ میں ناکارہ سے ناکارہ شخص کو رائے دینے اور اجتہاد کرنے کا اہل سمجھتے ہیں، اور دوسری بدقسمتی یہ ہے کہ آج لوگ اجتہاد کا نعرہ بآواز بلند لگا رہے ہیں، ان میں اکثر وہی لوگ ہیں جو اس دور کے منکرات و فواحش اور اللہ کی دین کی حرمتوں کو اجتہاد کے مقدس نام پر محض اپنی خواہش نفس کی تکمیل کے لئے حلال کرنا چاہتے ہیں''۔ تجزیٔ اجتہاد کی بحث پر اقوال علماء اور سلف کی بعض تحقیقات کا حوالہ ذکر کرنے کے بعد اپنا نقطۂ عدل پیش فرماتے ہیں۔

''آج کے عہد میں اس مسئلہ کی خاص اہمیت اس لئے ہے کہ مجتہد کامل مفقود ہے، اور بہت سے ایسے مسائل درپیش ہیں، جو عہد سلف میں پیش نہیں آئے، تو ان مسائل کے حل

کے لئے ایسے علماء اقدام کر سکتے ہیں جو کسی خاص باب میں اپنی وسعت علمی اور کمالِ تحقیق کی بدولت مناط حکم کی تخریج کے اہل ہوں، تا کہ ایسے جدید مسائل کا حل ممکن ہو اور جیسا کہ ذکر کیا گیا جمہور کی رائے میں یہ درست ہے لیکن اس موقعہ پر ابن الزملکانی کی یہ رائے میرے نزدیک زیادہ معقول ہے کہ اہلیت اجتہاد کی شرائط دو طرح کی ہیں ایک تو وہ صلاحیتیں ہیں جن کا تعلق مطلق اجتہاد سے ہے، قطع نظر اس سے کہ اجتہاد احکام صلوۃ میں کیا جائے، یا احکام بیوع یا کسی اور باب فقہ میں اور بعض وہ شرائط ہیں جن کا تعلق اس مخصوص باب سے متعلق معلومات سے ہے، مثلاً قوت استنباط، مفہوم کلام کو سمجھنے کی صلاحیت، کون سی دلیل قابلِ قبول ہے اور کون سی نہیں، یہ اور اس طرح کی دوسری صلاحیتیں ہر مجتہد کے لئے ضروری ہیں، چاہے وہ ایک مسئلے میں اجتہاد کرے یا جملہ احکام دین میں، پس اس طرح کی کلی صلاحیتوں میں تجزی کا سوال پیدا نہیں ہوتا، البتہ دوسری قسم کی صلاحیتوں میں تجزی ہو سکتی ہے، اور اصل قوتِ اجتہاد موجود ہو تو کسی خاص باب سے متعلق علم کی وسعت کے اعتبار سے یہ جائز ہوگا کہ ایک باب میں وہ اجتہاد کرے اور دوسرے باب میں اجتہاد نہ کرے، محقق ابن امیر الحاجؒ نے ابن الزملکانی کی اس رائے کو "حسن" قرار دیا ہے۔

(التقریر والتحبیر ج/۳/ص:۲۹۴، اسلامی عدالت ص/۴ ۵ تا ۸۳ طبع اول)

"اکیڈمی نے ہندوستان میں ایک نئی علمی تاریخ بنائی"

"اکیڈمی" کے تعلق سے اب تک جو کچھ عرض کیا گیا وہ میرے فکری احساسات تھے، اور فقہی حیثیت سے اس اکیڈمی کی کیا اہمیت ہے اس کا اظہار تھا، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اکیڈمی کے بارے میں اپنے کچھ عملی تجربات بھی بیان کر دوں، تا کہ نظریہ اور عمل دونوں لحاظ سے حقائق سامنے آجائیں۔

"اسلامک فقہ اکیڈمی" کا قیام ہوا تو میں اس وقت دار العلوم دیو بند میں معین مدرس تھا، اور اول عربی سے چہارم عربی تک کی کتابیں مجھ سے متعلق تھیں، اس اکیڈمی کی فکری

تاسیس سب سے پہلے حیدر آباد میں ''مرکز البحث العلمی'' کے نام سے ہوئی، جو بعد میں ''مجمع الفقہ الاسلامی'' (اسلامک فقہ اکیڈمی) کے نام سے دہلی منتقل ہوئی۔ اس اکیڈمی کا پہلا فقہی سمینار جامعہ ہمدرد میں بڑے آب وتاب کے ساتھ ہوا، یہ آزادی کے بعد ہندوستان میں علماء کا اس معیار کا پہلا اجلاس تھا، جس میں عہد حاضر کے جدید ترین اور ترقی یافتہ اسباب ذوسائل سے استفادہ کیا گیا تھا، اور بحث وتحقیق اور تبادلۂ خیالات کا معیار بھی انتہائی اعلیٰ، سنجیدہ اور باوقار اختیار کیا گیا تھا، ملک اور بیرون ملک کے چوٹی کے علماء وفقہاء، اور مسلم ماہرین کی شرکت نے اس سمینار کو اپنی نوعیت کا پہلا سمینار ثابت کیا تھا، میں اس پروگرام میں شریک نہیں ہوسکا تھا، لیکن اس کی ہمہ گیر شہرت نے اس پروگرام کے دیکھنے اور سننے کی طالب علمانہ آرزو پیدا کردی تھی۔

کچھ دنوں کے بعد ہی یہ معلوم ہوا کہ اکیڈمی کا دوسرا سمینار اسی مقام پر پھر ہونے جارہا ہے، اس کی اطلاع حضرت الاستاذ مولانا مفتی محمد ظفیر الدین صاحب مفتاحی دامت برکاتہم کے ذریعہ ملی، جن سے میرے علمی استفادہ کا سلسلہ برابر جاری تھا، اسی استفادہ کی ایک کڑی کے طور پر حضرت مفتی صاحب نے مجھے سمینار کا سوالنامہ مرحمت فرمایا اور مجھے اس پر تحقیق کرنے کا حکم دیا''سوالنامہ'' عہد حاضر کے جدید ترین موضوع ''کرنسی نوٹ'' سے متعلق تھا، میرے لئے یہ موضوع قطعی اجنبی تھا، اس کی ابتدائی معلومات بھی مجھے حاصل نہ تھیں، مگر حضرت الاستاذ کے حکم کے سامنے میں نے سر تسلیم خم کرلیا اور پھر یہ آرزو بھی تھی کہ دہلی بہت زیادہ دور نہیں ہے اس پروگرام میں شرکت کے لئے موضوع سے تھوڑی بہت مناسبت ضروری ہے۔

میں نے موضوع سے متعلق ضروری تیاری کرکے متعلقہ مواد حضرت الاستاذ کی خدمت میں پیش کیا، تو مفتی صاحب نے پسندیدگی کا اظہار فرمایا اور حوصلہ افزائی کے کلمات ارشاد فرمائے، میں نے حوصلہ پاکر حاصل شدہ مواد کی روشنی میں ایک مختصر سا مقالہ تیار کرلیا، جو اس

وقت کے لحاظ سے میرا اب تک کا سب سے تفصیلی مقالہ تھا، یہ مقالہ میں نے بذریعہ ڈاک اکیڈمی کو بھیجدیا، جو بعد میں مجلہ فقہ اسلامی کی اشاعت میں شامل کیا گیا۔

''قاضی صاحبؒ سے پہلی ملاقات''

پھر حضرت الاستاذ کے خادم کی حیثیت سے میں اس سیمینار میں شریک ہوا، یہ اس عظیم الشان فقہی سمینار میں میری پہلی شرکت تھی اور پہلی بار میں نے حضرت قاضی صاحب کو مشاہدہ کی آنکھوں سے دیکھا، اب تک میں نے مطالعہ اور تصور کی نگاہ سے ان کی جو صورتِ خیالیہ تیار کی تھی، قاضی صاحب کا ظاہری سراپا قطعی اس سے مختلف تھا، میرے ذہن میں کسی علمی سرتاج یا تحقیقی شخصیت کی تصویر تھی، اور میرے سامنے جو شخصیت تھی وہ ایک مرد درویش تھا، جو اس جدید ترین سہولیات کے ماحول میں ہر طرح کے تکلف و تصنع سے بالاتر اور انتہائی سادگی اور مسکنت کا مرقع تھا۔ لیکن جب مختلف نشستوں میں ان کی تصویریں سنیں اور مسائل کا تجزیہ اور اصول وکلیات کی تحلیل کرتے ہوئے دیکھا، تو میں نے یقین کیا کہ انسان کی عظمت اس کے فکر وفن اور کارناموں سے ہے، ظاہری ٹیپ ٹاپ سے نہیں۔ میں نے دیکھا کہ اس چوٹی کانفرنس میں وہ اس بصیرت اور اعتماد سے گفتگو کررہے ہیں، جیسے سارا زمانہ ہمہ تن گوش ہو، اور فقہ وفن کے سینکڑوں شہ پارے لفظوں کے وسیلے سے تقسیم ہورہے ہوں، میں نے خالص علمی ماحول کا یہ منظر پہلی بار دیکھا تو اب تک جو کچھ پڑھا تھا ہوا ہوتا ہوا نظر آیا۔

اس مجلس کے اکثر شرکاء پوری تیاری کے ساتھ آئے تھے اور معلومات کا بڑا ذخیرہ ساتھ لائے تھے، بحث کرتے ہوئے معاشیات کے انتہائی باریک گوشوں پر پہونچتے تو اکثر ماہرین معاشیات بھی انگشت بدنداں نظر آتے، لیکن ان وقیع اور انتہائی سنجیدہ مباحث کے بیچ جب قاضی صاحب کی آواز گونجتی اور کسی خاص مناسبت سے ان کو گفتگو کی ضرورت پیش آتی تو مسئلہ اور اس سے متعلق ہونے والی بحثوں کا ایسا تجزیہ پیش فرماتے

کہ رُواں رُواں سرشار ہو جاتا اور زبان پر بے ساختہ میر تقی میر کا یہ شعر آجاتا ؎

وہ آئے بزم میں اتنا تو میر نے دیکھا
پھر ان کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی

میں نے دلّی سے واپسی پر اپنے قلبی تأثرات ومشاہدات قلمبند کئے، جو ''کارواں اور غبار کارواں'' کے نام سے دارالعلوم دیوبند کے پندرہ روزہ ''آئینہ دارالعلوم'' میں شائع ہوئے۔

اس کے بعد میں قاضی صاحب کے اکثر سیمناروں میں طالب علمانہ حیثیت سے شریک رہا، متعلقہ موضوعات پر تحریرات بھی تیار کیں، اور مسئلہ کو سمجھنے کے لئے بحث میں بھی حصہ لیا، حضرت قاضی صاحبؒ کے حکم پر متعدد مرتبہ ''عارض مسئلہ'' کی حیثیت سے بھی شریک رہا، میں نے ان سیمناروں، ان کی عمومی اور خصوصی نشستوں اور قاضی صاحبؒ کی عام وخاص مجلسوں کو بہت قریب سے دیکھا، ان کے اسلوبِ تحقیق سے متأثر ہوا، اس کی تقلید کی کسی درجے میں کوشش کی، بحث، وتحقیق کا جذبہ پیدا ہوا اور اس طرح بعض موضوعات پر لکھنے کی توفیق میسر ہوئی، اور مجھے کہنا چاہئے کہ میری تمام تر علمی تحریرات کا شجرۂ فیض حضرت قاضی صاحب سے جاملتا ہے۔

''حضرت قاضی صاحبؒ کے انقلابی اثرات''

اس طرح قاضی صاحب نے پوری جدید نسل، بالخصوص طبقۂ علماء کو بہت متأثر کیا، ان میں اس اکیڈمی کے ذریعہ تعمیری انقلاب کی روح پھونکی، جوانوں میں عقابی روح بیدار کی، ان کو ان کی حیثیتوں کا عرفان کرایا، کرگسوں میں پلے ہوئے شاہینوں کو ان کا مقام یاد دلایا، اس طرح عہد جدید کے مختلف طبقات پر اس ایک شخص نے جتنا انقلابی اثر ڈالا اس کی کوئی مثال ان کے معاصرین میں نہیں ملتی، اور اسلامک فقہ اکیڈمی نے بہت قلیل مدت میں مسلمانوں کے علمی حلقوں میں جو شعور وآگہی پیدا کی، اور ان کو مطالعہ

وتحقیق کا جس طرح عادی بنایا اس ہمہ گیر سطح پر موجودہ ہندوستان کا کوئی ادارہ (باستثناء دارالعلوم دیوبند) اس کی ہمسری نہیں کرسکتا۔

قاضی صاحبؒ سراپا تحریک اور مجسم انقلاب تھے، انہوں نے خالق فطرت کی جناب سے جو بے قرار طبیعت پائی تھی وہ ان کو ہر وقت کسی نہ کسی کام، کارنامے اور تحریک کے لئے بے چین رکھتی تھی، ملک وملت کے مسائل ان کو ایک پل آرام نہ دیتے تھے، ملک وبیرون ملک ان کی مخالفتیں بھی ہوئیں، ان کے خلاف افواہوں کی گرم بازاری بھی رہی، مخالفت میں پمفلٹ، مضامین، اور کتابچے بھی شائع ہوئے، لیکن اس مرد آہن کے پائے استقامت میں تزلزل نہ آیا، وہ اپنی جگہ کھڑے قوم وملت میں انقلاب وشعور کا صور پھونکتے رہے، بلکہ انہوں نے آگے بڑھ کر اپنے مخالفوں کو بھی سینے سے لگایا، سنجیدگی اور محبت کے ساتھ ان پر اپنا موقف واضح کیا، اور ان کی غلط فہمیاں دور کرنے کی کوششیں کی۔

اگر کوئی شخص پورے ہندوستان کا باریک بینی سے جائزہ لے، بالخصوص علمی حلقوں کی مجلسوں کا احاطہ کرے تو وہ واضح طور پر قاضی صاحب کی محنتوں کے اثرات محسوس کرے گا، یہ بیداری، یہ شعور، یہ جذبۂ تحقیق، یہ ذوقِ جستجو، یہ کتابوں سے عشق، یہ مخطوطات اور نایاب مجموعوں کی تلاش، تبادلۂ افکار، یہ لب ولہجہ کی سنجیدگی، اور یہ باوقار علمی وفقہی مجلسیں سب کے سب بالواسطہ یا بلاواسطہ، عمل یا ردعمل کے نتیجے میں، اسی مرد انقلاب سے مربوط نظر آئیں گے۔

میں نے دیوبند میں ایک سے زائد بار دیکھا کہ ''اکیڈمی'' کے فقہی سیمینار سے قبل یا بعد قاضی صاحب دیوبند تشریف لائے یہاں کے اساتذہ، مفتیان، اور ذمہ داروں سے عام ملاقات فرمائی، اور ان سے کہا کہ

''یہ آپ کے کرنے کا کام ہے، یہ آپ کا بوجھ ہے جس کو میرا دوش ناتواں [illegible] اٹھئے اور یہ کام سنبھالئے، یہ عظیم الشان کام آپ نہیں کریں گے تو کون کرے گا؟ (مفہوم)

چنانچہ کچھ دنوں کے بعد دیکھا گیا کہ " ادارة المباحث الفقهية" کا احیاء عمل میں آیا، اور دلی، دیو بند، مدراس میں اس ادارہ کے تحت کئی فقہی اجتماعات منعقد ہوئے، جس کے ایک ادنیٰ فرد کی حیثیت سے میں نے بھی شرکت کی۔

یہ آنکھ کس کی آواز پر کھلی؟ یہ ہمت و بیداری کس نے دی؟ اور دیو بند، دلی اور سارے ہندوستان کو کس مردِ مسیحا نے جگایا؟ اس سوال کے جواب میں سوائے حضرت قاضی صاحب کے کس کا نام لیا جا سکے گا؟ ایک شاعر کے شعر سے استعارہ کرتے ہوئے ؎

بہار اب جو گلشن میں آئی ہوئی ہے
یہ سب پود ان ہی کی لگائی ہوئی ہے

مجھے یاد ہے "اسلامک فقہ اکیڈمی" کے دوسرے سمینار میں پاکستان کے مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ نے صدارتی خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا کہ

"ہندوستان میں اسلامک فقہ اکیڈمی کا قیام نہ صرف ان ممالک کے لئے ایک قابلِ تقلید قدم ہے، جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں، بلکہ یہ ادارہ اسلامی ممالک اور خود پاکستان کے لئے بھی انشاء اللہ مشعل راہ ہوگا" (مجلہ فقہ اسلامی ج ۲/۵۲۲)

حیدرآباد کے چوتھے فقہی سمینار سے خطاب کرتے ہوئے عالم اسلام کے مشہور فقیہ و محدث حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی نے ارشاد فرمایا۔۔۔

"مولانا مجاہد الاسلام قاسمی دامت برکاتہم سے میرا غائبانہ تعارف ایک طویل مدت سے ہے، لیکن میں ان کو ایک فقیہ ایک عالم کی حیثیت سے جانتا تھا، مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر ایک مخفی جوہر مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کا بھی ودیعت کر رکھا ہے، آج اس محفل میں شرکت کرنے کے بعد ہندوستان کے علماء اور علم و فضل کے پیکر حضرات سے ملاقات کر کے اس بات کا اندازہ ہو رہا ہے کہ انہوں نے

اس اکیڈمی کو قائم کر کے کتنا بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔ (مجلہ فقہ اسلامی ج/۴ ص/۳۵)

مجھے پٹنہ سیمنار میں حضرت مولانا محمد سالم القاسمی مہتمم دارالعلوم (وقف) دیوبند کی وہ صدارتی تقریر بھی خوب یاد ہے جس میں ایک جانب حضرت قاضی صاحب تشریف فرما تھے اور دوسری جانب حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ رونق افروز تھے، مولانا سالم صاحب نے خالص علمی انداز میں ایک مبسوط خطاب فرمایا تھا، اور علماء کے اس منتخب مجمع کو خانوادۂ قاسمی کے اس چشم و چراغ نے جس علمی اور استدلالی انداز میں درس دیا تھا وہ ان ہی کا حق تھا، وہ قاسم العلوم کے پڑپوتے ہیں، ان ہی سے یہ امید رکھی جا سکتی تھی کہ وہ اتنی حقیقت پسندی کے ساتھ اکیڈمی اور قاضی صاحب کی خدمات کو محسوس کریں گے اور اس کا بلا تکلف اظہار فرمائیں گے، ورنہ عام طور پر معاملہ یہ ہوتا ہے کہ ''دل مانتا ہے مگر زبان نہیں بول سکتی'' حضرت مولانا سالم صاحب نے فرمایا تھا کہ کچھ لوگ تصوف کی اصطلاح میں ابوالحال ہوتے ہیں اور کچھ ابن الحال، کچھ لوگوں پر فن حاوی ہوتا ہے اور کچھ فن پر حاوی ہوتے ہیں، مثلاً صحاح ستہ کے مصنفین میں حضرت امام ترمذی، نسائی، ابوداؤد اور ابن ماجہ ابن الحال ہیں یعنی فن حدیث ان پر حاوی ہے جب کہ حضرت امام بخاری اور مسلم ابوالحال ہیں، یعنی یہ حضرات خود فن پر حاوی ہیں، ہمارے اس دور میں برصغیر میں حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی اور حضرت مولانا محمد تقی عثمانی ابوالحال شخصیات میں ہیں، یہ حضرات فن فقہ پر حاوی ہیں، فن ان پر حاوی نہیں ہے'' الخ۔

ظاہر ہے کہ یہ تأثر قاضی صاحب کی اسی اکیڈمی، اور اس کے عظیم سیمناروں کے ذریعہ قائم ہوا، ورنہ صرف قاضی صاحبؒ کی تصانیف سے یہ تأثر پیدا نہیں ہو سکتا تھا۔

اس طرح نہ معلوم اس اکیڈمی سے میری کتنی یادیں وابستہ ہیں، سب کو لکھوں تو ایک کتاب بن جائے، میں نے بعض سیمناروں کے تأثرات و مشاہدات اسی وقت لکھدیئے تھے، جو مختلف رسائل و جرائد اور اخبارات میں شائع ہوئے، وہ میرے تازہ ترین

احساسات ہوتے تھے، جن میں زندگی اور تازگی ہوتی تھی آج تو جو کچھ لکھ رہا ہوں اس میں غم ہے، کرب ہے، اداسی اور مایوسی ہے، اور ساری یادیں پرانی ہو چکی ہیں، اور ان یادوں کا سرچشمہ، میرا مربی و محسن بھی اس دنیا سے جا چکا ہے، اب کون میری تحریروں کی قدر کرے گا، اور میرے طول طویل مقالات کو توجہ سے پڑھے گا، اب میں علمی طور پر خود یتیم ہوں، ہر طرف اندھیرا ہے، اجالوں کا منتظر ہوں، مگر کوئی کرن موجود نہیں، قاضی صاحب کی بس ایک یاد جو دارالعلوم الاسلامیہ بستی کے سیمنار سے وابستہ ہے، اس سے کچھ حوصلہ ملتا ہے، لکھتا ہوں تاکہ میری طرح کچھ اور لوگوں کو بھی تقویت ملے، قاضی صاحب نے اس سیمنار میں بڑا درد سے لبریز اور اثر انگیز خطاب فرمایا تھا، ان کے یہ الفاظ آج تک گویا میری سماعت سے ٹکرار ہے ہیں کہ

”عزیزو اور دوستو! افراد آتے اور جاتے رہیں گے، افراد پر کسی ادارہ و تحریک کا کام موقوف نہیں رہتا، یہ خدا کا کام ہے، خدا زندہ ہے تو یہ کام بھی زندہ رہنا چاہئے، آپ نے جس خون و جگر کی آمیزش سے فقہ و قانون کی یہ تحریک شروع کی ہے، اس کو میرے بعد بھی جاری رکھئے، کسی فرد پر کام موقوف نہ رکھئے، یہ بڑا کام ہے جو آپ حضرات کرر ہے ہیں، میری خواہش ہے کہ میرے رفقاء اور میرے احباب اس کام کو جاری رکھیں۔ پرانے لوگ جاتے رہیں گے اور نئے لوگ شامل ہوتے رہیں گے، اور یہ کارواں ہمہ دم رواں دواں رہے گا، انشاء اللہ، اللہم آمین۔ (مفہوم)

امید ہے کہ اس تقریر کی کسیٹ ”دارالعلوم الاسلامیہ بستی“ کے ریکارڈ میں ہوگی، کاش اس موقعہ کی قاضی صاحب کی پوری تقریر شائع ہو جاتی، یہ ان کا کلمۃ الوداع تھا، اللہ حضرت قاضی صاحب کی اس تحریک کو جاری رکھے، اور ان کے علمی فیوض کا یہ سلسلہ قائم و دائم رکھے، اور ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین۔ ؎

آسماں ان کی لحد پہ شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

درد مندِ ملت

حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب قاسمیؒ

از:-مولانا مفتی شکیل احمد سیتاپوری
استاذ تفسیر و حدیث دار العلوم الاسلامیہ بستی

ملی کونسل کے اجلاس کے موقع پر لکھنؤ روندرالیہ میں جناب قاضی صاحب نے خطبۂ حجۃ الوداع کا ایک ٹکڑا پڑھا تھا "إن الله اذهب عنكم عبيّة الجاهلية وتعظّمها بالآباء" لوگو! اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کے غرور کا خاتمہ کر دیا، اور نسب ناموں پر فخر کرنا ایک فرسودہ اور پائمال مضمون بن چکا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس اہم اور تاریخی خطبہ میں یہ ارشاد فرمانا درحقیقت امت کو مصنوعی اور خیالی بنیادوں سے ہٹا کر حقیقی اور اصلی بنیادوں پر لانا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس مختصر سے جملہ سے امت کو یہ پیغام دیا کہ عظمت کی بنیاد جہاد، عمل، اور قربانی پر رکھیں نہ کہ آباء واجداد کے نسب اور نسبت پر ؏ پدرم سلطان بود کے پرفریب راگ الاپنے کے بجائے خود اپنے آپ کو ثبوت میں پیش کریں۔ ؎

إن الفتىٰ مَنْ يقولُ هَا انا ذا ☆ لَيسَ الفَتىٰ مَنْ يَقُولُ كَانَ اَبِیْ

مرد وہ ہے جو کہے کہ لو! مجھ کو دیکھو، مجھ کو پرکھو، مرد وہ نہیں ہے جو کہے کہ میرا باپ ایسا تھا۔

قاضی صاحب نے ملی کونسل کے افتتاحی اجلاس میں جب یہ حدیث پڑھی تھی تو سخن شناس اور حقیقت آشنا حضرات اچھی طرح سمجھ گئے تھے، کہ ہندوستانی مسلمانوں کے مسائل حل کرنے کے جو لوگ دعویدار ہیں، اور جنھوں نے امت مسلمہ ہندیہ کا ٹھیکہ لے

رکھا ہے وہ تمام کے تمام صاحبزادگان ہیں اور ان کے پاس استحقاق کے لیے علم وعمل، جہاد وقربانی کی کوئی سند نہیں، ان کی بنیاد فقط انساب واحساب پر ہے، قاضی صاحب ان سے کبیدہ خاطر اور انتہائی مایوس ہیں، اور مسلمانوں میں یہ شعور پیدا کرنا چاہتے ہیں کہ وہ قیادت کو علم وعمل، قربانی واخلاص کے آئینہ میں دیکھیں نہ کہ آباء پرستی اور گروہ بندی کے آئینہ میں، قاضی صاحب کی اس طرح کی باتیں ان صاحبزادگان کے تلووں میں لگتی تھیں اور سر تک پہونچتی تھیں، اور وہ جل بھن کر کباب ہوجایا کرتے تھے پھر جیسا کہ دنی الطبع لوگوں کا شیوہ ہے کہ وہ قاضی صاحب کو زک پہونچانے کے لیے بھونڈے حربے استعمال کرتے تھے۔

مذکورہ بالا سطور کا مقصد یہ ہے کہ قاضی صاحب خود اس حقیقت کا مرقع تھے انہوں نے اپنی عظمت کی بنیاد اپنی ذاتی محنت اور اخلاص وعمل پر رکھی تھی، ان کو عظیم بنانے میں نسب ونسبت کا کوئی خاص دخل نہیں تھا۔

بہت سے طالع آزماؤں نے علماء اور دانشوروں کی بھیڑ اپنے آرد گرد جمع کرنے کی کوشش کی مگر خلوص سے بیگانگی کی بنا پر ناکام ہوگئے ؎

چمن میں لالہ دکھاتا پھرتا ہے داغ اپنا کلی کلی کو
یہ جانتا ہے کہ اس دکھاوے سے دل جلوں میں شمار ہوگا

اس کے برعکس قاضی صاحب تھے کہ اہل علم اور اہل دانش کا ہجوم تھا جو امڈا چلا آتا تھا "اَلثَّنَاءُ مَا کَانَ عَلَی اَفْوَاہِ الْاَخْیَارِ" تعریف وہی ہے جو منتخب لوگوں کی زبان سے ہو، صاحب فن وہی ہے جس کے فن کی اہل فن شہادت دیں۔

ان کا علم، ان کا خلوص، ان کی تواضع، ان کی دردمندی ان کے مخاطب کے دل پر منعکس ہوجایا کرتی تھی، اور وہ ان کا حلقہ بگوش ہوجایا کرتا تھا، یا یوں کہیے کہ چونکہ ان کو اللہ کے بندوں سے محبت تھی اس لیے اللہ کے بندوں کو بھی ان سے محبت تھی۔" ھــل

جزاء الاحسان إلا الاحسان " سے

خدا کے عاشق تو ہیں ہزاروں، بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہوگا

بعض فلاسفہ نے کہا ہے: فلسفة حياتي في بضعة سطور، غناك في نفسك، وقيمتك في عملك، وبواعثك احرى بالعناية من غاياتك، ولا تنتظر من الناس كثيراً " میری زندگی کا نچوڑ چند سطروں میں یہ ہے کہ آپ کی تونگری آپ کے دل میں ہے یعنی خارج سے تونگر بننے کی کوشش عبث ہے اگر داخل میں تونگری نہ ہو۔

دوسری بات یہ ہے کہ آپ کا عمل آپ کی قیمت ہے، یعنی اگر آپ نے اپنا پسندیدہ عمل انجام دے دیا تو آپ نے اپنی قیمت وصول کر لی، اب بے فکر ہو جائیے۔

تیسری بات یہ ہے کہ اپنے جذبۂ دل کو دیکھئے نتیجہ کو نہ دیکھئے یعنی جذبہ پاکیزہ ہونا چاہئے، نتیجہ خواہ مختصر ہو۔

چوتھی بات یہ ہے کہ لوگوں سے زیادہ توقع نہ رکھئے، یعنی ہر وقت اس انتظار میں نہ رہئے کہ لوگ آپ کو سراہیں گے، یا لوگ آپ کی محنت کے ساتھ انصاف کریں گے۔

میرے خیال میں قاضی صاحب نے بھی انہی چیزوں کو اپنا اصول بنایا تھا، کیونکہ ان کے حالات اور گاہ بہ گاہ ان کے تأثرات سے اس کی تائید ہوتی ہے، وہ گویا زبان حال سے کہا کرتے تھے

نہ ستائش کی تمنا نہ صلہ کی پرواہ
گر نہیں ہیں میرے اشعار میں معنی نہ سہی

حکیم مشرق اور حکیم امت سید جمال الدین افغانی رحمہ اللہ " العروة الوثقى " میں فرماتے ہیں کہ امت مسلمہ کے زوال کے بہت سے اسباب ہیں، ان میں اہم ترین

سبب رابطہ کا فقدان ہے۔ "اهمّها تفكك الروابط بين اجزاء الامّة فلا ترابط بين العلماء بعضهم وبعض ولا بين العلماء والامراء" امت کے اجزاء کے درمیان کوئی جوڑ نہیں ہے، ایک بڑے عالم کا دوسرے بڑے عالم سے کوئی رابطہ نہیں ہے، اسی طرح علماء اور ارباب اقتدار یعنی امراء کے درمیان بھی بیگانگی ہے، ان کے درمیان یگانگت کا فقدان ہے۔ ؎

ایک ہوجائیں تو بن سکتے ہیں خورشید مبیں
ورنہ اِن بکھرے ہوئے تاروں سے کیا بات بنے

قاضی صاحب نے اس میں اہم پیش رفت کی تھی، چنانچہ ملت مسلمہ کے اکثر نمایاں حضرات سے قاضی صاحب کا رابطہ تھا، اور ملی کاموں کے لیے ان کو مربوط کرنے کی کوشش میں لگے رہتے تھے، ان کے مشن میں یہ بات داخل تھی کہ ؎

پرونا ایک ہی تسبیح میں ان بکھرے دانوں کو
جو مشکل ہے، تو اِس مشکل کو آساں کرکے چھوڑوں گا

۱۴ر اپریل ۲۰۰۲ء میں ناچیز کو پٹنہ کے ایک عظیم الشان جلسۂ سیرت میں تقریر کے لیے دعوت دی گئی، اور امارت شرعیہ پھلواری شریف کا پروگرام بھی اس کے ساتھ منسلک کردیا گیا۔ جناب مولانا عمار احمد صاحب ناظم مدرسہ افضل المعارف الٰہ آباد اور جناب مولانا سید ابوالکلام صاحب مبلغ دارالعلوم وقف دیوبند بھی شریک اجلاس تھے۔

ناچیز ان دونوں بزرگوں کے ساتھ امارت شرعیہ پھلواری شریف حاضر ہوا چونکہ حضرت قاضی صاحب کے انتقال پرملال پر ابھی صرف ایک ہفتہ گذرا تھا اس لیے زخم تازہ تھا اور امارت شرعیہ کے در و بام پر اداسی طاری تھی، موقع کی مناسبت سے "المعهد العالي للتدريب في القضاء والإفتاء" کے ہال میں مغرب کے بعد جلسۂ تعزیت منعقد کیا گیا اور وقت کی قلت کی بنا پر جناب مولانا مفتی نسیم احمد صاحب نائب ناظم

امارت شرعیہ نے صرف ناچیز کی تقریر کا اعلان کیا میں نے مسند تقریر پر بیٹھتے ہی حضرت قاضی صاحب کی روح کو اس شعر سے خراج عقیدت پیش کیا ؎

کونسا مست گیا روٹھ کے میخانہ سے
مئے اڑی جاتی ہے ساقی ترے پیمانے سے

اس کے بعد جذبات امڈ آئے اور حضرت قاضی صاحب کو جیسا کچھ میں نے سمجھا تھا اس پر روشنی ڈالتا رہا۔

آخر میں میں نے المعهد العالی کے طلبہ کو مخاطب کر کے کہا کہ حضرت امام ابو یوسفؒ کا قول ہے "العلم يحصل بذل لاعزّ فيه ويعطي عزاً لا ذُلّ فيه" علم ایسی ذلت سے حاصل ہوتا ہے جس میں کوئی عزت نہیں ہوتی پھر علم ایسی عزت عطا کرتا ہے جس میں کوئی ذلت نہیں ہوتی۔

میں نے کہا: حاضرین کرام! حضرت قاضی صاحب اس مقولہ کی تازہ مثال تھے، جب ان کا جنازہ یہاں کی فضا میں ہوائی جہاز سے گذر رہا تھا جس کے استقبال کے لئے وزیر اعلیٰ اور دیگر عمائدین سلطنت چشم براہ کھڑے تھے، تو وہ علم کی بالا دستی، اور علم کی توقیر واعزاز کا اعلان کر رہا تھا۔ یہ ہے وہ عزت جو علم وفضل کی بدولت حاصل ہوتی ہے۔

قاضی صاحب کی زندگی ان لوگوں کے لیے بھی نمونہ ہے جو ذہین اور باصلاحیت تو ہیں لیکن بے سروسامانی کا شکار ہیں، غربت زدہ ہیں، قاضی صاحب کی زندگی سے ان کو سبق لینا چاہئے اور اپنے حوصلوں کو بلند کرنا چاہئے کہ ایک غریب خاندان سے اٹھنے والا شخص محض اپنی ذاتی محنت سے اپنی زندگی میں اور مرنے کے بعد کتنی بلندی تک پہونچا، سچ ہے ؎

تری خاک میں ہے اگر شرر تو خیالِ فقر وغنا نہ کر
کہ جہاں میں نانِ شعیر پر ہے مدارِ قوتِ حیدری

المعہد العالی

للتدریب فی القضاء والافتاء

کی تاسیس ایک مثالی کارنامہ، ایک اہم ضرورت کی تکمیل

از: مولانا نورالحق رحمانی
استاذ المعہد العالی پھلواری شریف پٹنہ

فقیہ الامت، مفکر ملت، قاضی شریعت حضرت مولانا مجاہد الاسلام قاسمی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت پورے عالم اسلام کے لئے عموماً اور ہندوستانی مسلمانوں کے لئے خصوصاً قدرت کا ایک عظیم عطیہ تھی۔ ان کی بے لوث دینی وملی خدمات اور مجاہدانہ کارناموں کی فہرست خاصی طویل ہے، لیکن فقہ اسلامی خاص طور پر ان کے اختصاص کا میدان تھی، اس سلسلے میں انہوں نے جو تحریری ورثہ کتابوں، فقہی مقالات ومباحث اور مجلہ بحث ونظر وغیرہ کی شکل میں چھوڑا ہے وہ امت کے لئے ایک گرانقدر فقہی سرمایہ ہے، اسی طرح فقہی اداروں کی شکل میں اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا اور "المعہد العالی للتدریب فی القضاء والافتاء" کے نام سے جو دو ادارے قائم فرمائے انشاء اللہ وہ ان کے لئے باقیات صالحات اور صدقہ جاریہ ثابت ہوں گے، ان کے ذریعہ دینی خدمت کے مختلف میدانوں میں رجال کار تیار ہوتے رہیں گے، اور ملک بھر کے علماء وفقہاء، اور ارباب افتاء اجتماعی غور وفکر کے ذریعہ دور جدید کے نئے اور پیچیدہ مسائل کا مناسب شرعی حل تلاش کر کے امت کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیتے رہیں گے اور ملت کو اس کا نفع ہمیشہ پہنچتا رہے گا۔

جدید سائنس اور ٹکنالوجی کی ترقی کے نتیجے میں جو بے شمار نئے مسائل پیدا ہوئے اور بدلتے ہوئے حالات میں عالمی سطح پر جو پیچیدہ مسائل رونما ہوئے ان کا شرعی حل دریافت

کرنا علماء امت کی ذمہ داری ہے اور اس سلسلے میں انفرادی کوشش کے بجائے اجتماعی اجتہاد اور غور وفکر اقرب الی الصواب اور سلامتی کی راہ ہے جس میں غلطی کا امکان کم سے کم ہے، آج سے تقریباً ۲۲ر سال قبل جب حضرت قاضی صاحب کا پہلا سفر جنوبی افریقہ کا ہوا تو وہاں کے علماء نے ان کے سامنے بہت سے نئے مسائل رکھے اور ان کا شرعی حل دریافت کیا، آپ نے محسوس کیا کہ بہت سے مسائل وہ ہیں جن کا جواب علماء ومفتیان کرام کے باہمی مشورہ کے بغیر نہیں دیا جا سکتا، انہوں نے ایسے مسائل کی ایک فہرست تیار کی، اور سفر سے واپسی کے بعد پھلواری شریف میں مرکز البحث العلمی کے نام سے ایک شرعی تحقیقی ادارے کی بنیاد ڈالی، جس کی ایک دو نشست صوبائی علماء پر مشتمل پٹنہ میں ہوئی، پھر اسی مرکز کی طرف سے پہلا فقہی سیمینار ملک کے دار السلطنت دہلی میں منعقد ہوا جس کے نتیجہ میں زیادہ وسیع پیمانے پر اسلامک فقہ اکیڈمی کا قیام عمل میں آیا مقصد یہ تھا کہ پورے ملک کے عربی مدارس کے علماء واساتذہ اور مفتیان کرام جدید علوم کے ماہرین کے تعاون سے عصر حاضر کے نئے مسائل کا شرعی حل تلاش کرنے کے لئے مسلسل طور پر کام کرتے رہیں، جس نیک نیتی کے ساتھ اور بلند مقاصد کے پیش نظر اس مبارک ادارہ کی بنیاد رکھی گئی تھی اللہ کے فضل وکرم سے اس میں سو فیصد کامیابی حاصل ہوئی اور تھوڑے ہی عرصہ میں اسے ہند وبیرون ہند میں غیر معمولی شہرت ومقبولیت حاصل ہوئی اور وہ ہندوستانی علماء وفقہاء کا متحدہ علمی پلیٹ فارم اور شرعی تحقیقات کا نہایت متحرک اور فعال ادارہ بن گیا، اب تک اس اکیڈمی کے تیرہ فقہی سیمینار ملک کے مختلف شہروں اور مرکزی مدارس میں ہو چکے ہیں، جن میں تقریباً چالیس اہم مسائل پر ریسرچ وتحقیق کا کام ہوا ہے اور اکثر مسائل میں اتفاق رائے سے فیصلے صادر ہوئے ہیں، ان سیمیناروں میں نہ صرف برصغیر ہند وپاک اور بنگلہ دیش کے علماء وارباب افتاء شریک ہوئے بلکہ بیرونی ممالک میں سعودی عرب، مصر، کویت، شام، عراق، قطر، لندن اور امریکہ وغیرہ سے ارباب تحقیق علماء نے شریک ہو کر اپنی تحقیقات پیش کیں، اور جو تحقیقی مقالات نہایت عرق ریزی سے مرتب کر کے

مختلف اہم مسائل پر پیش کیے گئے ہیں اور سیمینار کے دوران ان پر جو مباحثے اور مناقشے ہوئے ہیں اور جو تجاویز پاس ہوئی ہیں ان میں اکثر کی طباعت ہو چکی ہے اور وہ مطبوعہ شکل میں دستیاب ہیں جو ان موضوعات پر کام کرنے والوں کے لئے قیمتی مواد فراہم کرتے ہیں اور امت کے لئے عظیم الشان فقہی سرمایہ ہیں۔

اس سلسلے میں جو دوسرا اہم کام انجام پایا وہ پھلواری شریف پٹنہ میں المعہد العالی کا قیام ہے، اس معہد کا قیام امارت شرعیہ کے ماتحت ہوا اور وہی اس کی نگراں اور سرپرست ہے، لیکن اس کے اصل محرک اور بانی حضرت قاضی صاحبؒ ہی ہیں۔

امارت شرعیہ اور اس کی فقہی خدمات

امارت شرعیہ ہندوستانی مسلمانوں کی منفرد اور بے مثال دینی تنظیم ہے، جس نے مسلم معاشرے میں شرعی قوانین کے نفاذ، مصالح مسلمین کے تحفظ اور انسانیت کی خدمت کو روز اول سے اپنا نصب العین بنایا ہے اور مسلمانوں کے عائلی معاملات و مقدمات کا شریعت کی بنیاد پر فیصلہ کرنے کے لئے صوبہ اور بیرون صوبہ میں مختلف مقامات پر دار القضاء قائم کئے ہیں، امارت شرعیہ کا مرکزی دار القضاء اسی سال سے مسلم پرسنل لاء سے متعلق مقدمات کا فیصلہ کتاب وسنت کی روشنی میں کر رہا ہے اور شمالی مشرقی ہند کے تین صوبوں (بہار، اڑیسہ، جھارکھنڈ) میں اس کی پینتیس شاخیں کام کر رہی ہیں۔ اللہ کے فضل وکرم سے امارت شرعیہ کی کوششیں اس میدان میں خاص طور پر بہت زیادہ کامیاب ہوئی ہیں اور شرعی دار القضاء کا نظام ملک میں دن بدن وسعت اختیار کر رہا ہے، ان تین صوبوں کے علاوہ بنگال، آسام، مہاراشٹر، کرناٹک، آندھرا پردیش اور یوپی کے مختلف مرکزی مقامات میں دار القضاء قائم ہو چکے ہیں، جہاں شریعت کی بنیاد پر مسلمانوں کے عائلی مقدمات کا فیصلہ ہوتا ہے، بہر حال دار القضاء امارت شرعیہ کا سب سے اہم اور بنیادی شعبہ ہے، مرکزی دار القضاء سے اب تک ...... مقدمات کے فیصلے ہو چکے ہیں۔

اسی طرح اس کا دوسرا اہم شعبہ دار الافتاء ہے جو شرعی امور ومعاملات میں مسلمانوں

کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیتا ہے اوران کے فقہی سوالات کا جواب دیتا ہے اس سے اب تک پانچ لاکھ سے زائد فتاویٰ صادر ہوچکے ہیں، الحمد للہ ان میں اہم فتاویٰ کی ترتیب وتدوین کا کام جاری ہے اوراب تک اس کی دوضخیم جلدیں شائع ہوچکی ہیں۔

ظاہر ہے کہ ان دونوں فریضوں کو انجام دینے کے لئے فقہ اسلامی میں مہارت اور بصیرت ضروری ہے، اس لئے امارت شرعیہ کو شروع سے اکابر علماء وفقہاء اورارباب افتاء وقضاء کی خدمات حاصل رہی ہیں، امارت شرعیہ کے بانی مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد رحمۃ اللہ علیہ خود ایک بڑے فقیہ النفس عالم تھے، وہ جب مدرسہ سبحانیہ الہ آباد سے تدریسی وفتویٰ نویسی کی خدمات سے سبکدوش ہوکر اپنے وطن بہار تشریف لارہے تھے تو وہاں کے اہل علم کا تأثر یہ تھا کہ آج الہ آباد سے علم فقہ رخصت ہورہا ہے، فقہ وفتاویٰ اورامور قضاء میں انہیں کمال حاصل تھا، ان کے قیمتی فتاویٰ کا ایک مجموعہ زیور طبع سے آراستہ ہوکر چند سال قبل منظر عام پر آچکا ہے اوراہل علم سے خراج تحسین حاصل کرچکا ہے، اسی طرح انہوں نے امارت کے دارالقضاء میں جن اہم مقدمات کے فیصلے کئے ہیں وہ تاریخی اہمیت کے حامل ہیں اور خود حضرت قاضی صاحبؒ نے اپنے آخری دور میں اپنے قیمتی مقدمہ اور تحقیق کے ساتھ ان کا ایک مجموعہ ''قضایا سجادؒ'' کے نام سے امارت شرعیہ کی طرف سے شائع کیا ہے۔ بانی امارت کے رفقاء میں امارت شرعیہ کے پہلے قاضی مولانا نورالحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے جنہیں فن قضاء میں اختصاص کا درجہ حاصل تھا، انہوں نے دارالقضاء کے نظام کو ایسا منظم اور مستحکم رکھا کہ حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بار یہاں کے نظام قضاء کو ملاحظہ فرمایا تو کہنے لگے کہ کون کہہ سکتا ہے کہ اگر آج اسلامی حکومت ہوتی تو اس سے بہتر اور مرتب نظام عدالت ہوتا۔ (اسلامی عدالت ص: ۴۷)

حضرت مولانا محمد سجادؒ کے تلامذہ میں حضرت مولانا عبدالصمد صاحب رحمانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو علمی وفقہی لحاظ سے صحیح معنوں میں بانی امارت کے جانشین تھے، وہ امارت

کے کلیدی عہدوں پر فائز ہونے کے ساتھ ایک طویل عرصہ تک فتویٰ نویسی کی خدمت انجام دیتے رہے، فتاویٰ کے علاوہ ''مسئلہ امارت اور ہندوستان''، کتاب العشر والزکاۃ، کتاب الفسخ والتفریق جیسی متعدد اہم کتابیں ان کی فقہی بصیرت کی آئینہ دار ہیں۔

اسی طرح امیر شریعت رابع حضرت مولانا سید شاہ منت اللہ رحمانی رحمۃ اللہ علیہ بھی بانی امارت کے تربیت یافتہ تھے، فقہ اسلامی پر ان کی گہری نظر تھی، ان کے فتاویٰ کا بھی ایک قیمتی مجموعہ محفوظ ہے، اس کے علاوہ مسلم پرسنل لاء کے موضوع پر ان کے متعدد اہم رسائل ہیں جن کے مطالعہ سے ان کی فقہی بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے۔

امارت شرعیہ کے دوسرے قاضی حضرت مولانا شاہ عون احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ بھی ایک بڑے فقیہ اور قاضی و مفتی تھے، قاضی نور الحسن صاحب کے انتقال کے بعد دار القضاء کے نظام کو سنبھالا اور اس نازک ذمہ داری کو بحسن وخوبی انجام دیا، بہت سے مقدمات کے فیصلے کئے، بہت سے قضاۃ کی تربیت فرمائی، ان کے تربیت یافتہ افراد آج بھی دار القضاء کی ذیلی شاخوں میں قضاء کی خدمت انجام دے رہے ہیں، قضاء کے علاوہ ان کی متعدد تصانیف ہیں اور ان کے فتاویٰ کا بھی ایک معتدبہ ذخیرہ محفوظ ہے۔

اسی طرح دیگر ارباب افتاء میں مفتی محمد عثمان صاحب، مفتی عباس صاحب، مفتی محمد یحییٰ صاحب، مفتی صدر عالم صاحب، مفتی نعمت اللہ صاحب وغیرہ ہیں جنہوں نے مختلف اوقات میں فتویٰ نویسی کی خدمت انجام دی ہے، فتاویٰ امارت شرعیہ کی دوسری جلد ان ہی حضرات کے فتاویٰ پر مشتمل ہے۔

اور حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو تو اس میدان میں غیر معمولی شہرت ومقبولیت حاصل ہوئی، ارباب علم نے انہیں ''فقیہ العصر اور افقہ علماء الہند'' کا خطاب دیا، بڑے بڑے عرب علماء نے ان کی عظمت، تفقہ اور تبحر علمی کا اعتراف کیا، وہ نہ صرف دار القضاء کے قاضی القضاۃ تھے بلکہ افتاء وقضاء کے تمام امور کے ذمہ دار اور سرپرست تھے، ان کے علاوہ اس وقت یہاں دار القضاء، دار الافتاء اور معہد عالی میں علماء وفضلاء اور

اصحاب افتاء وقضاء کی ایک پوری جماعت کام کررہی ہے۔

امارت شرعیہ کے تحت افتاء وقضاء کی تربیت کا کام

افتاء وقضاء کی تربیت کا کام بھی یہاں شروع سے جاری ہے، مدارس سے فارغ ہونے والے علماء یہاں افتاء وقضاء کی تربیت پاتے رہے ہیں اور حسب ضرورت انہیں امارت شرعیہ کے دار القضاء کی ذیلی شاخوں میں قاضی بنایا گیا ہے، باہر کے صوبوں میں جہاں دار القضاء کا نظام ہے بوقت ضرورت انہیں وہاں بھی بھیجا گیا ہے، اس کے تربیت یافتہ علماء اور مفتی وقاضی ملک کے مختلف مقامات میں تدریس کے علاوہ افتاء وقضاء کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ المعہد العالی کے قیام سے قبل بھی تربیت افتاء وقضاء کا شعبہ کام کررہا تھا، جس میں افتاء وقضاء کے لئے الگ الگ داخلے شوال میں ہوتے تھے، اس وقت کا نصاب صرف ایک سال کا تھا، کتابیں دونوں درجات کے طلبہ کو ایک ساتھ پڑھائی جاتی تھیں، تعلیم کے بعد عملی مشق وتربیت کے لئے دار القضاء کے طلبہ دار القضاء اور دار الافتاء کے طلبہ دار الافتاء چلے جاتے تھے، سال میں دوبار امتحان بھی ہوا کرتا تھا، یہ عاجز اس وقت اس شعبہ میں مستقل طور پر تنہا مدرس تھا، باقی دار الافتاء ودار القضاء کے علماء پڑھاتے اور تربیت دیتے تھے، افتاء والوں کو صرف افتاء کی سند اور قضاء والوں کو صرف قضاء کی سند دی جاتی تھی، جو حضرات دونوں کورس کی تکمیل کرتے انہیں دونوں کی سند علیحدہ علیحدہ دی جاتی تھی، البتہ تربیت پانے والوں کی تعداد اتنی نہیں تھی، المعہد کے قیام سے قبل والے سال میں بیس علماء زیر تربیت تھے، چار قضاء میں اور باقی افتاء میں۔

المعہد العالی کا قیام

تخصص فی الفقہ اور تربیت افتاء وقضاء کے اس نظام کو مزید وسعت دینے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ امارت شرعیہ کی کوششوں سے ایک طرف ملک کے بعض دوسرے صوبوں میں بھی امارت اور نظام قضاء قائم ہوا تو ان مقامات میں بھی تربیت یافتہ قضاۃ کی ضرورت پیش آئی، دوسری طرف آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ (جو مسلمانان ہند

کا سب سے باوقار ادارہ ہے اور جس میں تمام مسلم جماعتوں، تنظیموں اور اداروں کی نمائندگی ہے) نے بھی نظام قضاء کے قیام واستحکام کو اپنا نشانہ بنایا کہ یہ مسلم معاشرہ میں قانون شریعت کی تنفیذ اور اس کے تحفظ کی سب سے مؤثر عملی تدبیر ہے، چنانچہ بورڈ نے اپنے گیارہویں اجلاس منعقدہ جے پور میں حضرت قاضی شریعت کی تجویز پر یہ فیصلہ کیا کہ ان تمام مرکزی شہروں اور علاقوں میں جہاں مسلمانوں کی اچھی آبادی ہے اور وہاں دار القضاء نہیں ہے وہاں بورڈ کی نگرانی میں دار القضاء کا نظام قائم کیا جائے تاکہ مسلمانوں کے عائلی مقدمات کا فیصلہ شریعت مطہرہ کی روشنی میں ہو سکے۔ ظاہر ہے کہ دار القضاء کے قیام کے لئے تربیت یافتہ قضاۃ کی ضرورت تھی، اس لئے بورڈ کے ذمہ داروں خصوصاً اس کے صدر مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے تربیت قضاۃ کی ذمہ داری قاضی شریعت حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ پر ڈالی جو برصغیر میں اس فن کے سب سے بڑے ماہر تھے، حضرت قاضی شریعت نے موجودہ امیر شریعت حضرت مولانا سید نظام الدین صاحب دامت برکاتہم سے مشورہ کر کے یہ فیصلہ فرمایا کہ یہ اہم کام امارت شرعیہ کی نگرانی میں انجام پائے جس کے پاس اس سلسلے کا اسّی سالہ تجربہ ہے اور جو ہندوستان میں نظام قضاء کا سب سے بڑا مرکز ہے، اور یہ طے فرمایا کہ یہاں جو تربیت افتاء وقضاء کا شعبہ کام کر رہا ہے اس کے دائرہ کو مزید وسیع کر کے "المعهد العالي للتدريب في القضاء والافتاء" کے نام سے مستقل ادارہ قائم کیا جائے، اور مدارس کے نوجوان فضلاء کو فقہ اسلامی میں ریسرچ کرا کر اور قضاء وافتاء کی عملی تربیت دے کر اس عظیم خدمت کے لئے تیار کیا جائے، تاکہ بڑی تعداد میں اور زیادہ وسیع پیمانے پر قضاۃ کی تربیت کا کام انجام پا سکے، اس کے بغیر تربیت یافتہ قضاۃ کی بڑھتی ہوئی ضرورت اور پورے ملک کے مطالبہ کو پورا کرنا ممکن نہیں، حضرت قاضی شریعت معہد کے نصاب تعلیم کے پیش لفظ میں تحریر فرماتے ہیں:

"المعہد میں داخل ہونے والے فضلاء کی دو سالہ تعلیم کے دوران نہ صرف یہ کہ انہیں جدید مسائل کی تخریج اور پیش آمدہ مسائل کے حل وفتویٰ نویسی کی تربیت دی جاتی ہے، بلکہ

مختلف علمی وفقہی موضوعات پر تحقیق بھی کرائی جاتی ہے، اور اس کے ساتھ ہی اسلام کے عدالتی نظام کے عملی طریقوں سے واقفیت کرانے کے ساتھ ساتھ قضاء کے مختلف مسائل کی نظری تعلیم اور عملی تربیت بھی دی جاتی ہے، امارت شرعیہ کا نظامِ قضاء انتہائی مربوط ومنظم اور وسیع بنیادوں پر قائم ہے جہاں روزانہ نئے مقدمات کی سماعت اور فیصلے ہوتے ہیں اور اس کے پاس شرعی فیصلوں کا ۸۰/سالہ عظیم الشان فقہی ذخیرہ بھی محفوظ ہے جس سے یہ فضلاء فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اس طرح یہ کہنا حق بجانب ہے کہ فقہ اسلامی میں تخصص اور قضاء وافتاء پر عبور حاصل کرنے کے لئے امارت شرعیہ صحیح ترین جگہ ہے اور امید کی جاتی ہے کہ یہاں سے تربیت پاکر نکلنے والے علماء سے پورے ملک میں قانون شریعت کے تحفظ اور عائلی نزاعات کے حل کے لئے قائم ہونے والے دارالقضاء کی ایک اہم ضرورت پوری ہوگی اور وہ امورِ قضاء کو انجام دینے کے لائق ہوں گے، ساتھ ہی ملک کے مختلف دارالافتاء میں فتویٰ کی ذمہ داریاں بھی نبھائیں گے اور مدارس میں بہترین اساتذہ کی شکل میں خدمت بھی انجام دیں گے اور قانونِ اسلامی کو ایک زندہ قانون کی حیثیت میں آج کے حالات میں پیش کرنے کے لائق ہوں گے"۔ (ص:۳،۴)

اس طرح ۱۴۱۸ھ مطابق ۱۹۹۸ء کو مستقل ادارہ کی شکل میں المعہد العالی کا قیام عمل میں آیا، امارت شرعیہ کی مرکزی بلڈنگ سے متصل ایک وسیع رقبہ اراضی پر معہد کی بلڈنگ کی تعمیر کا کام شروع ہوا، شوال ۱۴۱۸ھ سے باقاعدہ تعلیم کا آغاز ہوا، پہلے سال تعلیم کرایہ کے مکان میں ہوتی رہی اور اس عاجز کے علاوہ مزید جو جید اساتذہ جناب مولانا بدر احمد مجیبی ندوی اور جناب مولانا محمد عاصم صاحب مقرر کئے گئے، انگلش وغیرہ کی تعلیم کے لئے جناب ماسٹر شمیم افضل صاحب کا تقرر ہوا، سال بھر میں شاندار تین منزلہ بلڈنگ بن کر تیار ہوگئی، اور اس کے بعد سے باقاعدہ اس بلڈنگ میں تعلیم ہورہی ہے، نیچے کی بلڈنگ میں لائبریری، آفس اور درس گاہیں ہیں اور دوسری منزل میں طلبہ کی رہائش اور ڈائنگ ہال ہے، تیسری منزل مکمل سیمینار ہال ہے، جس میں معہد کے علاوہ امارت شرعیہ کے بڑے

اجتماعات اور سیمینار وغیرہ ہوتے ہیں، اسلامک فقہ اکیڈمی کا گیارہواں فقہی سیمینار اور بانی امارت حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ کی حیات وخدمات پر بھی سیمینار اسی ہال میں ہوا اس معہد کے لئے دوسالہ نصاب تعلیم ملک کے مشاہیر علماء وارباب افتاء کے مشورہ سے مرتب کیا گیا ہے، اس معہد کے اغراض ومقاصد خود بانی کے الفاظ میں درج ذیل ہیں:۔

"غرض کہ یہ سلف کی وراثت خلف کی طرف منتقل کرنا وقت کی بہت بڑی ضرورت ہے، آج جو قحط الرجال نظر آتا ہے، اس کی بڑی وجہ یہی ہے کہ بزرگ گزرتے گئے اور نئی نسل میں ان کی وراثت منتقل نہیں ہوئی، نتیجہ یہ ہے کہ ہر میدان میں ایسا خلا پیدا ہوا کہ اس کا پُر ہونا مشکل ہے اور شاید علم اور فضل وکمال سینوں سے سلب نہیں کیے جاتے ہیں، بلکہ اہل علم اور اصحاب فضل وکمال کے اپنی وراثت منتقل کئے بغیر گزر جانے سے علم وفضل کا انحطاط ہوتا ہے۔ اس کی طرف اشارہ خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "ولکن یقبض العلم بقبض العلماء" میں اشارہ فرمایا ہے۔

بہرحال اس دور کا ایک اہم ترین کام یہ ہے کہ جدید نسل کے ہونہار نوجوانوں کو تربیت دے کر حال اور ماضی کے اصحاب فضل وکمال کا وارث بنایا جائے، یہ وہ فکر ہے جو اول یوم سے ہم لوگوں کے سامنے رہی ہے، اولاً غیر رسمی طور پر ملک کے مختلف مقامات پر تربیتی کیمپ کا انعقاد اور دوسرے دار القضاء اور دار الافتاء میں نوجوان باصلاحیت فضلاء کو رکھ کر انہیں علمی، نظری وفکری اور عملی تربیت دینے کا نظام عرصہ سے جاری ہے۔

اللہ کا شکر ہے کہ یہی تصور "المعہد العالی للتدریب فی القضاء والافتاء پھلواری شریف پٹنہ" کی تأسیس کا باعث بنا، اس کا مقصد فقہ کے بحر ناپیدا کنار کی شناوری، اصول استنباط، قواعد وضوابط فقہیہ، مقاصد شریعت، مناہج استنباط اور اصول ترجیح اور جدید حالات میں احکام شرعیہ کی تطبیق، نیز جدید نظامہائے قانون اور اسلامی قانون کا تقابلی مطالعہ ہے، تاکہ ہمارے فضلاء اس عہد کے چیلنجز کا سامنا کرنے کے اہل ہوں اور عہد حاضر کے سوالات حل کرنے کے لائق ہوسکیں"۔ (تعارف ونصاب تعلیم المعہد العالی ص: ۲،۳)۔

درس کے مضامین

المعہد میں جن موضوعات ومضامین کی خصوصی تعلیم ہوتی ہے وہ درج ذیل ہیں:

فقہ، اصول فقہ، قواعد الفقہ، تاریخ تدوین فقہ اسلامی، اصول افتاء، فرائض، مقاصد شریعت، چاروں فقہی مذاہب کا تقابلی مطالعہ، آیات احکام، احادیث احکام، آداب القضاء، افتاء وقضاء کی عملی مشق، ماہرارباب افتاء وقضاء کی نگرانی میں عصری قوانین اور ملکی قوانین کا مطالعہ، انگلش کی تعلیم ایک زندہ زبان کی حیثیت سے، بحث وتحقیق کا منہج اور طریقہ کار، عصری علوم اور اسلامی علوم کے ماہرین سے مختلف علمی وفقہی وتحقیقی موضوعات پر لکچرس دلوائے جاتے ہیں، دوسرے سال میں کمپیوٹر کی تعلیم دی جاتی ہے۔

داخلہ کے شرائط

۱- امیدوار نے کسی ممتاز دینی مدرسہ سے فضیلت یا عالمیت کی سند اچھے درجہ میں حاصل کی ہو۔

۲- داخلہ انٹرویو اور تحریری امتحان کے بعد ہوتا ہے۔

۳- ہر طالب علم کے لئے دو سال کی تکمیل ضروری ہے اس کے بغیر معہد کی طرف سے سند نہیں دی جاتی ہے۔

۴- امیدوار جس ادارہ کا فاضل ہے اس سے حسن سیرت واخلاق کی سند بھی ساتھ لائے۔

طلبہ کے لئے سہولتیں

۱- ہر طالب علم کو طعام، رہائش گاہ اور دیگر ضروریات مفت فراہم کی جاتی ہیں۔

۲- سال اول کے ہر طالب علم کو طعام وقیام کے علاوہ چار سو روپئے اور سال دوم کے ہر طالب علم کو چھ سو روپئے ماہانہ وظیفہ دیا جاتا ہے۔

فقہی سیمنار

طلبہ میں علم وتحقیق اور فقہی ذوق پیدا کرنے کے لئے ہر دو ماہ پر ایک فقہی سیمینار

منعقد کیا جاتا ہے، جس کا طریقہ یہ ہے کہ اساتذہ کسی اہم فقہی موضوع پر سوالات مرتب کر کے طلبہ میں تقسیم کر دیتے ہیں اور وہ اساتذہ کی نگرانی میں تحقیقی مقالہ تیار کرتے ہیں، پھر سیمینار ہوتا ہے جس میں وہ اپنے اپنے مقالات پڑھتے ہیں، پھر اختلافی پہلوؤں پر بحث ومناقشہ ہوتا ہے اس کے بعد تجاویز مرتب کرتے ہیں۔ یہ سب کام اساتذۂ معہد کی نگرانی میں انجام پاتا ہے۔

بزم سجاد

معہد کے طلبہ کو تقریر وتحریر کی مشق کرانے کے لئے ''بزم سجاد'' کے نام سے ایک انجمن قائم کی گئی ہے جس کا ہر ہفتہ تقریری وتحریری پروگرام ہوتا ہے، ہر جمعرات کو بعد نماز مغرب مجلس منعقد ہوتی ہے اور عشاء تک جاری رہتی ہے، دونوں سال کے طلبہ دو دو گروپ میں تقسیم کر دئے جاتے ہیں، اس طرح ان کی چار مجلس چار مقابات پر ہوتی ہے، ہر مجلس کی نگرانی اساتذۂ معہد کرتے ہیں، ہر ماہ کے پہلے دو ہفتوں میں اردو میں تقریر ہوتی ہے، تیسرے ہفتہ میں عربی میں تقریر ہوتی ہے، اور چوتھے ہفتہ میں مختلف علمی اور اصلاحی موضوعات پر مختصر مقالات طلبہ پیش کرتے ہیں۔

اس انجمن کی طرف سے چار دیواری پرچے شائع ہوتے ہیں، دو سال اول سے، عربی میں ''المجاہد'' کے نام سے اور اردو میں ''القائد'' کے نام سے۔ اور سال دوم سے عربی میں ''الفضیلۃ'' کے نام سے اور اردو میں ''شمع معہد'' کے نام سے۔ جن میں طلبہ عربی اور اردو میں مضمون نگاری کی مشق کرتے ہیں، اور یہ سب کام اساتذہ معہد کی نگرانی میں انجام پاتا ہے۔

عملی مشق

اس معہد کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں افتاء وقضاء کی عملی مشق کرائی جاتی ہے افتاء کی مشق وتربیت کے لئے تو ملک کے دوسرے مرکزی مدارس میں بھی تخصص فی الافتاء کے شعبے قائم ہیں، لیکن ان میں قضاء کی تربیت کا شعبہ نہیں ہے، اس لحاظ سے

امارت شرعیہ پورے ملک کے دینی اداروں میں منفرد ہے کہ اس کے معہد میں قضاء کی تربیت بھی دی جاتی ہے۔اور ہر سال تقریباً ۲۵؍قاضی ومفتی تیار ہوتے ہیں۔

دونوں سال کے طلبہ دو گروپ میں تقسیم کردئے گئے ہیں۔سال اول میں پہلا وقت جو صبح سے ظہر تک کا ہے اس میں معہد کی درس گاہ میں نصابی کتابوں کی تعلیم ہوتی ہے اور ظہر بعد کے دو گھنٹے قضاء وافتاء کی عملی مشق کے لئے ہیں،اور سال دوم میں صبح سے دس بجے تک درس گاہ میں تعلیم ہوتی ہے،اس کے بعد دس سے ایک بجے تک تین گھنٹے روزانہ افتاء وقضاء کی عملی مشق کے لئے ہیں۔سال اول کے طلبہ کا ایک گروپ ظہر کے بعد ایک ہفتہ دارالقضاء میں امور قضاء کی تربیت پاتا ہے اور دوسرا گروپ دارالافتاء میں فتویٰ نویسی کی مشق کرتا ہے۔سوالات کبھی کبھی لکھائے جاتے ہیں اور کبھی آئے ہوئے استفتاء کا جواب لکھوایا جاتا ہے۔پھر اگلے ہفتہ میں ترتیب بدل دی جاتی ہے، پہلا گروپ دارالافتاء اور دوسرا گروپ دارالقضاء جاتا ہے۔اور سال دوم میں بھی دس بجے درس سے فارغ ہوکر ایک گروپ دارالقضاء اور دوسرا گروپ دارالافتاء جاتا ہے، پھر اگلے ہفتہ میں باری تبدیلی ہوجاتی ہے، دارالقضاء میں روزانہ مقدمات کی سماعت ہوتی ہے، فریقین کا بیان سنا اور لکھا جاتا ہے، گواہوں سے بیان لیا جاتا ہے اور جرح ونقد ہوتا ہے، پھر فیصلہ لکھا جاتا ہے، طلبہ کو مقدمات کی سماعت اور فیصلہ لکھنے میں شریک رکھ کر فیصلہ کی عملی مشق کرائی جاتی ہے۔

دونوں سالوں میں سے ہر سال ڈیڑھ ڈیڑھ سو فتاویٰ کا جواب لکھنا ہر طالب علم کے لئے ضروری ہے، اس طرح دو سالوں میں تین تین سو فتاویٰ کا جواب لکھنا ہر فاضل کے لئے ضروری ہے۔

اور قضاء میں پہلے سال ابتدائی کارروائی، مقدمات کی سماعت اور دوسرے سال میں ایسی سو مسلوں کا مطالعہ جس میں فیصلہ لکھا گیا ہے، نیز ان کی تلخیص تیار کرنا اور فیصلہ لکھنے کی مشق کرنا۔سال دوم میں بعد نماز ظہر کمپیوٹر کی تعلیم دی جاتی ہے۔

سال دوم کی تکمیل پر ضروری ہے کہ کسی اہم فقہی موضوع پر کم سے کم سو صفحات پر مشتمل مقالہ یا کسی مخطوطہ کے ۲۵ صفحات پر تحقیق کا کام کیا جائے، اس کے بغیر سند نہیں ملتی۔

اسی طرح اسلامک فقہ اکیڈمی کی طرف سے سالانہ فقہی سیمینار کے لئے جو موضوعات متعین کئے جاتے ہیں ان پر بھی طلبہ سے مقالات تیار کرائے جاتے ہیں اور منتخب طلبہ کی سیمینار میں شرکت ہوتی ہے۔

محاضرات:

اسلامی وعصری علوم کے ماہرین و متخصصین سے مختلف علمی و فقہی اور عصری موضوعات پر محاضرات دلوائے جاتے ہیں، جس میں ملک کے علاوہ بیرون ملک کے اسکالر اور فضلاء شامل ہیں، اب تک درج ذیل اہل علم سے درج ذیل موضوعات پر لکچرس دلوائے گئے ہیں:

۱- قاضی شریعت حضرت مولانا مجاہد الاسلام قاسمیؒ سابق صدر المعہد العالی	۱- اصول فقہ ۲- قواعد الفقہ
۲- مولانا جسٹس محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی جسٹس سپریم کورٹ پاکستان، نائب صدر اسلامک فقہ اکیڈمی، جدہ	۳- غیر سودی بینکنگ
۳- مولانا عتیق احمد قاسمی استاذ حدیث وفقہ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ	۴- عرف وعادت
۴- مفتی عبید اللہ اسعدی استاذ حدیث وفقہ جامعہ عربیہ ہتھورا باندہ، یوپی	۵- ضرورت وحاجت
۵- مفتی سعید احمد پالنپوری استاذ حدیث وافتاء دار العلوم دیوبند	۶- مصادر شرع اسلامی
۶- ڈاکٹر نور الدین مختار خادمی کلیۃ الشریعۃ جامعۃ الامام محمد بن سعود ریاض	۷- مقاصد شرع اسلامی
۷- ڈاکٹر محمد رواس قلعہ جی استاذ کلیۃ الشریعۃ کویت یونیورسٹی	۸- مخطوطات کی تحقیق کے اصول ۹- بحث تیار کرنے کا طریقہ

۸- ڈاکٹر محمد محروس المدرس
مدرس العلوم الشرعية في المدرسة القضائية الدينية بالعراق

۱۰- اجتہاد و کیفیتِ اجتہاد
۱۱- نئے مسائل کا حل دریافت کرنے کا طریقہ
۱۲- آداب قضاء
۱۳- آداب افتاء، شرائط و متعلقات
۱۴- آیت...... اور اس سے متعلق احکام

حضرت قاضی صاحب "معہد" کے اساتذہ و طلبہ کی علمی رہنمائی فرماتے رہتے تھے اور امارت شرعیہ کے زمانۂ قیام میں وقتاً فوقتاً دروس و محاضرات کا اہتمام فرماتے تھے۔

امتحانات

معہد کی طرف سے سال میں دو مرتبہ امتحان لیا جاتا ہے، ششماہی امتحان ربیع الثانی کے پہلے ہفتہ میں اور سالانہ امتحان شعبان کے تیسرے ہفتہ میں۔ سال اول کے جو طلبہ سالانہ امتحان میں کامیاب ہوتے ہیں انہیں سال دوم میں داخل کیا جاتا ہے اور سال دوم میں کامیاب ہونے والے طلبہ کو تخصص فی القضاء والافتاء کی سند دی جاتی ہے۔

معہد کے فارغین اور ان کی سرگرمیاں

اللہ کے فضل و کرم سے معہد سے ہر سال فقہ اسلامی اور امور قضاء و افتاء کے متخصص تقریباً ۲۵ رفضلاء تیار ہوتے ہیں، جنہیں ملک کے کسی دار القضاء میں قاضی کے منصب پر فائز کیا جاتا ہے، یا مدارس میں تدریس و افتاء، وغیرہ کی خدمت پر مامور کیا جاتا ہے، اس کے علاوہ مساجد میں امامت و خطابت، تبلیغ و دعوت اور دوسری دینی خدمات انجام دیتے ہیں، الحمد للہ معہد کے ذریعہ بڑی اہم خدمات انجام پا رہی ہیں، اور دینی خدمت کے مختلف میدانوں میں رجال کار تیار ہو رہے ہیں، اللہ اس کی خدمات کو قبول فرمائے، مزید ترقیات سے نوازے، اور اس کے بانی کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور امت مسلمہ کو غیب سے ان کا بدل عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین

☆☆☆

دلوں کو فتح کرنے والا بے باک خطیب

از:-مولانا محمد اسجد قاسمی ندوی　　استاذ دارالعلوم الاسلامیہ بستی

اف ۴/اپریل ۲۰۰۲ء کی وہ شام جو حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحب نور اللہ مرقدہ کی شام زندگی اور صبح دوامِ زندگی بن کر طلوع ہوئی...... جس نے سنا دل پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ گیا، ایک سناٹا سا چھا گیا، طوفانِ حوادث میں بھی ہمہ دم ضوفشاں شمع گل اور خموش ہوگئی۔ ؎

داغِ فراقِ صحبت شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

حضرت قاضی صاحب کی جامع کمالات شخصیت کی حیات کا ہر پہلو قابل صد رشک وفخر ہے، اور ؏ سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ چھیڑیں داستاں کیسے

کس کا ذکر کیا جائے اور کسے چھوڑا جائے، ہر گوشہ بے پناہ کشش رکھتا ہے اور بزبان حال کہتا ہے کہ جا ایں جا است۔

عظمتیں متنوع ہوتی ہیں، کچھ عظمتیں مانگے ہوئے مستعار کپڑوں اور سامانوں کی طرح آتی اور چلی جاتی ہیں، مگر کچھ عظمتیں اتنی پائیدار اور جاوداں ہوتی ہیں کہ وہ کبھی فنا نہیں ہوتیں، قلب ونظر کی عظمت، لافانی کارناموں اور بے مثال خدمات کی عظمت ہمیشہ تر وتازہ اور باقی رہتی ہے۔ وہ کبھی کہنہ اور فنا نہیں ہوتی۔

تفقہ، علمی بصیرت اور گیرائی، جوش خطابت، وفورِ معلومات، شوخی گفتار وگرمی

رفتار، علمی انہماک وشغف، جاں سوزی، تحریر وتصنیف، تحقیق وتدقیق اور نہ جانے کتنی عظمتیں اور کمالات ان کی ہشت پہل شخصیت میں قسام ازل اور فاطرِ ہستی نے جمع کردیئے تھے اور بقول عربی شاعر ؎

ولولا بدائع صنع اللّٰه ما نبتت
تلك الفضائل فی لحم ولا عصب

حضرت قاضی صاحب کی بافیض زندگی کا ایک بے حد اہم گوشہ ان کی خطیبانہ شان تھی، حدیثِ نبوی "إنّ من البیان لسحراً" (بے شک تقریر وبیان میں سحر انگیزی ہے) میں کلام وبیان کی تاثیر کا کھل کا ذکر فرمایا گیا ہے، اور اسی کا اعتراف کرتے ہوئے امیر المؤمنین ابن المعتز (متوفی ۲۹۶ھ) نے کہا ہے:

"البیان ترجمان القلوب، وصیقل العقول، ومجلی الشبهة، وموجب الحجة، والحاکم عند اختصام الظنون؛ والمفرق بین الشك والیقین، وخیر البیان ماکان مصرحا عن المعنی یسرع إلی الفهم تلقیه أو موجزاً لیخف علی الحفظ تعاطیه"

(یعنی کلام دلوں کا نمائندہ اور ترجمان ہے اور عقلوں کے زنگ کو دور کرنے والا ہے۔ اسی سے شبہات کا ازالہ اور دلائل کا اثبات ہوتا ہے۔ جب ذہن وخیال کی دنیا میں ہلچل پیدا ہوتی ہے اور متضاد قسم کے اوہام وخیالات ایک دوسرے سے ٹکرانے لگتے ہیں تو بیان ان کے درمیان فیصلہ کرتا ہے، بیان ہی ہے جس کے ذریعہ شک اور یقین کے درمیان فرق کیا جاتا ہے، بہترین بیان وہ ہے جو واضح ہوتا کہ اس کا مفہوم فوراً سامع کے ذہن نشین ہو جائے اور مختصر ہوتا کہ بآسانی اس کو یاد رکھا جاسکے) (۱)

حضرت قاضی صاحب کو دماغ، دل اور زبان تینوں کی صداقتوں نے خطابت کی فتح مندیاں عطا کی تھیں، اور جو کچھ ایک کامیاب وباثر خطیب کا جوہر ہوتا ہے وہ سب ان کی

ذات میں جمع تھا، ان کی آواز کا جادو اور ان کا صوتی جمال نہ جانے کتنوں کے دل کی دنیا میں ہلچل مچاتا تھا، اظہار وبیان کی تکنیک اور اسلوب اور طرز ورِدش میں وہ منفرد تھے، متانت اور سلاست کا امتزاج اور استدلال وتمثیل کا اجتماع ان کو انفرادیت عطا کرتا تھا۔

ایک خطیب کی سب سے بڑی اور نمایاں کامیابی اپنے افکار اور مشن سے اس کا عشق اور والہانہ تعلق ہوتا ہے اور یہ عشق اگر صادق ہوتا ہے تو خطیب کا صوتی جمال سامعین کے چہروں پر دمک جاتا ہے، بقول شورش ''خطابت میں دماغوں کو منایا نہیں، جیتا جاتا ہے، اور یہ فتح اسی صورت ہی میں حاصل ہوتی ہے کہ جس صداقت سے مقرر کا دل معمور ہے، وہ سامعین کے دلوں میں اتار دی جائے، لوگ بادۂ سخن سے سرشار ہو جائیں اور ان کے چہرے صدا دیتے ہوئے معلوم ہوں کہ

خم لگا دے مرے منہ سے تیرے میخانہ کی خیر

ایک دو جام سے ساقی مرا کیا ہوتا ہے'' (۲)

حضرت قاضی صاحب کی تقریریں دلوں کو اسی طرح جیت لیا کرتی تھیں اور یہی ان کے عشق صادق کی واضح دلیل تھی، ان کے اسلوب میں تنوع بھی تھا اور تمکنت بھی، جو ایک طرف ان کو عطا شدہ وہبی ملکۂ خطابت کا ثبوت تھا تو دوسری طرف ان کے علمی تبحر ورسوخ کی علامت بھی تھا، کبھی ان کی تلخ نوائی ان کے دل میں امت کے درد کے سوا ہونے کا مظہر ہوتی تھی، اور ان کی شعلہ نوائی کا زہر تریاق کا کام کرتا تھا، اور کبھی نسیم صبح کی مانند ان کے دھیمے پن سے ان کے دماغ کی صلابت مترشح ہوتی تھی، وہ اپنی تقریر میں دلوں کو اس طرح ہاتھ میں لے لیا کرتے تھے گویا دل اسی آرزو میں تھے، امیر خسرو کے بقول

ہمہ آہوان صحرا سر خود نہادہ برکف

بہ امید آں کہ روزے بشکار خواہی آمد

خطیب کے لئے سب سے بڑی نعمت اس کی قوت حفظ ہے، وسعت مطالعہ کی افادیت کا راست تعلق قوت حفظ سے ہے، مجھے بخوبی یاد ہے کہ اسلامک فقہ اکیڈمی کے زیر اہتمام تربیتی کیمپس کے پروگرام کے تحت دوسرا تربیتی کیمپ دار العلوم الاسلامیہ بستی میں لگایا گیا، اسی موقعہ پر برجستہ تقریری مقابلہ بھی منعقد ہوا تھا، مجھے اس میں حصہ لینے سے خوف محسوس ہو رہا تھا، حضرت قاضی صاحب نے فرمایا کہ تم کو ضرور حصہ لینا ہے، اور جب عنوان متعین ہو جائے تو فوراً مجھ سے ملنا، میں تمہیں طریقہ بتاؤں گا، مقابلہ کے آغاز سے آدھ گھنٹہ قبل موضوع بتایا گیا، مجھے یاد پڑتا ہے کہ میرا موضوع "استقامت و عزیمت" سے متعلق تھا، حسب الحکم میں حضرت قاضی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا، دس منٹ تک انہوں نے تنہائی میں میرے سامنے تقریر فرمائی جس میں استقامت کا مفہوم، سلف خصوصاً امام احمد بن حنبلؒ کے واقعات وغیرہ کا ذکر فرمایا، ان کا انداز تفہیم اتنا دل نشیں تھا کہ یہ خاکسار ان کی باتوں کو ذہن نشین کر کے ان کی تحریک و تشجیع کی بنیاد پر برجستہ مقابلہ میں شریک ہوا اور غالباً دوسری یا تیسری پوزیشن بھی حاصل کی۔

اور سب سے اہم چیز یہ ہے کہ ایک خطیب کی سیرت اور کردار اس کا سب سے بیش قیمت خزانہ اور سب سے بڑی دولت ہوتا ہے، سیرت کی دولت سے محروم خطیب دل و دماغ پر کوئی نقش نہیں جما سکتا، اور اس کی حیثیت مکانوں کی چوکھٹوں پر صدا دے کر ناکام لوٹنے والے خوش آواز گداگر کی ہوتی ہے۔

حقیقت یہی ہے کہ خطابت کی حیثیت بدن اور جسم کی ہے اور سیرت و کردار اس کے لئے روح کا درجہ رکھتے ہیں، خوبصورت روح ہی سے تندرست بدن باقی رہ سکتا ہے، خطیب کا کردار بے داغ اور سیرت شفاف ہونی چاہئے۔

حضرت قاضی صاحبؒ کی سیرت و کردار کی شفافیت اور پاکیزگی "عیاں راچہ بیاں" کے مصداق ہے، ان کی اس شفافیت کا سب سے بڑا ثبوت ان کا زہد و استغناء تھا، دنیا اور

متاع دنیا سے ان کا بے نیازی و بے زاری کا رویہ زندگی کے آخری دن تک قائم رہا، مال و دولت کے ڈھیر اور انبار ان کے قدموں میں پڑے تھے، دنیا بہت جھک کر ان کے پاس آئی تھی مگر ان کا قلندرانہ انداز اور مؤمنانہ کردار کبھی سرِ مو بھی نہ بدلا، قرآنی اصول ﴿قل متاع الدنیا قلیل والآخرۃ خیر لمن اتقیٰ ولا تظلمون فتیلا﴾ (آپ کہہ دیجئے کہ دنیا کا سرمایۂ زندگی تھوڑا ہے، اور آخرت ایک خدا ترس انسان کے لئے زیادہ بہتر ہے اور تم پر ظلم ایک شمہ برابر بھی نہیں کیا جائے گا) اور ﴿لا تغرنکم الحیاۃ الدنیا ولا یغرنکم باللہ الغرور﴾ (دنیا کی زندگی تمہیں دھوکے میں نہ ڈالے اور نہ وہ بڑا دھوکے باز تمہیں اللہ کے بارے میں دھوکا دینے پائے) ہمیشہ ان کے پیش نظر رہے، اسی لئے جہاں جہاں انہوں نے اپنی بات رکھی وہ تلخ نوائی کے باوجود سنی گئی اور اثر انداز ہوئی۔

واقعہ یہ ہے کہ وہ زہد و تقویٰ کے اعلیٰ ترین مقام پر تھے، پر ان کا زہد حقیقی تھا، دنیا سے بالکل ناآشنا اور اپنی ذات کے حصار میں چکر لگا کر رہ جانے والوں کا زہد نہیں تھا، وہ دنیا سے بخوبی آشنا تھے، ان کا زہد محرومی کا ردعمل نہیں تھا، دل کی پاکیزگی اور قلب و نظر کی شفافیت کا نتیجہ تھا۔

ان کا دوسرا کلیدی امتیاز بے باکی اور جرأت ہے، یہ وہ جنس ہے جو کمیاب نہیں بلکہ اب نایاب ہوتی جا رہی ہے، ملت کو درپیش مسائل میں اصحاب اقتدار اور فرقہ پرست طاقتوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جرأت سے اپنا موقف واضح کر دینا اور انہیں خاموش ولاجواب کر دینا ان کا امتیازی خاصہ تھا، بیماریوں، کمزوریوں اور جسمانی تکلیفوں کے باوجود ع کس قدر بے باک روح اس ناتواں پیکر میں تھی

مسلم پرسنل لاء بورڈ کے پلیٹ فارم سے بارہا ان کی جرأت و بے باکی کے مظاہر اور مناظر سب کے سامنے آتے رہے، انھیں کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

شورش کاشمیری نے لکھا ہے کہ ''ایک خطیب کے بنیادی اوصاف یہ ہیں: ۱- بے ریا کردار۔ ۲- شخصی عظمت۔ ۳- بلند نصب العین۔ ۴- اخلاص فی العمل ۵- صداقت شعاری۔ ۶- وجاہت ذاتی۔ ۷- معلوماتی ذہن۔ ۸- نستعلیق اشارات۔ ۹- طلاقت لسانی۔ ۱۰- بے عیب آواز۔ ۱۱- صحیح تلفظ۔ ۱۲- حاضر جوابی۔ ۱۳- برجستہ گوئی۔ ۱۴- موقع شناسی۔ ۱۵- وحدتِ مقصد۔ ۱۶- طبعی ہمدردی۔ ۱۷- نفسیات سے آگاہی۔ ۱۸- لگاتار مطالعہ۔ ۱۹- عمیق مشاہدہ، اور خطاب کے اجزاء ترکیبی یہ ہیں۔

۱- سلاست۔ ۲- ذہانت۔ ۳- ظرافت۔ ۴- تکنیک (طریق) ۵- اسلوب۔ ۶- آواز۔ ۷- لہجہ۔ ۸- اشارات۔ ۹- استدلال۔ ۱۰- تجربہ۔ ۱۱- تمثیلات۔ ۱۲- انفرادیت۔

الغرض! خطابت ایک فن نہیں، کئی فنون کا مجموعہ ہے، وہ شاعری بھی ہے، انشاپردازی بھی، علم بھی ہے ادب بھی، بذلہ بھی ہے استدلال بھی، مصوری بھی ہے موسیقی بھی، یہ کوئی معمولی چیز نہیں کہ مجمع اکائی میں بدل جائے، اور ہزاروں دماغوں کا ہجوم ایک وجود کی طرح ہو کہ سمع و بصر کی وحدت قائم ہو جائے، یہ اعجاز صرف خطابت ہی میں ہے۔ (۴)

حضرت قاضی کے خطبات سننے والے اصحاب نظر بخوبی واقف ہیں کہ ان تمام اوصاف کی تجسیم ان کے خطبات میں بدرجۂ اتم پائی جاتی تھی۔

آل انڈیا ملی کونسل نے جس کے وہ روحِ رواں اور قائد وبانی تھے پورے یوپی کا ہنگامی دورہ ایک کارواں کی شکل میں کیا تھا، اپنی بیماریوں اور تمام تر عوارض کے باوجود حضرت قاضی صاحب اس میں شریک تھے، اس دورہ میں حضرت قاضی صاحب بستی بھی تشریف لائے، ظہر کی نماز کے بعد معززین شہر اور دارالعلوم کے اساتذہ وطلبہ سے مسجد دارالعلوم میں ان کا خطاب ہوا، بگڑتی صورت حال سے ان کی دل گرفتگی ان کی گفتگو کے ہر جملہ سے چھلک اور جھلک رہی تھی، انہوں نے فارسی کے ایک اچھوتے شعر سے اپنا

خطاب کا آغاز بڑی بھرائی ہوئی آواز میں کیا تھا اور حاضرین کو جھنجھوڑ اور ہلا ڈالا تھا، مجھے وہ شعر یاد رہ گیا ؎

تا تو بیدار شوی نالہ کشیدم ورنہ
عشق کارے است کہ بے آہ وفغاں نیز کنند

اسی دن رات کو انہیں بہرائچ میں جلسۂ عام سے خطاب کرنا تھا، بستی سے بہرائچ کا طویل سفر انہوں نے بذریعۂ جیپ بائی روڈ طے کیا، ان کے حکم پر دارالعلوم الاسلامیہ کے اساتذہ کا ایک وفد ان کے ہمراہ گیا، اس خاکسار کو بھی ہمرکابی کی سعادت میسر آئی، بہرائچ کی ان کی تقریر میں گویا آمد ہی آمد تھی، جو آورد سے بالکل خالی تھی، بے پناہ مجمع تھا جس پر سکتہ طاری تھا، وہ اپنے دل کے سوز اور تپش کو الفاظ کا پیرہن کچھ یوں دے رہے تھے کہ سب دم بخود تھے، سب پر سکتہ طاری تھا، اس خطاب نے لوگوں کے دلوں کے تار چھیڑ دیئے تھے، بیداری، حرکت، جذبۂ عمل اور جدوجہد کے لئے میدان میں اتر آنے کی صدا قاضی صاحب نے لگائی تھی جس کے بڑے گہرے اثرات بعد میں نظر آئے۔

یہ ان کی بے پناہ تاثیر، اخلاص اور قوت خطیبانہ کا اثر تھا کہ مسلم پرسنل لاء بورڈ اور فقہ اکیڈمی کے اسٹیج سے بارہا نازک ترین موقعوں پر انھوں نے اپنے چند جملوں سے پیچیدہ ترین مسائل اور الجھی گتھیوں کو سلجھا اور حل کر دیا، اور مخاطب کو پوری طرح مطمئن وسیراب کر دیا۔

مجھے یاد ہے کہ گیارہویں فقہی سیمینار (منعقدہ اپریل ۱۹۹۹ء بمقام پٹنہ) میں احادیث ضعیفہ کے موضوع پر مباحثہ کے دوران ایک صاحب نے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی صاحب کی مشہور ومقبول زمانہ کتاب ''فضائل اعمال'' کے بارے میں یہ سوال کیا کہ قطعی طور سے یہ طے کیا جائے کہ احادیث ضعیفہ کی کثرت سے شمولیت کی بنیاد پر اس کتاب کا معیار اور درجہ کیا ہے اور صحیح ترین احادیث سے ضرورت

کی تکمیل ہو جانے کے بعد اس کو عام کرنے کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے؟ حضرت قاضی صاحب نے ایک جملہ میں اس سوال کا جواب بڑے وثوق سے یوں دیا کہ اس وقت ہم مطلق ضعیف احادیث کے احکام وتفصیلات پر گفتگو کر رہے ہیں، ہمارا مقصد کسی متعین کتاب پر کوئی حکم لگانا نہیں ہے۔

ان کے بعض خطبات کا مجموعہ ''خطبات بنگلور'' کے نام سے طبع ہو چکا ہے، سیرت پاک کے موضوع پر اس میں پانچ خطبات ہیں جو فی الواقع پوری سیرت کا احاطہ کئے ہوئے ہیں، درج ذیل ایک اقتباس سے ان کے خطیبانہ اور عالمانہ ومحققانہ جوہر کی ایک جھلک دیکھی جا سکتی ہے۔

''مغرب نے کہا کہ اخلاق پیدا ہوتا ہے دو نظریوں سے، لذتیت سے یا افادیت سے، نظریہ افادیت کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر وہ شئ جس میں فائدہ محسوس ہو وہ اچھی چیز ہے اور خلق کی بنیاد اس پر ہونی چاہئے۔ کسی نے کہا کہ جذباتیت پر بنیاد ہے، کسی نے کہا کہ ضمیر صادق پر بنیاد ہے اور کسی نے کہا کہ عقل پر بنیاد ہے، کسی نے کہا کہ فطرت پر بنیاد ہے، افادیت والوں نے خلق کے اتنے الگ الگ معیار بنائے کہ آپ کے ساتھ ہنس کر بات کرنے میں فائدہ ہے تو آپ سے ہنس کر ملنا اخلاق ہے اور آپ کے ساتھ ہنس کر بات کرنے میں فائدہ نہیں ہے تو ہنس کر ملنے کی ضرورت نہیں۔ آپ بڑے سرمایہ دار اس شہر کے ٹھہرے، پتہ نہیں کب کیا کام آپ سے نکل لیں گے تو میں نے کھڑے ہو کر آپ کو گلے لگایا، اگر کوئی معمولی آدمی آیا تو سوچا کہ ان سے میرا کیا مفاد؟ خود انہیں کو ہم سے دس بار کام رہتا ہے، میں اس کے لئے کیوں کھڑا ہوں؟ یہ افادیت اور مفادات کی بناء پر انسانوں کے درمیان فرق کرنا اور برتنا خود غرضی پیدا کرتا ہے، اسلامی اخلاق کی بنیاد ایثار پر ہے، اپنی ضرورت کو دوسروں کی ضرورت پر قربان کرنے کا نام ایثار ہے، ﴿يؤثرون على أنفسهم ولو كان بهم خصاصة﴾ اسلام کہتا ہے کہ بے شک انسانی فطرت میں اللہ نے خیر اور شر کی

تمیز رکھ دی ہے، اسلام اس بات کو مانتا ہے کہ خیر وشر اور اچھے اور برے کی تمیز خود انسان کی فطرت میں موجود ہے، اس کو تم فطرت کہو، ضمیر کہو، یا عقل کہو"۔ (۴)

ان کی پوری زندگی اسلام اور مسلمانوں کی خدمت میں گذری، ان کے اخلاص، ان کی علمی گہرائی وگیرائی، ان کی ہوشمندی ودور اندیشی، وحدتِ امت کے ان کے جذبہ وفکر اور ان کی تواضع وبے نفسی اور زہد وتقویٰ نے اس خدمت میں جادو بھر دیا تھا، وہ جہاں تشریف لے گئے سر آنکھوں پر بٹھائے گئے، ہر کہ ومہ کے دل میں وہ اعلیٰ مقام رکھتے تھے، اسی لئے جب وہ اس سفر آخرت پر روانہ ہوئے جہاں سب کو جانا ہے اور جہاں سے کوئی پلٹتا نہیں تو چھوٹے بڑے سب رو پڑے، سب سر پیٹ کر رہ گئے، علم وعمل کا یہ آفتاب تقریباً نصف صدی تک اپنی ضیا پاشیوں کے بعد جب غروب ہوا تو ایسا محسوس ہوا کہ ؎

رفتی واز رفتنت یک عالمے تاریک شد
تو مگر شمعے چوں رفتی بزم برہم ساختی

ان کی وفات سے پورے ایک عہد کا خاتمہ ہو گیا ہے ایک بساط تہ ہو گئی ہے، اور ع خاموش ہو گیا ہے چمن بولتا ہوا

مگر ان کے کارنامے، قربانیاں، نقوش، خدمات اور افکار ہمیشہ زندہ وپائندہ رہیں گے، وہ تاریکیوں میں منارۂ نور اور سناٹوں میں صدائے حق کا کام کرتے رہیں گے ان کا پیغام ہر آن جاوداں وتازہ رہے گا ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است برجریدۂ عالم دوامِ ما

حواشی:

(۱) دیکھنا تقریر کی لذت، مولانا مفتی شکیل احمد سیتاپوری: ۱/ ۱۸ (۲) فن خطابت: شورش کاشمیری/ ۷۱

(۳) ابوالکلام آزاد: شورش کاشمیری/ ۲۴۱، ۲۴۲ (۴) خطبات بنگلور: حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب" قاسمی/ ۱۵۷، ۱۵۸

آہ! فقیہ ملّت
مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب قاسمیؒ

از: مولانا مجیب اللہ ندوی
بانی وناظم جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ

یہ اندوہ ناک خبر قارئین کو مل چکی ہوگی کہ ۴/اپریل ۲۰۰۲ء کو ۶/بجکر ۵۰ منٹ پر فقیہ ملت اور دردمند قوم قاضی مجاہد الاسلام صاحب کا دلی میں انتقال ہوگیا، ان کی زندگی کا جو چراغ کئی برس سے جھلملا رہا تھا وہ آخر گل ہوگیا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ.

مولانا کی نماز جنازہ پہلی بار دلی میں پڑھی گئی اور پھر میت دلی سے پٹنہ لائی گئی اور وہاں امارت شرعیہ میں نماز جنازہ ہوئی اور پورے سرکاری اور غیر سرکاری اعزاز کے ساتھ ان کے آبائی وطن جالے ضلع دربھنگہ میں تدفین عمل میں آئی۔ انتقال کے وقت ان کی عمر ۶۵، ۷۰/سال کے درمیان تھی۔

مجھے انتہائی قلق ہے کہ کسی نے رات میں فون نہیں کیا، صبح کو ۸/بجے کے بعد اخبار سے ان کے انتقال کی اطلاع ملی، اسی وقت امارت شرعیہ فون کیا گیا تو علم ہوا کہ تجہیز وتکفین پٹنہ میں ہوگی۔ اس لئے دو بجے تک اعظم گڑھ سے پٹنہ پہنچنے کی کوئی صورت باقی نہیں تھی اور جنازہ میں شریک نہ ہوسکا، بحمد اللہ جمعہ کے وقت مجمع کے سامنے راقم الحروف نے قاضی صاحب کی شخصیت کے بارے میں مفصل تقریر کی اور دعائے مغفرت کرائی گئی دوسرے دن طلبہ اور اساتذہ نے قرآن خوانی کے بعد ایصال ثواب کیا۔

آج سے ۴ر سال پہلے وہ بیمار پڑے ڈاکٹروں نے ریڑھ کی ہڈی میں کینسر تجویز کیا۔ جب اطلاع ملی تو عیادت کے لئے اسپتال حاضر ہوا وہ زندگی سے مایوس نظر آرہے تھے میں نے کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ میری زندگی کا کچھ حصہ آپ کو عطا کردے تو میں اس پر راضی ہوں انھوں نے فرمایا آپ کی محبت ہے مگر اللہ تعالیٰ کے خزانہ میں کمی نہیں ہے اس کے بعد میں ساؤتھ افریقہ کا سفر کیا تو اپولو اسپتال کی پوری رپورٹ اپنے ساتھ لے گیا اور وہاں اہم ڈاکٹروں کو دکھلایا تو انھوں نے کہا کہ جو تشخیص اور علاج ہے اس سے بہتر ممکن نہیں ہے واپسی پر میں نے حضرت قاضی صاحب سے عرض کیا تو ان کو بڑی تسلی ہوئی، مگر مرض گھر کر چکا تھا اس لئے آخر کار وہ موت کے ساتھ ختم ہوا۔

مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحبؒ نے اپنی زندگی کا آغاز ایک مدرسہ میں تدریس سے کیا، مولانا منت اللہ صاحب رحمانی رحمۃ اللہ علیہ کی مردم شناس نگاہ ان پر پڑی تو وہ ان کو مدرسہ سے ہٹا کر امارت شرعیہ میں لے آئے اور وہاں قضاء کی خدمت سپرد کی یہاں پہنچ کر ان کو اپنی فطری صلاحیت اجاگر کرنے کا پورا موقع ملا۔ اور جلد ہی وہاں کے قاضی القضاۃ بنادیئے گئے۔

قاضی صاحب نہ صرف فقہ کی جزئیات سے واقف تھے بلکہ ان میں تفقہ تھا وہ ماخوذ کے ساتھ ماخذ اور استنباط مسائل کے اصول وقواعد سے بھی واقف تھے اسی لئے فقہ پر بعض سطحی نظر رکھنے والوں کے نزدیک بعض جدید مسائل میں ان کے فتاوے ان کو قابل اعتراض محسوس ہوتے تھے، اسلامی فقہ اکیڈمی کے ذریعہ جو فیصلے کئے گئے ان کے تفقہ کی وہ زندہ مثال ہیں، اس نہج پر سوچنے والے نوجوان علماء کی ایک ٹیم انھوں نے تیار کردی ہے۔

ان کے ساتھ تقریباً سات آٹھ برس مسلم پرسنل لاء بورڈ، اسلامی فقہ اکیڈمی اور آل انڈیا ملی کونسل میں کام کرنے کا موقع ملا اور ہر جگہ ان کی انفرادیت باقی رہی۔ وہ بلا کے ذہین تھے، مولانا منت اللہ رحمانی صاحبؒ فرمایا کرتے تھے، ان کے دماغ کی چاروں

کھڑکیاں ہر وقت کھلی رہتی ہیں جس وقت وہ مسلم پرسنل لاء بورڈ کے صدر چنے گئے وہ بیمار چل رہے تھے مگر اس حالت میں بھی مسلم پرسنل لاء کا جو خاکہ مولانا منت اللہ صاحب رحمانیؒ نے معتبر علماء کی ایک جماعت کے ذریعہ تیار کرایا تھا وہ تقریباً دس برس سے چھپ نہیں سکا، قاضی کے دور صدارت کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے اردو کے ساتھ اس انگریزی ترجمہ بھی مجموعۂ قوانین اسلامی کے نام سے شائع کرایا، مولانا منت اللہ صاحبؒ راقم الحروف کے یہاں بھی جتنا مسودہ تیار ہوتا روانہ فرماتے، میں نے اپنی سفارش میں شفعہ کے باب کے اضافہ کی بات لکھی تھی آزادی سے پہلے عدالتوں میں اس کے مطابق فیصلے ہوتے تھے جس سے مسلمانوں کی جائیدادیں غیروں کے ہاتھ میں جانے سے محفوظ ہوجاتی تھیں مگر افسوس ہے اس کا ذکر اس میں نہ آسکا۔

ٹاڈا کا کالا قانون جس کے ذریعہ مسلمانوں پر کھلے بند ظلم کیا جارہا تھا اس کے خلاف ملی کونسل کے پلیٹ فارم سے جو مؤثر کانفرنس انھوں نے دلی میں کی اس کے نتیجے میں یہ قانون کالعدم قرار پایا اب اس وقت پوٹا کی تلوار ان کے سروں پر لٹک رہی ہے خدا کرے کہ اس کے لئے بھی کوئی مردے از غیب بروں آید کارے بکند کا مصداق بن جائے۔

اسلامی فقہ اکیڈمی کے ذریعہ نئے فارغین کے لئے انھوں نے شرعی مسائل میں غور وفکر کا جو راستہ دکھایا ہے وہ بجائے خود بہت بڑا کارنامہ ہے، قاضیوں کی تربیت کے لئے المعہد العالی کے نام سے جو ادارہ انہوں نے پٹنہ میں قائم کیا وہ ان کا منفرد کام ہے۔

ملت میں ان کے انتقال کی سے جو ہمہ جہتی خلا ہوا ہے وہ آسانی سے پر نہ ہوسکے گا۔ مگر وَمَا ذَالِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيزٍ.

(بشکریہ ماہنامہ ''الرشاد'' اعظم گڑھ)

فقیہ وقت قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کی رحلت

از: مولانا محمد افضال الحق جوہر قاسمی
دارالعلوم گورکھپور

گدڑی میں لال

زندگی میں دو تین ایسے آدمی دیکھے جو شکل و شباہت میں معمولی، وضع قطع میں ضرورت سے زیادہ سادہ تھے اس لیے انہیں دیکھ کر یقین ہی نہیں ہوا کہ یہ کوئی قابل توجہ ہستی ہوگی مگر جب ان کے علم و فن یا ان کی صلاحیت و قابلیت نے اپنا تعارف کرایا تو آنکھیں کھلی رہ گئیں اور دل رعب و مسرت سے لبریز ہوگیا ایسی ہی ہستی مولانا محمد عثمان فارقلیط کی تھی جن کے آتش بار قلم نے الجمعیۃ کے صفحات پر انگریزی سامراج کے پتلے جلا دیئے اور عدالتیں ان کا قلم نہ پکڑ سکیں۔ جب پہلی مرتبہ مولانا سید احمد ہاشمی صاحب نے مجھے بتایا کہ یہی فارقلیط صاحب ہیں تو میں الجمعیۃ کے دفتر میں حاضر ہو کر سلام کر آیا اور آج تک ان کی نگاہوں اور قلم سے مرعوب ہوں۔

قاضی مجاہد الاسلام بے داڑھی مونچھ کے ظاہری طور پر ایک غیر مؤثر شخصیت تھے ان کی صدری اور تہہ بند ایک معمولی انسان کی شباہت پیش کرتے تھے۔ مگر ان کی مرصع تقریر اور ان کا رواں قلم، فقہی سیمناروں کی بحثوں میں اصل موقف پر ان کا نقطۂ نظر، فقہ کے مختلف گوشوں کو مربوط کرنے کا ان کا سلیقہ انہیں ہزاروں مین ممتاز کر دیتا تھا۔ اکابر علماء اس پر عش عش کر کے رہ جاتے تھے۔ دانشور حضرات کہتے تھے کہ ہم نے ایسا عالم نہیں دیکھا جو عصری زبان واسلوب میں موجودہ مسائل کو حل کرنے پر اتنی قدرت اور ایسی

مہارت اور اس قدر رز ور دار لب ولہجہ کا مالک ہو۔

انتظامی صلاحیت

قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحب مرحوم دار العلوم دیو بند کے ممتاز طلبہ میں شمار ہوتے تھے برسوں تک انہوں نے خانقاہ رحمانی مونگیر میں تدریس کی خدمت انجام دی پھر مولانا منت اللہ رحمانیؒ نے ان کو امارت شرعیہ کی تنظیم وترتیب کا مشکل کام سپرد کر دیا اور وہ اس میں ڈوبتے چلے گئے پھر جب کئی سال کے بعد ابھرے تو بہار واڑیسہ میں جگہ جگہ امارت شرعیہ کی شاخ قائم تھی قاضی موجود تھے فصل مقدمات کا سلسلہ جاری تھا اور اس طرح جاری تھا جس طرح بانی امارت شرعیہ مولانا سجادؒ چاہتے تھے اس میں قاضی صاحب کا علم ہی نہیں بلکہ ان کی انتظامی صلاحیت بھی ابھر کر سامنے آئی۔ ان کی بے پناہ جد وجہد نے امارت شرعیہ کو کہاں سے کہاں پہونچا دیا۔

تربیتی ماحول

قاضی صاحب سے میری پہلی ملاقات دیو بند میں ہوئی جب وہ طالبعلم تھے اور میں ایک مدرسے میں پڑھا رہا تھا۔ اس وقت وہاں شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کا درس حدیث، ان کی سیاسی سرگرمیاں، اصلاح معاشرہ کی جد وجہد اور ان کی ذرہ نوازیاں ساون بھادوں کی طرح برس رہی تھیں اسی کے ساتھ علامہ ابراہیم بلیاویؒ کا درس حکمت وفلسفہ جاری تھا۔ ان کے علمی چٹکلے اور حاضر جوابی کے جملے ضرب المثل تھے۔ حضرت مولانا اعزاز علیؒ کے ادب اور نحو کا شہرہ تھا حضرت قاری طیب صاحبؒ کی تقریریں، حجۃ اللہ البالغہ کے ان کے اسباق ان کی سنجیدگی، نظافت اور دلنشیں گفتگو سے ہر شخص متاثر تھا۔ اس وقت کا دار العلوم عالم میں انتخاب تھا۔

ایسے ماحول میں میرا اور قاضی صاحب کا زمانہ آگے پیچھے تھا اس لیے ہم دار العلوم سے نکلے تو بے لاگ قلم بے باک زبان اور بے پناہ جد وجہد کا شوق لے کر نکلے۔ اس کا

لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ ہم نے تعلیم، تربیت، سیاست، تنظیم، انشاء اور نظم و نثر کے جس میدان میں بھی قدم رکھا کسی سے مرعوب نہیں ہوئے، ہم نے ہر بات کو سمجھنے کی کوشش کی اور ہر غلط بات کی تردید کی ضرورت پر کمربستہ ہوئے اور بحمد اللہ اپنی کوئی پرواہ نہیں کی۔

عزائم

ایسے ماحول کا بے نظیر نمائندہ مجاہد الاسلام تھا جو آگے چل کر عالم و فاضل حتیٰ کہ فقیہ اور قاضی کہلایا۔ ہم نے دیکھا کہ مسلم قیادت جب منتشر ہونے لگی تو اس جیالے مجاہد الاسلام نے آواز دی اور علماء، دانشوروں اور بہت سے لیڈروں کو جمع کر کے ملی کونسل قائم کردی اور اس کی آواز کو پورے ملک میں پھیلا دیا۔

پھر قاضی صاحب یہیں نہیں رکے بلکہ اسلامک فقہ اکیڈمی قائم کر کے اس کے پلیٹ فارم سے ملک کے تمام مسلکوں کے علماء و فضلاء اور مفتیان کرام کو دعوت دے کر موضوع بحث دیا اور پوری حاضر دماغی اور جدت پسندی سے اس بحث کو کنٹرول کیا اور ایک فیصلہ کن انداز میں اسے پیش کر دیا اس کے لیے سیمینار کی روداد یں گواہ ہیں۔

کارکنوں کی حوصلہ افزائی

اس سلسلہ میں ان کے ساتھیوں سے اور دوسرے شرکاء سے مختلف طبقات کے لوگوں کو شکایت ہوئی مگر قاضی صاحب نے کام بند کرنے کے بجائے اصلاح حال کی کوشش کی اور برابر کرتے رہے اس سلسلہ میں میری ان سے خط و کتابت بھی ہوئی مگر وہ کہنے لگے کہ تم سیمینار کی شرکت نہ چھوڑو ضرور آیا کرو اور بہت سی چیزوں کی اصلاح بھی کی تا کہ وہ سب کا نمائندہ سیمینار کر سکیں اور مجھے ان کے خلوص پر اتنا اعتماد تھا کہ اختلاف رائے کے باوجود حاضر ہو جاتا تھا۔ ان سیمیناروں میں کسی مسئلہ پر جب مختلف رائیں اور دلیلیں آئیں تو ظاہر ہے کہ ان سے انکار نہیں کیا جا سکتا نہ سب کو مانا جا سکتا ہے اس لیے درمیان سے کوئی راستہ نکالنا تھا ایسے تمام مواقع پر قاضی صاحب قیمتی، سنجیدہ، سلجھی ہوئی

اور عالمانہ تقریر کیا کرتے تھے۔ یہ ان کا علم اور شخصیت کی گہرائی تھی افسوس کہ وہ گم ہو گئی اب سیمیناروں کو کون کنٹرول کرے گا اور جچی تلی تقریر کر کے شرکاء کو کون مطمئن کرے گا یہ ایک بڑا سوال ہے۔ اس لیے سوال ہے۔

تفقہ کا مقام

قاضی صاحب کو خدائے برتر نے تفقہ کا فن عنایت فرمایا تھا۔ وہ دوسروں کو بھی اپنی بات سمجھاتے تھے اور دوسروں کی بات بھی سمجھنے کی کوشش کرتے تھے ان کے فتاویٰ ان کے فیصلے اور دینی موضوعات پر ان کے مقالات اس بات کے گواہ ہیں ایسے میں قاضی صاحب کی رحلت سے تفقہ کا ایک بڑا سلسلہ کمزور پڑ گیا ہے مجھے امید ہے کہ مولانا رضوان القاسمی، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا نظام الدین (امیر شریعت) جیسے حضرات اس سلسلہ کو مستحکم اور جاری رکھیں گے۔

قاضی صاحب سے آخری ملاقات

تنظیم ابنائے قدیم کی میٹنگ تھی اس میں رابطہ مدارس کا موضوع تمام جماعتوں کے لیے دلچسپ تھا اور چونکہ مختلف جماعتی ذمہ داروں کی میٹنگ تھی اس لیے اس میں مختلف جماعتوں کے عہدہ داران موجود تھے۔ جب طے کیا جانے لگا کہ رابطہ مدارس کے کام کو پھیلا کر کرنا ہے تو سوال پیدا ہوا کہ اس میں تمام جماعتوں اور اداروں کی نمائندگی ضروری ہے۔ چنانچہ مسلم پرسنل لاء بورڈ، دارالعلوم دیوبند اور ندوۃ العلماء کا نام آیا تو سب کی رائے ہوئی کہ سب سے پہلے مسلم پرسنل لاء کے ذمہ داروں سے بات کی جائے اور ہم لوگ پھر بلا تاخیر فون کر کے ان کے پاس پہنچ گئے۔ حسب عادت کھلے دل و دماغ سے ملے انہوں نے فرمایا کہ رابطہ مدارس کے لیے ہم بھی ایک کمیٹی بنانا چاہتے ہیں پھر فرمایا تمہارا کنوینر کون ہے بتایا گیا کہ مولانا عمید الزماں کیرانوی ہیں تو فرمانے لگے کہ جب اس میں تمام جماعتیں شامل ہیں تو اسی کمیٹی کو کام کے لیے منتخب کرلیا جائے اور مولانا

عمید الزماں صاحب ہی اس سے متعلق سارے کام انجام دیں پھر فرمایا کہ ہمارے پاس جگہ کی کمی ہے اس لیے اگر آپ لوگ اپنے دفتر میں رابطہ کا دفتر رکھ لیں تو کام میں سہولت ہوگی ہم آپ سے پورا تعاون کریں گے مالی تعاون بھی۔ اس خوشگوار ماحول نے بتایا کہ قاضی صاحب میں کس قدر وسیع النظری، وسیع الظرفی اور کام کی امنگیں تھیں اور یہی ان کی وہ خوبی تھی جس نے ان کو بہت مقبول بنادیا تھا اللہ تعالیٰ قاضی صاحب کی جدوجہد کے اس نادر سلسلہ کو ملت اسلامیہ کے لیے قبول فرمائے اور ہمیں توفیق دے کہ ہم لوگ ان کے نقش قدم پر چل کر مسائل کو حل کرسکیں۔

(بشکریہ ماہنامہ ''ترجمان دارالعلوم'' نئی دہلی)

اگر جوہر ایمان حاصل ہوجائے

حقیقت یہ ہے کہ مغرب کو اگر جوہر ایمان حاصل ہوجائے تو وہ انسانیت کا صحیح نمونہ بن جائے۔ لیکن افسوس کہ مادیت کے جنون نے ان کو بدمست کررکھا ہے، ان کے یہاں انسانیت صرف پیٹ کا نام ہے، صرف یہی فکر ہے کہ دولت کہاں سے آئے؟ انسان محض ایک کمانے والا جانور ہے۔ وہ اخلاق کو، جنگ و صلح کو اور زندگی کے ہر مسئلہ کو صرف اور صرف معاشی نقطۂ نظر سے دیکھتا ہے، ان کا نتیجہ ہے کہ صبح ہوتے ہی مرد و عورت آفسوں کو نکلتے ہیں۔ رات گئے واپس آتے ہیں، اتوار کو بچوں سے ملاقات ہوتی ہے، پانچ دن بے تکان محنت کر کے کماتے ہیں اور دو دن مجنونانہ عیش کے ذریعہ گنواتے ہیں، وہ عقل مجرد کے قائل نہیں ہیں، وہ عقل مادی کے قائل ہیں، وہ ہر علم اور ہر عمل کا مطالعہ صرف اس نقطۂ نظر سے کرتے ہیں کہ اس کا معاشی فائدہ کیا ہوگا؟ (خطبات بنگلور ص: ۱۲۵)

حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ

از: مولانا ضیاء الدین اصلاحی
مدیر ماہنامہ معارف اعظم گڑھ

افسوس اور سخت افسوس ہے کہ آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے صدر، آل انڈیا ملی کونسل اور اسلامک فقہ اکیڈمی کے بانی اور جنرل سکریٹری، امارت شرعیہ بہار، اڑیسہ اور جھارکھنڈ کے قاضی القضاۃ و نائب امیر شریعت اور ملک و بیرون ملک کے متعدد علمی و تعلیمی اور مذہبی اداروں کے رکن مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب ۴/اپریل ۲۰۰۲ء کو وفات پاگئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

اس قحط الرجال اور پُر آشوب دور میں جب امت مسلمہ پر ہر طرف سے یلغار ہورہی ہے، اس کی مشکلات اور دشواریاں روز بروز بڑھتی جارہی ہیں اور اس کے مسائل کی پیچیدگی اور الجھاؤ میں برابر اضافہ ہورہا ہے، قاضی صاحب جیسے راہبر و مجاہد کا اسے چھوڑ کر چلا جانا اس کی کتنی بڑی بدنصیبی ہے ؎

آج شبیر پر کیا عالم تنہائی ہے
ظلم کی چاند پہ زہرا کے گھٹا چھائی ہے

ابھی ان کی عمر زیادہ نہیں تھی اور طوفانِ حوادث میں گھری ہوئی ان کی قوم و ملت کو ان کی سخت ضرورت تھی، مگر مشیتِ ایزدی میں کس کو دخل ہے؟ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس ہولناک سناٹے میں جب نہ کہیں بوئے دم ساز اور کوئی آواز آتی ہے کون حریف مئے مرد افگن عشق ہوگا۔

وہ ضلع دربھنگہ (بہار) کے قصبہ جالہ میں ۱۹۳۶ء میں پیدا ہوئے تھے، اسلامی عہد

میں ان کا خاندان عہدۂ قضا پر فائز تھا، ان کے والد بزرگوار مولانا عبد الاحد صاحب ممتاز عالم دین اور شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کے ارشد تلامذہ میں تھے، قاضی صاحب کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی، اپنے ضلع کے بعض مدارس میں عربی کی ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد انہوں نے دار العلوم مئو میں داخلہ لیا، ۱۹۵۱ء میں دار العلوم دیوبند پہنچے اور اس وقت کے اکابر علماء سے کسب فیض کیا، ۱۹۵۵ء میں وہاں سے فراغت کے بعد جامعہ رحمانی مونگیر میں درس وتدریس کی خدمت انجام دینے لگے۔

مولانا منت اللہ رحمانی صاحب نے ہونہار دیکھ کر انہیں اپنی تربیت میں لے لیا اور ۱۹۶۲ء میں پھلواری شریف لے آئے اور امارت شرعیہ کے کاموں میں لگا دیا۔ یہاں ان کی صلاحیتوں کے جوہر خوب چمکے اور انہوں نے اس کے پلیٹ فارم سے خدمتِ خلق، اصلاح معاشرت مسلمانوں کے تحفظ وغیرہ کے گوناگوں قومی وملی کام انجام دیئے، اور اپنی زندگی دین وعلم کی اشاعت اور قومی وملی واصلاحی خدمت کے لئے وقف کردی پہلے شعبۂ قضا کا نظام سنبھالا اور اسے بڑی وسعت وترقی دی، مختلف جگہوں پر دار القضا قائم کئے، گاؤں گاؤں کا دورہ کرکے مکاتب کے جال بچھائے، باہمی نزاعات کا تصفیہ کیا، فساد زدہ علاقوں میں جاکر ریلیف کا کام کیا، مظلوموں اور آفت رسیدہ لوگوں کی مالی، اخلاقی، سیاسی اور قانونی مدد کی، امارت سے ان کا تعلق مدة العمر رہا اور قاضی القضاة اور نائب امیر شریعت جیسے اہم عہدوں پر فائز ہوئے۔

قاضی صاحب کی تحریک سے مولانا سجاد اسپتال امارت کے زیر نگرانی قائم ہوا۔ جس سے غریب لوگوں کو طبی سہولتیں میسر آرہی ہیں۔ انہوں نے قضا کے نظام کو بہتر اور مؤثر بنانے اور مناسب افراد تیار کرنے کے لئے امارت شرعیہ کے زیر اہتمام "المعهد العالی لتدریب القضا والافتاء" کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا جو اب تربیتِ قضا وافتا کے لئے پورے ملک میں مشہور ہے۔

اسی سلسلے میں اسلامک فقہ اکیڈمی کی تشکیل کا خیال بھی ان کے ذہن میں آیا جس کے بہت اعلیٰ پیمانے پر نہایت کامیاب ۱۲ سیمناران کی سرکردگی میں ہوئے جن کے کئی جلدوں پر مشتمل مجلات شائع ہوئے۔ قاضی صاحب نے اس کے ذریعہ مدارس وغیرہ میں فقہ وافتا کی خدمت پر مامور علماء ومفتیان کو ان کے زاویوں سے نکال کر نئے پیش آمدہ مسائل کا حل ڈھونڈنے اور فقہی مقالات لکھنے پر آمادہ کیا۔ مدارس کے ہونہار طلبہ وفضلاء کو بھی اس طرح کے کام کرنے کی امنگ بخشی، اس طرح علمی وفقہی مباحث پر لکھنے والے نوجوانوں کی ایک جماعت تیار کردی۔

قاضی صاحب کے خاص مربی مولانا منت اللہ رحمانی کی کوششوں سے ۱۹۷۲ء میں آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ جیسا باوقار ادارہ وجود میں آیا، جس کی تشکیل کے وقت ہی سے قاضی صاحب ان کے دست راست کی حیثیت سے اس کی سرگرمیوں میں نمایاں حصہ لیتے رہے، وہ شروع سے بورڈ کے تاسیسی اور مجلس عاملہ کے رکن رہے، شاہ بانو کیس کا معاملہ گرم ہوا تو مسلم پرسنل لا بورڈ کے نقطہ نظر کی وضاحت اور رائے عامہ کو ہموار کرنے کے لئے انہوں نے ملک کا گوشہ گوشہ چھان ڈالا، مسلم پرسنل لا کے تمام گوشوں اور نکات پر ان کی جیسی نظر کسی کی نہ تھی اور قدرت نے گویائی اور تعبیر وبیان کا جو ملکہ انہیں عطا کیا تھا وہ بھی دوسروں میں مفقود تھا، اس لئے بورڈ کے پہلے صدر مولانا قاری محمد طیب صاحب اور دوسرے صدر مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے زمانے میں وہ بورڈ کے وکیل اور سفیر بن کر اس کی نہایت کامیاب ترجمانی کرتے رہے۔ قاضی صاحب کی قابل رشک صلاحیتوں اور شاندار خدمات ہی کی بنا پر بورڈ کے تیسرے صدر کی حیثیت سے ان کا انتخاب عمل میں آیا۔ لیکن انہیں کم موقع ملا اور وہ مسلسل موذی امراض میں مبتلا رہے۔ تاہم بورڈ کو موثر اور فعال بنانے پر پوری توجہ کی اس کے مرکزی دفتر کو اپ ٹو ڈیٹ بنایا اور عصری سہولتوں سے آراستہ کیا، اس کی لائبریری قائم کی، مسلم پرسنل لا سے متعلق فقہی

وقانونی کتابیں اور دستاویز جمع کیے، فقہی موسوعہ شائع کرایا۔

۱۹۶۵ء میں ڈاکٹر سید محمودؒ کی مساعی جمیلہ سے آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت کا قیام عمل میں آیا، جس کی اٹھان بہت شاندار تھی، مگر ڈاکٹر صاحب کی زندگی ہی میں وہ اختلافات وتعطل کا شکار ہوگئی اور اب تو اس کے ٹکڑے بھی ہو گئے ہیں، قاضی صاحب جیسے فعال اور متحرک شخص نے یہ صورت حال دیکھ کر ۱۹۹۲ء میں آل انڈیا ملی کونسل قائم کی، کونسل کی اصل توجہ ملی اتحاد واشتراک اور مسلمانوں کے انتشار اور پراگندگی دور کرنے کی جانب رہی۔ اس نے دینی وعصری تعلیم اور سیاسی ومذہبی مسائل کو بھی اپنے ہاتھ میں لیا مگر ملی کونسل کو مسلم مجلس مشاورت جیسا مشترکہ اور باوقار پلیٹ فارم بنانے میں کامیابی نہیں ہوئی۔

قاضی صاحب دینی تعلیم کا معیار بہتر بنانے، اس کے نظام تعلیم وتربیت کی اصلاح وترقی، مدارس کے تحفظ اور انہیں حکومت کی یورش سے بچانے کے لئے برابر فکرمند رہتے تھے، بہار واڑیسہ کے متعدد مدارس کے وہ سرپرست تھے۔ مولانا منت اللہ رحمانی کی سربراہی میں غیر سرکاری مدارس کے نصاب ونظام تعلیم میں ہم آہنگی پیدا کرنے اور ان کا معیار بلند کرنے کے لئے آزاد دینی مدارس بورڈ قائم ہوا تو قاضی صاحب نے اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، ان کی کوشش سے مدارس اسلامیہ کونسل کا قیام عمل میں آیا، وہ وفاق المدارس الاسلامیہ کے صدر بھی تھے۔

جدید اور عصری تعلیم کے فروغ کی جانب بھی ان کی توجہ رہی، اپنے وطن جالہ میں ایک ایجوکیشنل کیمپس قائم کیا جس میں پرائمری اسکول سے ڈگری کالج اور ٹیچرس ٹریننگ کالج تک ہر سطح کی تعلیم کا انتظام کرنا چاہتے تھے، اس وقت ایک اقامتی انگلش میڈیم ہائی اسکول وہاں چل رہا ہے، امارت شرعیہ کے زیر انتظام اس کے مرکز اور بعض دوسرے اضلاع میں جو کئی ٹیکنیکل ادارے قائم ہوئے ان کے قیام اور ان کے لئے وسائل وذرائع کی فراہمی میں انہوں نے بڑی دلچسپی لی۔ ان میں خطابت اور تقریر کا ملکہ

خداداد تھا، اس میں وہ دوسروں سے علانیہ ممتاز تھے، وہ اپنی مؤثر اور دل نشیں تقریروں سے مجمع کا رخ موڑ دیتے تھے، اگر انتشار کی کیفیت ہوتی یا مذاکروں اور مباحثوں میں اختلاف ناگواری کی صورت اختیار کرلیتا تو وہ اپنی خداداد صلاحیت سے اسے صحیح رخ پر لانے میں کامیاب ہوجاتے، قاضی صاحب کی تقریروں میں بڑی بے ساختگی روانی اور سراپا آمد ہوتی، آورد اور تصنع کا نام بھی نہ ہوتا، جو بات کہتے حسبِ حال اور حسبِ موقع ہوتی، الفاظ کے استعمال اور موضوع کے انتخاب میں مجمع اور مخاطب کی رعایت ملحوظ رکھتے، ان کی تڑپ، دردمندی اور سوز وگداز کی بنا پر ان کی تقریریں جادو کا کام کرتی تھیں۔

فقہ وافتاء کے ماہر اور دین وشریعت کے مزاج شناس تھے لیکن دوسرے تمام علوم دینیہ بھی ان کی دست رس میں تھے اور سب پر نہایت خود اعتمادی سے گفتگو کرتے تھے، انہوں نے ہر علم وفن کی تحصیل دیدہ ریزی سے کی تھی، ان کا مطالعہ وسیع اور علم مستحضر تھا، عام علماء ومدرسین کی طرح وہ صرف درسی اور مذہبی کتابوں ہی سے اشتغال نہیں رکھتے تھے بلکہ جدید خیالات ورجحانات سے بھی باخبر تھے۔ اسلام پر مستشرقین کے اعتراضات سے واقف تھے، اسلامی تاریخ کو انگریز اور ہندو مؤرخین نے مجروح کرنے کی جو کوششیں کی ہیں وہ ان کی نگاہ میں تھیں اور موقع بہ موقع ان کا جواب بھی دیتے تھے۔

اسلام کی طرح دوسرے مذاہب وافکار اور نظریات کا بھی انہوں نے مطالعہ کیا تھا انگریزی زبان اور جدید علوم سے بھی واقف تھے، جب ان پر گفتگو کرتے تو ان علوم کے ماہرین کو حیرت زدہ کردیتے، پریس کانفرنس میں اپنی ذہانت، حاضر جوابی، منطقیانہ استدلال اور تجزیہ وتنقیح سے صحافیوں کو عاجز کردیتے، بین الاقوامی حالات ومسائل، سیاسی تبدیلیوں اور مد وجزر پر گہری نظر رکھتے تھے۔

قاضی صاحب کا اصل ذوق علمی وتحقیقی تھا، تصنیف وتالیف کی صلاحیت ان میں

بدرجۂ اتم تھی مگران کے کاموں کا دائرہ بہت وسیع اور پھیلا ہوا تھا، بہ کثرت سفر کرنا پڑتا تھا، اس لئے جم کر اور یک سوئی کے ساتھ انہیں تصنیف وتالیف کا موقع نہیں ملتا تھا، تاہم انہوں نے متعدد عالمانہ تصانیف اور محققانہ حواشی اردو اور عربی میں لکھ کر اس میدان میں بھی اپنا لوہا منوایا ہے۔ بعض فتاویٰ کے مجموعوں پر تعلیقات بھی قلم بند کی ہیں، ان کی ادارت میں نکلنے والا سہ ماہی ''بحث ونظر'' ان کی تحریری صلاحیت، فقہی بصیرت اور علمی دقت نظر کا غماز ہے۔

قاضی صاحب بڑے اعتدال پسند تھے، وہ تصادم اور ٹکراؤ سے بچ کر اتحاد واشتراک کا راستہ اختیار کرتے تھے، وہ مختلف الخیال افراد اور جماعتوں کو ساتھ لے کر چلنے کے عادی تھے، ان میں سب کو جوڑے رکھنے اور مطمئن کر دینے کی صلاحیت تھی، کسی کو شکایت کا موقع نہ دیتے، وہ جماعتی عصبیت اور تنگ نظری سے دور رہتے تھے، ان میں یہ وسعت نظر تھی کہ حنفی مذہب کے جو مسائل اس زمانے سے ہم آہنگ نہیں ہیں یا ناقابل عمل ہوگئے ہیں ان میں دوسرے مذاہب کو اختیار کرنے میں قباحت نہیں محسوس کرتے تھے، وہ نہ تقلید جامد کے قائل تھے اور نہ اجتہاد کا دروازہ مسدود سمجھتے تھے۔ مختلف فیہ اور نئے پیش آمدہ مسائل میں اہل علم واصحاب افتا سے مشورے اور تبادلہ خیال کے بعد اجتماعی رائے سے فتویٰ دیتے تھے، جس پر بعض جامد قسم کے لوگ معترض بھی ہوتے تھے، مگر عام طور سے ان کی اسی فکری وذہنی کشادگی کو پسند کیا جاتا تھا اور موافق ومخالف ہر ایک ان کی علمی وفقہی بصیرت کا اعتراف کرتا تھا۔ قاضی صاحب نے اپنے مجتہدانہ ذوق سے فقہ اکیڈمی تشکیل کر کے فقہی جمود کو توڑنے کی جو کوشش کی وہ ان کا بڑا کارنامہ ہے۔ گذشتہ برس انسٹی ٹیوٹ آف آبجکٹیو اسٹڈیز دہلی نے تفقہ واجتہاد میں ان کے کمال کا اعتراف کر کے انہیں شاہ ولی اللہ ایوارڈ دیا تھا۔

قاضی صاحب کی ایک نمایاں خوبی ان کی معاملہ فہمی ہے وہ بہت جلد مسائل کی تہہ

تک پہنچ جاتے تھے، اس کی وجہ سے انہیں استنباط واستخراج اور نتائج اخذ کرنے میں بڑی آسانی ہوتی تھی، علمی وفقہی مسائل کی طرح تجارتی اور معاشرتی نیز ہر قسم کے معاملات کی گہرائی تک پہنچ کر ان میں اختلاف ونزاع کا تصفیہ کر دیتے تھے۔

قاضی صاحب کی علمی عظمت، انتظامی صلاحیت اور فقہی تبحر کی شہرت ملک و بیرون ملک میں تھی مختلف اداروں اور تنظیموں سے ان کا تعلق تھا، متعدد کمیٹیوں اور اداروں کے وہ ممبر تھے، ہندوستان کے مختلف علاقوں کے علاوہ وہ پاکستان، بنگلہ دیش، ملیشیا، عرب امارات، مصر، سعودی عرب، امریکہ، برطانیہ اور جنوبی افریقہ وغیرہ کے اجتماعات میں تقریریں کرتے اور کانفرنسوں میں مقالات پڑھتے۔

قاضی صاحب بڑے متواضع اور خاکسار تھے، ان میں کبر ونخوت اور عجب و پندار نہ تھا، انہوں نے دردمند دل پایا تھا اور وہ بڑے نرم گفتار اور نرم دل تھے، ان کی زندگی دینی وملی کاموں کے لئے وقف تھی، ہر شخص کا کام کرنے کے لئے تیار رہتے، سب سے گرم جوشی اور خندہ پیشانی سے ملتے، میں نے کبھی انہیں غصے اور طیش میں یا کسی پر برہم ہوتے نہیں دیکھا، ان پر نکتہ چینی کی جاتی تو اس سے ان کی پیشانی پر شکن نہ پڑتی، اعتراض واختلاف سے وہ نہ گھبراتے تھے اور نہ آزردہ ہوتے تھے۔ غرض ایک میر کارواں کے لئے جو رخت سفر درکار ہوتا ہے یعنی نگہ بلند، سخن دل نواز اور جان پر سوز، وہ ان کے پاس مہیا تھا۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور مسلمانوں کو ان کا بدل نصیب کرے۔ آمین!

(بشکریہ ماہنامہ "معارف" اعظم گڑھ)

☆☆☆

اتحاد ملت کے عظیم داعی قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ

از: مولانا اسرار الحق قاسمی

علم و دانش کا آفتاب ا، عظیم مجاہد حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی علیہ الرحمہ اب ہمارے درمیان نہیں رہے۔ لیکن ان کی علمی عظمت، فکری کاوش، ملی، سماجی اور وطنی خدمت اور ہر محاذ پر ان کے رہنمایانہ وقائدانہ کردار کے لازوال ولا فانی نقوش ہمیشہ ہمیشہ تاباں و درخشاں رہیں گے۔ چار سال پہلے اپریل ۱۹۹۸ء میں ڈاکٹروں کی طرف سے کینسر کی تشخیص کے بعد بغرض علاج ان کا دہلی ہی میں مستقل قیام رہا۔ اس دوران ان کے کام اور جدوجہد میں کوئی کمی نہیں آئی۔ بلکہ علمی وملی امور میں پہلے سے زیادہ تیزی آگئی تھی۔ تقریباً چار برسوں سے یہ سلسلہ چل رہا تھا کہ طبیعت بگڑی اور حسب معمول انہیں اپولو اسپتال میں داخل کرایا گیا۔ آخری بار انہیں ۱۱ر مارچ کو اپولو اسپتال میں داخل کرایا گیا۔ لیکن جوں جوں دن گزرتے رہے، ان کی صحت میں زبردست اتار چڑھاؤ آتا رہا۔ یہاں تک کہ ۴ر اپریل ۲۰۰۲ء کی شام کو تقریباً سات بجے انہوں نے آخری سانس لی اور واصل بحق ہوگئے۔ إنا لله وإنا إليه راجعون.

قاضی صاحب علیہ الرحمہ اتحاد امت کے عظیم داعی اور پر جوش علم بردار تھے۔ کانپور مسلم پرسنل لاء بورڈ کے اجلاس کے شرکاء کی نگاہوں کے سامنے آج بھی اجلاس عام کا کبھی نہ فراموش کیا جانے والا وہ منظر ضرور ہوگا، جس میں مجاہد کی آواز گونج رہی ہے۔ وہ اتحاد امت کا ایک طاقتور پیغام پوری قوت سے سنا رہے ہیں اور لوگ گوش برآواز ہیں۔ پیغام یہ ہے ''لوگو! امت اصل ہے، امت کی بقاء امت کا تحفظ، امت کا استحکام، امت کی

وحدت اصل ہے، امت رہے گی تو تحریکیں برپا ہوتی رہیں گی۔ امت رہے گی تو تنظیمیں اور جماعتیں وجود میں آتی رہیں گی۔ جماعتیں اصل نہیں ہیں، امت اصل ہے۔ امت کبھی بانجھ نہیں رہی، تاریخ کے کسی عہد میں بھی امت بانجھ نہیں رہی، امت باقی رہے گی تو اس میں سیکڑوں ابوالحسن اور سیکڑوں منت اللہ رحمانی پیدا ہوں گے۔ (دونوں بزرگ ہستیوں کی جانب جو اسٹیج پر موجود تھیں اشارہ کرتے ہوئے) لوگو! امت کا اتحاد، امت کی امت محمدیہ والی شان اور ابراہیمی مزاج، مطلوب و مقصود ہے"۔ مجاہد کی اذان سن کر سامعین پر سناٹا چھا گیا تھا۔ مجاہد کی گھن گرج، مجاہد کا طرز تخاطب کچھ اور ہی تھا۔

پھر قاضی صاحب علیہ الرحمہ پر امت کے امتی ہونے کا رنگ مزید گہرایا، انہوں نے وحدت کا گیت گایا اور کہا کہ کلمہ طیبہ کی بنیاد پر امت کا اتحاد ضروری ہے۔ وحدت کلمہ اور وحدت امت کا پیغام چپہ چپہ پر انہوں نے دیا، ان کے اس لے میں شدت آتی گئی، ان کے دل و دماغ پر جذبات کا ایک طوفان اٹھ رہا تھا، ایک خواب تھا جو وہ دیکھ رہے تھے۔ اتحاد کا، ان کی تڑپ، ان کا سوز بڑھتا گیا، انہوں نے جوڑنے کی کوشش کی۔ تمام مسالک کے علماء کو، انہوں نے لکھنؤ کے شیعہ سنی جھگڑے کو حل کرنے اور اتحاد قائم کرنے کے لیے مولانا عبدالعلیم فاروقی، اور مولانا سید کلب صادق سے دہلی میں گھنٹوں گفتگو کی، وہ بے چین تھے اتحاد کے لیے انہوں نے مسلک کے نام پر، علاقہ کے نام پر، جماعتوں کے نام پر پائی جانے والی گروہ بندی، گروپ بندی، عصبیت، تنگ نظری کو ختم کرنے کے لیے امت واحدہ کا نعرہ بلند کیا۔ البتہ وہ علمی بنیاد پر معقول و موزوں و سنجیدہ اختلاف کو وزن دیتے تھے لیکن غیر علمی اور غیر سنجیدہ اختلاف کو نظر انداز کر دیتے تھے۔ حالیہ دنوں میں انہیں جب معلوم ہوا کہ ہندوستان کی کسی ریاست مین سلفی حنفی اختلاف شدید ہو گیا ہے اور لوگ ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنے کو تیار نہیں ہیں تو انہوں نے بستر مرگ سے نہایت جامع فتویٰ جاری کیا اور لکھا کہ ایک مسلک والوں کی نماز دوسرے مسلک والوں

کے پیچھے بالکل درست اور جائز ہے، امت فتنہ میں مبتلا نہ ہو۔

جن لوگوں نے ذات پات کے جھگڑوں کو ہوا دینے کی کوشش کی تو انہوں نے امت کو اس جانب متوجہ کیا اور اسلام کے تصور مساوات، تصور عدل کی تشریح کرتے ہوئے وحدت امت کی جانب لوٹنے کا پیغام دیا۔ انہوں نے اختلافاتِ فقہاء کی شرعی حیثیت کو موضوع بحث اس لیے بنایا تا کہ اتحاد امت کو نئی روح ملے۔

قاضی صاحب علیہ الرحمہ نے اپنی یہ آواز مصر میں بلند کی۔ خراسان میں بلند کی۔ بخارا اور سمرقند میں بلند کی اور کہا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کلمہ واحدہ کی بنیاد پر وحدت پیدا فرمائی، لہٰذا امت کو کلمہ واحدہ کی بنیاد پر ایک بننا چاہئے، امت جسم واحد ہے۔ اس کو تفریق کی قینچیوں سے نہیں کاٹا جا سکتا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم امت کو ایک بنانے اور بکھرے لوگوں کو جوڑنے آئے، ٹوٹے دلوں کو ایک کرنے آئے اور آج ہم ٹکڑے ٹکڑے کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ امت اگر علم سے دور رہی، قرآن سے دور رہی، فقہ فی الدین سے دور رہی تو امت کبھی امت نہیں بن سکے گی، امت کو اجتماعیت کے شیرازہ میں باندھنا ضروری ہے۔

انہوں نے زور دے کر کہا کہ امت کو جوڑنے والی چیزیں توحید و رسالت، وحدت انسانی، وحدت قانون اور وحدت اعمال ہیں۔ انہوں نے کہا کہ لوگوں کو یہ فرمان رسالت ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہئے کہ ”تم لوگ ہمارے بعد کفر و گمراہی میں مبتلا مت ہو جانا کہ تم میں سے ایک دوسرے کی گردن مارنے لگے“ بات بات پر ایک دوسرے کو کافر، فاسق اور ضال اور مضل قرار دینا بھی دراصل معنوی اعتبار سے گردن مارنے اور قتل کر دینے کے ہی درجہ میں ہے۔ انہوں نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی کہ اے اللہ میری امت کی گردن پر غیروں کے تلوار مسلط نہ کرنا۔ اللہ نے فرمایا دعا قبول مگر ایک شرط کے ساتھ، جب تک آپ کی امت خود ہی تلوار اپنے بھائی کی گردن پر نہیں اٹھائے گی تب تک آپ کی

امت پر غیروں کی تلوار مسلط نہیں ہوگی۔

خلاصہ یہ کہ قاضی صاحب علیہ الرحمہ نے اتحاد امت کے لیے ملک اور بیرون ملک میں مقالات پڑھے، تقریریں کیں، شخصیات کو مشورے دیئے۔ مہمیں چلائیں اور یہ سلسلہ آخر دم تک جاری رکھا۔ مرحوم اتحاد امت کے ساتھ ساتھ بین الاقوامی حالات ومسائل، بین الاقوامی تبدیلیوں، سیاسی مدوزجر پر گہری نظر رکھتے تھے۔ قاہرہ میں سابق شیخ ازہر کے ساتھ دریائے نیل کے کنارے ہونے والی خصوصی ملاقات میں، جس میں مختلف ممالک کے ۳۰ ر سے زائد بڑے علماء تھے۔ قاضی صاحب نے نہایت درد وسوز کے ساتھ یہ کہا کہ علماء خاموشی کے ساتھ تعمیری جدوجہد کریں۔ ٹکراؤ کے بجائے صبر وتحمل کا رویہ اختیار کریں اور امت کو بلند مقام پر لانے کے لیے شب وروز جدوجہد کریں۔ اس طویل میٹنگ کے بعد مختلف اسلامی ممالک کے حکمراں اور ملوک قاضی صاحب کی جانب اچانک متوجہ ہوئے اور مسلسل ان سے ملاقات کے متمنی رہے۔

قاضی صاحب علیہ الرحمہ نے عالمی سطح پر بعض اسلامی ممالک میں سیاسی تربیت کے لیے سیاسی کیمپ منعقد کرنے کی مفصل تجاویز اور منصوبے بھی پیش کیے۔ انہیں قیادت کے لیے بہتر افراد کی فراہمی کے لیے تربیت قیادت، تلاش افراد کی بہت فکر رہا کرتی۔ ان کی خصوصیت یہ تھی کہ وہ دشمن کی چالوں سے خوب واقف ہوتے، اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسا دماغ عطا کیا تھا کہ وہ بیک وقت مختلف زاویوں اور پہلوؤں پر ایک ساتھ سوچا کرتے تھے۔ ذہن بہت بیدار اور اخاذ تھا۔ ہندوستان میں سیاسی میدان میں ان کی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ وہ مسلم سیاستدانوں کو ایشوز پر سوچنے اور واضح رائے دینے کی دعوت دیتے رہتے تھے۔ وہ ان کو مسلم مسائل پر اظہار خیال کے لیے بھی بلاتے اور ان سے تبادلۂ خیال بھی کرتے۔ غیر مسلم صاحب رائے اور صاحب نظر سے استفادہ اور تبادلہ خیال کو وہ ناجائز نہیں سمجھتے تھے۔ وہ انسانی بنیادوں پر وسیع فکر کے حامل تھے۔

مخلوق خدا کی بے لوث خدمت کے وہ بڑے داعی تھے۔ چنانچہ کبھی امارت شرعیہ کی جانب سے اور کبھی ملی کونسل کی جانب سے میڈیکل کیمپ، آنکھوں کے آپریشن کا کیمپ، میڈیکل ریلیف کیمپ، موبائل میڈیکل ایڈ، وبائی امراض کے لیے مخصوص میڈیکل کیمپ قائم کرتے اور بلا لحاظ دین ومذہب وہ یہ خدمت انجام دیتے اور اس کام کے لیے زبردست مہم چلاتے۔

ہاسپٹل، کلینک کے قیام سے ان کو بہت دلچسپی تھی۔ وہ علماء کو اس کام کے لیے مسلسل آمادہ کرتے تھے۔ سماجی ضروریات، سماجی تقاضوں کا انہیں خوب علم تھا۔ وہ انسانی بنیاد پر مخلوق کی خدمت کے لیے خطوط بھیجتے، جلسے منعقد کرتے، پروگرام بناتے، سماجی کارکنوں سے رابطے قائم کرتے، وہ الخلق عیال اللہ کے وسیع تناظر میں ہندوستان میں عظیم سماجی خدمت انجام دیتے۔ قاضی صاحب علیہ الرحمہ کی ہندوستانی مسلمانوں کے لیے سیاسی حکمت عملی بالکل واضح تھی۔ وہ کسی بھی قسم کے ٹکراؤ، جذباتی نعروں، مظاہروں، نعرہ بازیوں اور تصادم کے انداز اور سوچ کو بالکل پسند نہیں کرتے تھے۔ وہ مسلسل نوجوانوں کو تلقین کرتے تھے کہ وہ جذباتیت کا طریقہ ترک کریں۔ تعمیری کام زیادہ کریں، نفرت کے بجائے محبت تقسیم کریں، اپنے کاموں سے غلط فہمیوں کو دور کریں۔

(بشکریہ روزنامہ ''راشٹریہ سہارا'' گورکھپور)

☆☆☆

ایسی چنگاری بھی یارب اپنے خاکستر میں تھی

از:- مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی
شیخ الحدیث مدرسہ امداد العلوم صدر میرٹھ

آج سے ۳۵ رسال پہلے دارالعلوم دیوبند کے مہمان خانے میں حضرت امیر شریعت مولانا منت اللہ رحمانی قدس سرہ کے ساتھ ایک ایسے ''شخص'' سے ملاقات ہوئی جس میں ''شخصیت'' کی کرنیں پھوٹتی ہوئی محسوس ہورہی تھیں۔ وہ بات کرتے تو لفظ لفظ میں ان کے علم کا جلوہ جھلک اٹھتا وہ چلتے تو وقار وسنجیدگی ان پر ناز کرتی ہوئی دکھائی دیتی۔ وہ شیرینیٔ گفتار سے زیادہ عظمت کردار کے سانچے میں ڈھلے ہوئے نظر آتے ان کے ہر زاویہ سے ایک ابھرتی ہوئی شخصیت کا جلوۂ صدرنگ اور علم ودانش کا نکہت ونور بکھرتا ہوا محسوس ہوتا۔ یہ تھے حضرت قاضی مجاہد الاسلام قاسمی۔

میری یہ ملاقات امارت شرعیہ بہار کی طرف سے شائع ہونے والے ہفتہ وار رسالہ ''نقیب'' کی ادارتی ذمہ داری سنبھالنے کے سلسلے میں ہوئی تھی۔ اگرچہ میں اپنی بعض شدید مصروفیات کے باعث یہ ذمہ داری نہ سنبھال سکا لیکن اس ملاقات نے ذہنی توافق اور فکری ہم آہنگی کی جو راہ ہموار کردی میں پورے خلوص واعتماد کے ساتھ اس راہ پر چلتا رہا۔ فاصلے قربت میں بدلتے رہے اور زندگی کے بھاگتے دوڑتے لمحوں میں حضرت امیر شریعت مولانا منت اللہ صاحب رحمانی قدس سرہ کی قومی، ملی، دینی اور سماجی سرگرمیوں اور ان کے منصوبوں کی تکمیل کو ملت مسلمہ کی کامیابی تصور کرتا رہا اور حسب توفیق ان میں شرکت کی سعادت بھی حاصل کرتا رہا۔

وقت اور حالات کے ساتھ حضرت قاضی مجاہد الاسلام قاسمی ابھرتے، نکھرتے، چمکتے، دمکتے ہوئے آگے بڑھتے رہے ان کی شخصیت نمایاں ہوتی رہی، ان کے علم وفکر کی وسعت زمین سے آسمان کی بلندیوں کو چھوتی رہی۔ وہ حضرت امیر شریعت کی تربیت کا عکس جمیل بن کر ہندوستان کے گوشے گوشے پر چھاتے چلے گئے اور پھر وہ وقت بھی آیا جب ان کی فقیہانہ بصیرت اور علمی ثقاہت نے عالم عرب کو متاثر کیا اور پورے عالم اسلام میں ان کے علم وفکر کی چاندنی پھیل گئی اور تمام دینی، علمی، سیاسی، قومی تحریکات میں ان کی شرکت کو خصوصی اہمیت کی نظر سے دیکھا جانے لگا۔

حضرت قاضی مجاہد الاسلام قاسمی کی ٦٦ / برس کی مختصر سی زندگی ان کی طویل جدوجہد اور عظیم کارناموں کے باعث صدیوں سے آگے بڑھ گئی اور وہ اپنی ذات میں ایک انجمن، ایک مکمل ادارہ اور ایک ہمہ جہت جامع شخصیت بن گئے۔

اجتماعی اجتہاد کا قیام

انہوں نے ہندوستان میں اسلامی فقہ اکیڈمی کے نام سے ایک ایسا ادارہ قائم کیا جس سے ہندو بیرون ہند کے تین سو بالغ نظر علماء کی ایسی فعال ٹیم تیار کی جو جدید مسائل شریعت کے حل میں خود کفالت کے مقام تک پہنچ گئی اور عالم اسلام میں ان کی رائے پر اعتماد کیا جانے لگا۔

حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے برسہا برس کی محنت اور شب وروز کی جدوجہد کے بعد علماء کے فکری جمود کو توڑا اور گویا اجتماعی اجتہاد کی راہ ہموار کی جو وقت اور حالات کے تقاضوں کی زبردست تکمیل تھی انہوں نے اس سلسلے میں فقہی سیمنار کا انعقاد فقہی مجلّہ ''بحث ونظر'' اور فقہی کتابوں کے تراجم کی اشاعت اور الموسوعۃ الفقہیۃ کی چالیس ضخیم جلدوں کو اردو کا لباس پہنا کر ایسی تاریخ قائم کی جو رہتی دنیا تک ان کے کارناموں کی یاد دلاتی رہے گی۔

ہندوستان میں ملت مسلمہ کی آبرو، ان کے حقوق شہریت کی بحالی اور ان کی علمی، اقتصادی اور سیاسی پسماندگی کو دور کرنے کے لئے ''ملی کونسل'' قائم کر کے ملت کے بھنور میں پھنسے سفینہ کو ساحل نجات تک لانے کی کامیاب کوشش فرمائی اور ان کی بکھری ہوئی آواز کو ایک مضبوط پلیٹ فارم پر جمع کر کے اس طرح اونچا اٹھادیا کہ ہندوستا میں اس کا غلغلہ برپا ہوگیا۔

حق گوئی و بے باکی

حضرت قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ نے جس جرأت اور بیباکی کے ساتھ صاحب اقتدار لوگوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ملت کے مسائل اٹھائے وہ دور حاضر میں صرف انہیں کا حصہ تھے۔

بابری مسجد کی شہادت کے بعد مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کی قیادت میں اس وقت کے وزیر اعظم نرسمہاراؤ سے ایک وفد نے ملاقات کی۔ حضرت علی میاں نے نرسمہاراؤ سے کہا کہ میں عرب اور یورپ کے ملکوں میں جانے والا ہوں میں آپ سے صرف یہ پوچھنے آیا ہوں کہ لوگ بابری مسجد کے بارے میں مجھ سے سوال کریں گے تو میں آپ کی طرف سے اس کا کیا جواب دوں گا؟

وزیر اعظم کچھ دیر تک خاموش رہے اور ان سے کوئی جواب نہیں بن پڑا تو حضرت قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کھڑے ہوگئے اور پوری جرأت و بیباکی کے ساتھ فرمایا کہ جس ملک کے وزیر اعظم کے پاس اس سوال کا جواب نہ ہو اس کو فوراً اپنے عہدہ سے استعفیٰ دے دینا چاہئے۔

حضرت قاضیؒ صاحب کی بیباکی کا یہ پہلا واقعہ نہیں تھا بلکہ مختلف مواقع پر ملت کے مسائل کی ترجمانی میں ان کی جرأت گفتار و کردار کے بے شمار نمونوں پر اہل علم و دانش کی شہادتیں موجود ہیں وہ پورے طور پر علامہ اقبال کے اس شعر کے مصداق تھے۔ ؎

آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

خاکستر ملت کی چنگاری

حضرت قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ نے آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کی صدارت قبول کرنے سے پہلے اور اس کے بعد بھی موقع بہ موقع شریعت اسلامیہ کی عظمت واہمیت کی ایسی تشریح وترجمانی فرمائی کہ ہندوستان کے غیر مسلم وکلاء، ماہرین قانون، دانشوروں اور خود وزیر اعظم راجیو گاندھی نے ان کا اعتراف کیا اور پارلیمنٹ سے مسلم عائلی قوانین کی اہمیت تسلیم کرائی اور اس کو قانونی درجہ دلایا۔

ملت کے مختلف مکاتب فکر کو شریعت اسلامیہ کے کلمۂ وحدت پر جمع کرنے کا جو جامع ترین منصوبہ حضرت امیر شریعت مولانا منت اللہ رحمانیؒ نے بنایا تھا حقیقت یہ ہے کہ حضرت قاضی صاحبؒ نے اس خاکے میں ایسا رنگ ونور بھرا کہ اس کی تابانی اور درخشانی کبھی ماند نہیں پڑ سکتی۔

حضرت قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ راکھ کے ڈھیر میں ایک ایسی چنگاری تھے جس نے پورے ڈھیر کو اپنے نفس گرم سے سلگا کر شعلہ بنا دیا تھا اور اب اس کے بجھ جانے کے بعد ہر شخص بصد حسرت وافسوس کہہ رہا ہے۔

ایسی چنگاری بھی یارب اپنے خاکستر میں تھی

بادشاہی میں فقیری

قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کو علم وفکر کی وسعت کے ساتھ خدا نے ذرائع ووسائل کی کثرت بھی فراہم کی۔ میں بلا خوف تردید کہہ سکتا ہوں کہ وہ دور حاضر کے ”بے تاج بادشاہ“ تھے اور ان کے حدود سلطنت میں صرف انہیں کا سکہ چلتا تھا لیکن قربان جایئے اس فقیر کی شان استغناء پر جس نے شاہی میں فقیری کی ادا نہ چھوڑی اور لمحہ لمحہ " الفقر

فخری" کا نمونہ بنا رہا۔

اس درویش صفت بادشاہ نے نہ انواع واقسام کے لذیذ کھانوں اور پکوانوں سے کام ودہن کو آشنا کیا۔ نہ لباس وپوشاک میں زیب وزینت پر نظر ڈالی نہ زندگی کی آرائشوں اور آسائشوں کو مطلوب بنایا۔ بس وہی موٹا جھوٹا سا ڈھیلا ڈھالا کرتا اور چوڑی مہری کا پاجامہ اور اوپر سے ایک سفید رومال اور سوتی دھاگے کی جالی دار ٹوپی ان کے معمول کا لباس بنا رہا۔ کھانے میں بالکل سادہ پھیکا سا کھانا روٹی، دال، سبزی یا گوشت، چاول اور وقت پر جو کچھ میسر ہو جسے آپ طعام ماحضر کہئے ان کی شاہی خوراک تھی وہ مرغ وماہی، پلاؤ وبریانی اور ذوق واجد علی شاہی سے دور پر تکلف کھانوں کی نئی نئی کوالٹی اور ورائٹی اور ناؤنوش کے تصور سے پاک صاف رہتے تھے وہ ان لوگوں میں نہیں تھے جن کے بارے میں علامہ اقبال کے شعر کی زیڑھ مار کر کہا جاتا ہے۔

نشانِ مردِ مؤمن با تو گویم
چوں مرغ آید تبسم برلب اوست

وہ جو بیچتے تھے دوائے دل

قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ معروف معنوں میں بزرگ نہیں تھے ان میں موجودہ دور کی بزرگانہ ادائیں بھی نہیں تھیں۔ اسی لئے ظاہر بینوں کو ان میں مروج تقویٰ کی محسوس کمی دکھائی دیتی تھی۔ وہ عربی، اردو، فارسی، ہندی، انگریزی زبانوں میں پوری قوت گویائی رکھتے تھے اور عالمی حالات سے باخبر رہنے کے لئے وہ پابندی سے ان زبانوں کی نشریات کو ریڈیو اور دیگر ذرائع ابلاغ پر سنتے، پڑھتے اور دیکھتے تھے اور ایک نبض شناس ماہر حکیم کی طرح مسلم مسائل اور حالات کے زخموں کا مرہم ڈھونڈ لیتے تھے۔ وہ جدید وقدیم حقائق ومعلومات کا ایک انسائیکلوپیڈیا تھے۔ ان کی پوری زندگی ایک کھلی کتاب کی طرح قوم کے سامنے تھی اور ان کے ظاہر وباطن میں مکمل یکسانیت تھی ان کی کتاب

حیات کا ورق ورق روشن تھا اور کسی صفحے پر کوئی داغ دھبہ نظر نہیں آتا تھا۔ ان کے بارے میں ان کے مخالفین کو بھی کبھی یہ کہنے کی جرأت نہیں ہوئی کہ ؎

کھلا تو اس میں گناہوں کے کتنے باب ملے
وہ بند تھا تو مقدس کتاب لگتا تھا

علم و حلم کے مجاہد اسلام

قاضی صاحب میں عالمانہ وقار اور تحمل کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا وہ اپنے مخالفین کی تنقیدات کو نہ صرف برداشت کرتے تھے بلکہ زیادہ صحیح لفظوں میں ان کی گالیاں سن کر بھی بے مزہ نہیں ہوتے تھے۔ بعض فقہی مسائل میں ان سے اختلاف رکھنے والے انہیں اباحیت پسند، جدیدیت کا علمبردار اور مودودی فکر کا نمائندہ قرار دے کر ان کی شخصیت کو مجروح کرنے کی دھن میں لگے رہتے تھے مگر یہ مسافر خجستہ گام صرف اپنے کام سے کام اور متانت و سنجیدگی کے ساتھ اپنی رائے کے استحکام پر نظر رکھتا تھا۔

قاضی صاحب صرف نام کے مجاہد الاسلام نہیں تھے بلکہ کام کے مجاہد تھے۔ لیکن ان کا جہاد تلوار اور ہتھیار کے بجائے زبان و قلم اور فکر و نظر اور دلائل کی قوت سے ہوتا تھا وہ اپنے موقف کی حمایت میں فریق مخالف پر جب علمی وار کرتے تھے تو اس کے لئے پسپائی اور راہ فرار اختیار کرنے کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہیں رہتا تھا۔ علامہ اقبال مرحوم نے انہیں جیسے مرد مجاہد کے لئے فرمایا تھا۔ ع

مؤمن ہو تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

ہمہ جہت خورد نواز بزرگ

قاضی صاحب مذہب، سیاست، اخلاق و معاشرت، تہذیب و تمدن اور زندگی کے مختلف گوشوں پر گہری نظر رکھتے تھے وہ ایک ہمہ جہت شخصیت تھے اور ہر شعبۂ حیات اور بدلتے ہوئے انسانی حالات میں قانون شریعت کی بالادستی کے نہ صرف قائل تھے بلکہ

شریعت اسلامی کو انسانی مسائل کے طوفان میں سفینۂ نجات قرار دیتے تھے۔

قاضی صاحب صحیح معنوں میں ایک خورد نواز بزرگ تھے اور ذرے کو آفتاب بنانے کا کامیاب سلیقہ رکھتے تھے وہ کسی شخص کی رائے کو بڑے چھوٹے کے پیمانے سے نہیں ناپتے تھے بلکہ رائے کی صحیح قدر و قیمت کو پرکھ کر اس کا جائز اور موزوں مقام عطا کرتے تھے ان کی تصانیف اور تالیفات اور ان کے قضایا اور فقہی مجلدات اور ''بحث ونظر'' کے صفحات اس کے شاہد عدل ہیں۔

اشک فراق

قاضی صاحب علیہ الرحمہ سے میرا ظاہری تعلق برائے نام ہی تھا لیکن معنوی طور پر ان سے میرے اتنے گہرے مراسم تھے کہ ۳۵ ر سالوں کے طویل لمحات میں ان کے نقوش پھیکے پڑنے کے بجائے تابندہ تر ہوتے رہے اور جب بلڈ کینسر اور شوگر کے موذی مرض نے ۴ر اپریل ۲۰۰۲ء مطابق ۲۰ر محرم ۱۴۲۳ھ کو شام کا سورج ڈھلتے ہی امت مسلمہ کے اس ''متاع گرانمایہ'' کو شبستان خاک میں سلا دیا تو بے ساختہ آنکھوں سے اشک غم کا طوفان امڈ پڑا اور لرزتے ہوئے دل اور تھرتھراتی ہوئی زبان سے یہ آواز ابھرنے لگی۔

اے خاک تیرہ خاطرِ مہمان نگاہ دار
ایں نورِ دیدہ ماست کہ در بر کشیدۂ

(بشکریہ ماہنامہ ''اتباع سنت'' دیوبند)

☆☆☆

امت مسلمہ پر رب کائنات کا فضل مبین

از: مولانا بدرالحسن قاسمی
وزارت اوقاف کویت

حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحب ”صرف اپنی نوعیت کے ایک منفرد عالم دین ہی نہ تھے بلکہ امت مسلمہ پر رب کائنات کے ”فضل مبین“ بھی تھے۔ انہیں اللہ نے غیر معمولی ذہانت اور انتہائی زرخیز دماغ عطا فرمایا تھا۔ پھر انہیں دینی علوم میں مہارت اور ایسی فقہی بصیرت عنایت فرمائی تھی جو شاذ و نادر ہی کسی کو ملا کرتی ہے۔

وہ بیک وقت ایک مایۂ ناز فقیہ، ایک کامیاب مدرس، ایک بابصیرت قاضی، ایک شعلہ بیان خطیب و مقرر اور ایک بہترین مفکر و دانشور سبھی کچھ تھے۔

مولانا نے دارالعلوم دیوبند سے سندِ فراغت حاصل کی اوراپنی جماعت میں سب سے زیادہ نمبرات حاصل کرکے نیا ریکارڈ قائم کیا۔ فراغت کے بعد مولانا نے تدریسی زندگی شروع کی اور جلد ہی انہیں جامعہ رحمانی مونگیر میں فقہ وحدیث کی اونچی کتابیں پڑھانے کا موقع ملا اور وہاں ان کی تدریسی قابلیت کے جوہر کھلے، اوراپنے وقت کے مقبول ترین اساتذہ و مدرسین میں ان کا شمار ہونے لگا۔

اس زمانہ میں جامعہ رحمانی اور خانقاہ مونگیر کی رونق حضرت مولانا منت اللہ رحمانی مرحوم کی ذات سے تھی جنہیں اللہ نے جوہر شناسی کا خوب ملکہ عطا فرمایا تھا۔ جب ان کا انتخاب امیر شریعت رابع کی حیثیت سے ہوا تو انہوں نے اس جوہر قابل کو ”امارت شرعیہ“ میں افتاء وقضاء کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے ساتھ ساتھ ”امارت کی تعمیر نو“ کے لیے پٹنہ بھیج دیا۔ جہاں انہوں نے بڑی محنت اور جانکاہی کی زندگی شروع کی اوراپنے مخلص ترین رفقاء کے ساتھ امارت شرعیہ کی تعمیر وترقی میں لگ گئے اور پھر تو امارت شرعیہ

ان کی زندگی اور وہ امارت شرعیہ کی بن گئے۔ چنانچہ وفات کے وقت نائب امیر شریعت کے منصب پر فائز تھے۔

مولانا قاضی مجاہدالاسلام نے امارت شرعیہ میں اپنی زندگی کے تقریباً ۳۵ رسال بسر کیے اور ہزاروں معاملات کے فیصلے کیے اور نظام امارت کا جز بن کر اندرون صوبہ اور بیرون صوبہ ہزاروں تقریریں کیں۔ دوسرے صوبوں میں امارت شرعیہ کے قیام کی جدوجہد کی اور ملک کے مختلف علاقوں میں دارالقضاء قائم کرائے اور ''قاضی'' کا لقب ان کے نام کا جز اس طرح بن گیا کہ قاضی صاحب کے لفظ سے لوگوں کا ذہن مولانا مجاہد الاسلام قاسمی کی طرف ہی منتقل ہوتا تھا۔ قاضی مجاہد الاسلام صاحب نے امارت شرعیہ کو ایک نہایت معتبر اور باوقار ادارہ بنانے میں بے پناہ کامیابی حاصل کی۔ امارت شرعیہ کا سجاد ہاسپٹل، المعہد العالی للقضاء والافتاء اور متعدد ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ بلا شبہ مولانا مجاہدالاسلام صاحبؒ کی کوششوں کا کرشمہ ہیں۔

مولانا مجاہدالاسلام صاحبؒ نے امیر شریعت حضرت مولانا منت اللہ رحمانی کی زندگی میں اپنی شخصیت کی انفرادیت کو حضرت امیر کی شخصیت میں گم رکھا اور کبھی اس کی کوشش نہیں کی کہ اپنے لیے کوئی مستقل مقام بنائیں، لیکن حضرت امیر شریعت کے انتقال کے بعد سے انہوں نے مسلمانوں کی قیادت کے میدان میں پائے جانے والے خلا کو اپنی بے مثال شخصیت اور غیر معمولی صلاحیتوں سے بہت جلد پر کر دیا۔

آل انڈیا پیمانہ پر مسلمانوں کے مسائل کو مؤثر طور پر پیش کرنے کے لیے ایک مشترکہ پلیٹ فارم کی ضرورت کے پیش نظر مولانا نے آل انڈیا ملی کونسل کی بنیاد رکھی۔ کچھ ہی عرصہ کے بعد ہندو انتہا پسندی میں اضافہ ہندو تنظیموں کی طرف سے شدت پسندی، بابری مسجد کے انہدام اور اس کے بعد بڑے پیمانہ پر مسلم کش فسادات نے ثابت کر دیا کہ مولانا کا اقدام بروقت اور انتہائی بصیرت پر مبنی تھا اور اس میں شک نہیں کہ آل انڈیا ملی کونسل نے ٹاڈا کے قانون اور بعض دیگر مسلم مخالف کارروائیوں کے خلاف جتنا مؤثر قدم اٹھایا وہ کسی اور ملی تنظیم کی طرف سے نہیں اٹھایا جا سکا۔

آل انڈیا ملی کونسل کا سب سے زیادہ خوش آئند پہلو یہ ہے کہ اس میں مذہبی عصبیت اور گروہی یا علاقائی تفرقہ اندازیوں کی گنجائش نہیں ہے۔ ہندوستان کے مسلمانوں کو اس وقت ہندو انتہا پسندی کے فروغ کے بعد سے جس قدر خطرناک چیلنج کا سامنا ہے، اس کے مقابلہ کے لیے اس سے بہتر اور کوئی تجویز نہیں ہوسکتی کہ تمام مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا جائے اور اپنے وجود و بقا کی جنگ مشترکہ طور پر لڑی جائے۔

آل انڈیا ملی کونسل کو دوسری تنظیموں کے مقابلہ میں ایک برتری یہ بھی حاصل ہے کہ اس کے اصولوں میں درپیش مسائل و مشکلات کے حل کے لیے صرف احتجاج اور پروٹسٹ کرنے اور منانے، بند یا دھرنا دینے کے طریقہ پر اکتفا نہیں کیا گیا ہے، بلکہ ایک طرف مسلمانوں میں حقیقی بیداری پیدا کرنے، ان کی تعلیمی و معاشی سطح کو بلند کرنے کے عملی طریقے بتائے گئے ہیں، تو دوسری طرف قانونی و دستوری جنگ پر زور دیا گیا ہے اور ہر گاؤں اور علاقہ میں قانونی سیل قائم کرنے اور مظلومیت کے شکار مسلمانوں تک بروقت قانونی مدد پہنچانے اور ان کے مسائل کو ایک قومی مسئلہ کی طرح اٹھانے پر زور دیا گیا ہے۔

ظاہر بات ہے کہ ان پہلوؤں کی افادیت مکمل طور پر اس وقت سامنے آسکتی ہے جب کہ ان تصورات کو عملی جامہ پہنایا جائے اور ان خاکوں میں رنگ بھرا جائے، اس کی ضرورت مولانا مجاہد الاسلام قاسمیؒ کے بعد اور زیادہ بڑھ گئی ہے اور گجرات میں جاری منظم نسل کشی نے مولانا کے جانشینوں کی ذمہ داریاں اور بڑھا دی ہیں، اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ خود مولانا کی زندگی کے آخری ایام میں اس میدان میں جو اضمحلال آگیا تھا اسے دور کیا جائے اور ملی کارواں کے مقاصد کو ازسرنو روبہ عمل لایا جائے۔

مولانا مجاہد الاسلام قاسمیؒ کی ملی سرگرمیوں کا ایک اہم اور مضبوط پلیٹ فارم آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کی قیادت بھی تھی۔ آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ ہندوستانی مسلمانوں کے دل کی آواز، وقت کی ضرورت اور ملت کی اجتماعی جدوجہد کا سب سے مضبوط قلعہ اور ایک ایسا پلیٹ فارم ہے جس پر بآسانی پوری ملت کو اکٹھا کیا جاسکتا ہے اور اپنے حقوق کے لیے قانونی و دستوری جنگ لڑی جاسکتی ہے۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کی تشکیل اور اس کی آبیاری میں سب سے زیادہ خون دل اگر صرف ہوا تھا تو وہ امیر شریعت مولانا منت اللہ رحمانی کا اور ان کے دست راست ہونے کی حیثیت سے سب سے زیادہ دماغی توانائی اگر کسی نے صرف کی ہے تو وہ مولانا مجاہد الاسلام قاسمی مرحوم نے جس کا اقرار واعتراف بورڈ کے تمام ذمہ داروں اور ارکان کو ہمیشہ رہا ہے۔ بورڈ کے پہلے صدر حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ منتخب کیے گئے تھے جو ملت اسلامیہ کی عظمت کا نشانہ تھے، پھر ان کے وصال کے بعد پرسنل لاء بورڈ کی صدارت مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کے حصہ میں آئی جن کی دینی ودعوتی خدمات کا سکہ عرب وعجم میں رائج تھا، لیکن خود حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ کے بقول آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کی فعالیت مولانا منت اللہ رحمانیؒ کی بے پناہ محنت اور عالی دماغی کی رہین منت تھی۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کی صدارت کا منصب مولانا مجاہد الاسلام قاسمی صاحبؒ کو ایسے وقت میں ملا جب کہ ان کی صحت انتہائی طور پر خراب ہوگئی تھی لیکن یہ واقعہ ہے کہ پرسنل لاء کے مسائل پر مولانا کو جتنا عبور تھا اور ان کو جس طرح خوش اسلوبی اور مضبوط دلائل کے ساتھ وہ پیش کرسکتے تھے کوئی اور نہیں کرسکتا تھا۔ اس معاملہ میں ان کا کوئی شریک وسہیم نہیں تھا۔ مولانا مجاہد الاسلام قاسمیؒ ان عبقری شخصیتوں میں سے تھے جنہوں نے بیک وقت متعدد اہم کارنامے انجام دیئے ہیں، اور ان کا ہر کارنامہ اس قابل ہے کہ اس کو ان کی خدمات جلیلہ کا شاہکار کہا جاسکتا ہے۔

• انہوں نے قضاء کا منصب سنبھالا تو ایک غیر مسلم اکثریت والے ملک میں ہوتے ہوئے بھی اس منصب کو بے پناہ وقار واعتبار عطا کیا اور اپنے فیصلوں سے بڑے بڑے ججوں کو بھی مات کیا پھر تصنیفی طور پر اسلام میں قضاء کے مقام اور قاضی کے منصب کی وضاحت کی اور اسلام کا نظام عدالت نامی کتاب لکھی اور جگہ جگہ دار القضاء کے قیام کی تحریک چلائی۔

عربی میں ''صنوان القضاء'' جیسی لازوال کتاب کو ایڈٹ کیا اور اسے کویت کی وزارت اوقاف وشئون اسلامیہ جیسے اہم ومستند ادارے سے شائع کرایا اور ابتدائے عمر

سے تصنیف وتالیف کی طرف کوئی خاص توجہ نہ ہونے کے باوجود عین بیماری کے عالم میں اس اہم کام کو انجام دیا۔

مسلم پرسنل کے کاموں میں الجھے تو اس کی بہت سی گتھیاں سلجھائیں اور پرسنل لاء بورڈ کی صدارت کے منصب پر پہنچنے سے پہلے ہی نظریاتی سطح پر اس کی اتنی خدمت انجام دی جو اوروں کی خدمات پر یقیناً بھاری ہے۔ چنانچہ پرسنل لاء بورڈ کی ہر مجلس میں فقہی وقانونی مباحث کے لیے مولانا کی ذات ہی ہمیشہ مرجع بنی رہی۔ صدر بننے کے بعد مجموعہ قوانین اسلام کو بڑی مشکلوں سے شائع کرایا اور یہ اہم کام برسوں سے جس طرح غیر ضروری تعویق میں پڑا رہا اور حضرت مولانا علی میاں ندویؒ اپنی پوری مدت صدارت میں اس کی اشاعت کے لیے کوشاں رہے لیکن کامیابی نہ ہو سکی تھی مولانا نے بڑی حکمت سے مسودہ کو شکنجہ سے نکالا اور اردو اور انگلش دونوں زبانوں میں اسے پورے آب وتاب سے شائع کرایا اور بڑے پیمانہ پر اس اس کی افتتاحی تقریب بھی منعقد کی گئی۔ ان سب کارناموں کے علاوہ ان کے اپنے ذوق ومزاج کے لحاظ سے ''اسلامی فقہ اکیڈمی'' کو ان کی خدمات کا شاہکار کارنامہ کہا جاسکتا ہے۔

اس طرح کے اکیڈمی کا بنیادی خاکہ تو برسوں پہلے آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے ایک اجتماع کے موقع پر مولانا کی قیادت میں چند باحوصلہ نوجوان علماء نے حیدرآباد میں تیار کیا تھا لیکن اس وقت میری تجویز پر نام "مرکز البحث العلمی" رکھا گیا تھا اور جنوبی افریقہ سے آئے ہوئے چند نئے پیدا شدہ مسائل سے متعلق سوالات کے جوابات گویا اس کا پہلا تحقیقی کارنامہ تھا۔ لیکن دہلی میں آبجیکٹیو اسٹڈیز کے قیام کے بعد ہی یہ خواب پورے طور پر شرمندۂ تعبیر ہو سکا اور باقاعدہ طور پر اسلامی فقہ اکیڈمی کے قیام کا اعلان کر دیا گیا۔ آج مولانا کی بے مثال رہنمائی اور انتھک جدوجہد کی وجہ سے ایک تناور ہی نہیں گل افشاں اور بارآور درخت کی حیثیت اختیار کر لی ہے۔

اس کی شہرت ہندوستان میں ہی نہیں ہندوستان سے باہر بھی ہے اور اس کے کارناموں کا عالم عرب کے نامور شخصیتوں نے بھی دل کھول کر اعتراف کیا ہے اور اس

کے کارہائے نمایاں اپنی کمیت اور کیفیت دونوں لحاظ سے عرب اور اسلامی دنیا کی مشابہ اکیڈمیوں سے کسی طرح کم نہیں ہیں۔

عالم اسلام کے نامور اور مستند فقیہ مولانا محمد تقی عثمانی، کویت میں اسلامی شریعت کے نفاذ کے ذمہ دار اعلیٰ ڈاکٹر خالد المذکور، شام کے نامور فقیہ اور متعدد انسائیکلو پیڈیائی کتابوں کے مصنف ڈاکٹر وہبہ الزحیلی، اسلامی آرگنائزیشن کانفرنس کی نمائندہ فقہ اکیڈمی کے سکریٹری جنرل ڈاکٹر الحبیب بلخوجہ شام کے مشہور فقیہ اور درجنوں فقہی انسائیکلو پیڈیا کے مصنف ڈاکٹر محمد رواس قلعہ جی، قطر کے شیخ عبدالرحمٰن آل محمود نے نہ صرف اسلامی فقہ اکیڈمی کے سمیناروں میں شرکت کی ہے بلکہ اس کے طریقہ کار اور منہج کو سراہا بھی ہے اور دوسرے اداروں کو اس کا طرز اختیار کرنے کی دعوت بھی دی ہے۔ اکیڈمی کے ۱۳، ۱۴ ر سمیناروں میں پیش کردہ ابحاث ایک عظیم فقہی سرمایہ ہیں اور اجتماعی طور پر جدید فقہی مسائل کو حل کرنے کی کوششوں کی بہترین مثال ہے۔

اسلامی فقہ اکیڈمی کے ان کارناموں کے علاوہ مولانا مجاہد الاسلام قاسمی صاحبؒ کی عظمت وعبقریت اور اسلامی فقہ اکیڈمی کی کامیابی کی ایک بڑی دلیل نوجوان علماء کی وہ کھیپ ہے جو مولانا نے تیار کردی ہے جس کی دلچسپی درسی کتابوں کے شروح وحواشی سے آگے نہ تھی لیکن اب وہ مولانا مجاہد الاسلام کے فیض نظر سے نہ صرف مصنف اور مقالہ نویس بن گئے ہیں بلکہ وہ ہر نئے فقہی مسئلہ پر خوب داد تحقیق بھی دے سکتے ہیں اور دنیا کے کسی بھی بڑے سے بڑے علمی وفقہی سمینار اور کانفرنس میں آسانی کے ساتھ حصہ لے سکتے ہیں۔ یہ یقیناً مولانا مجاہد الاسلام قاسمیؒ کی 'فقہی بیداری' کی تحریک کا براہ راست یا بالواسطہ اثر ہے جس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

'فقہی اکیڈمی' تو ایک عنوان ہے، دراصل زندگی کے آخری سالوں میں اور خاص طور پر بیماری کے بعد سے بجائے اضمحلال اور مایوسی کے مولانا کی زندگی میں غیر معمولی حوصلہ مندی پیدا ہوگئی تھی۔ بڑے بڑے منصوبوں کے لیے ان کا دماغ تو شروع سے ہی کافی زرخیز واقع ہوا تھا لیکن خاص طور پر بیماری کے بعد سے تو وہ سراپا منصوبہ ہی بن گئے

تھے شاید ہی کوئی ہفتہ گزرتا ہو جس میں ان کا ٹیلی فون نہ آئے کبھی کبھی تو ایک دن میں کئی کئی بار ٹیلی فون کرتے اور ہمیشہ کوئی نہ کوئی نیا خاکہ اور نیا منصوبہ سامنے رکھتے۔ ان کو اللہ نے جن بڑے کارناموں کے انجام دینے کی توفیق دی ہے ان میں کویت سے چالیس سے زائد ضخیم جلدوں میں شائع ہونے والی عظیم فقہی انسائیکلوپیڈیا کا اردو ترجمہ بھی ہے۔ خالص فقہی اصطلاحوں سے مرصع اتنی بڑی کتاب جس کی تیاری گزشتہ ۳۵ رسالوں سے مختلف فقہی مذاہب کے علماء کی ایک بڑی ٹیم انجام دے رہی ہے، اس کے ترجمہ کے بارے میں سوچنا اور پھر اسے عملی جامہ پہنانا یہ مولانا مجاہد الاسلام قاسمیؒ جیسے باعظمت انسانوں کا ہی کام ہوسکتا ہے۔ انہوں نے اس کے لیے نوجوان علماء کی ایک ایسی منتخب ٹیم تشکیل دی کہ حیرت انگیز طور پر نہایت ہی کم عرصہ میں اس کام کا بڑا حصہ تیار ہوگیا ؎

ایں سعادت بزور بازو نیست

افسوس ہے کہ ان کی تمنا کے مطابق ان کی عربی کتاب ''صنوان القضا'' تو وفات سے پہلے ان کو مطبوعہ شکل میں دکھلانے میں کامیاب ہوگیا لیکن وفات سے صرف ۳ ر دن پہلے ٹیلی فون پر ان کی بار بار کی یہ آرزو سن کر کہ اردو موسوعہ کی کم از کم پہلی جلد چھپی ہوئی شکل میں مجھے دکھلا دو میں پوری نہ کرسکا، جس کی وجہ بعض انتظامی دشواریاں تھیں۔ یقیناً اس موسوعہ کی اردو میں مکمل طور پر طباعت ان کی روح کے لیے تسکین کا باعث ہوگی۔ یہ محض مولانا کی زندگی کے چند گوشوں کی طرف ایک سرسری اشارہ ہے۔ ان کے تمام اوصاف و کمالات اور ان کی زندگی کے سارے پہلوؤں پر روشنی ڈالنے کے لیے تو فرصت درکار ہوگی ؎

سفینہ چاہئے اس بحر بیکراں کے لیے

(بشکریہ ماہنامہ ''راشٹریہ سہارا'' گورکھپور)

☆☆☆

اک دھوپ تھی جو ساتھ گئی آفتاب کے

از: مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

۴؍اپریل کا سورج جب غروب ہورہا تھا تو کسے خبر تھی کہ یہ علم و تحقیق کے ایک اور سورج کے غروب ہونے کی اطلاع دے رہا ہے۔ ایسا سورج جو دن کی طرح رات میں بھی اپنی روشنی بکھیرتا رہتا تھا جو سپید صبح، سانولی شام اور گیسوئے جاناں کی طرح کالی رات میں بھی ہر نیم روز بن کر چمکتا اور دل و دماغ اور فکر و نظر کی ظلمتوں سے نبرد آزما رہتا تھا، حق و راستی، علم و تحقیق اور محبت و پیار کے اس آفتاب کا نام قاضی مجاہد الاسلام قاسمی ہے۔ وہ امت کے لیے اتحاد کی ایک علامت تھے، وہ ملت کے ہر درد کے درماں سمجھے جاتے تھے، ملک کے کسی کونہ میں مسلمانوں پر کوئی آزمائش آئے، آپ پر لوگوں کی نگاہ ہوتی اور واقعی آپ اپنی جرأت فرزانہ، تدبیر حکیمانہ اور فراست مومنانہ کے ذریعہ اس مشکل کی عقدہ کشائی کرتے، ایک ایسے وقت میں کہ امت کا سفینہ بھنور میں ہے، سفینہ اپنے آزمودہ کار ناخدا سے محروم ہوگیا ہے، خدا کرے کہ امت کو اس کا بدل میسر آئے۔

حضرت قاضی صاحبؒ مختلف ایسی خصوصیات کے حامل تھے۔ ایک شخص میں یہ ساری باتیں کم ہی جمع ہو پاتی ہیں۔ ان کا سب سے امتیازی وصف ان کی جامعیت تھی، وہ ایک دینی درسگاہ کے فاضل تھے اور فقہ ان کا اصل موضوع تھا، لیکن علوم اسلامی میں سے کسی بھی فن پر گفتگو کرتے تو اس فن کے ماہرین حیرت کے کانوں سے ان کی باتیں سنتے، قرآن اور تفسیر کا موضوع ہو، حدیث کی کوئی بحث ہو، عربی زبان و ادب یا نحو و صرف اور معانی و بلاغت کے قواعد ہوں اور منطق و فلسفہ کے کسی اصول پر گفتگو ہو، ہر موضوع پر پوری خود اعتمادی کے ساتھ چشم کشا گفتگو کرتے، علوم اسلامی کے ساتھ ساتھ انگریزی زبان اور جدید علوم پر بھی ایسی بصیرت

حاصل تھی کہ جب دانشوروں سے گفتگو ہوتی تو ایسا لگتا کہ ایک استاذ علم کے موتی بکھیر رہا ہے اور شاگرد اسے چن رہے ہیں، ڈاکٹروں سے امراض اور میڈیسین کے متعلق بات ہوتی تو محسوس ہوتا کہ آپ نے باضابطہ اس فن کو پڑھ رکھا ہے، انجینئرس سے جرح کرتے تو وہ بے چارے پسینہ پسینہ ہوجاتے، بارہا میں نے خود یہ منظر دیکھا ہے، قانون داں جب ان کی قانونی شگافیاں سنتے اور قاضی صاحب ان کے سامنے فقہ اسلامی کی دقت نظری کو بیان کرتے تو مرعوبیت ان کے چہروں سے صاف عیاں ہوتی، صحافیوں سے اچھے خاصے لوگ سہم جاتے ہیں اور ان کی بے رحمانہ جرح سے گھبرا اٹھتے ہیں لیکن قاضی صاحب کی حاضر جوابی، نپی تلی گفتگو، منطقی طرز کلام اور مدلل جواب سے خود یہ لاجواب ہوجاتے۔

وہ بلند پایہ عالم دین اور ممتاز صاحب قلم تھے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ سماجی خدمت وفلاح کے کام سے بھی آپ کبھی غافل نہیں رہے، امارت شرعیہ بہار واڑیسہ کے تحت آپ گاؤں گاؤں کے لیے وفود کے دورے مرتب کرتے، پیدل، بیل گاڑیوں، ٹائر گاڑیوں اور معمولی سواریوں کے ذریعہ دور دراز دیہاتوں کا سفر کرتے، ان کو دین کی بنیادی باتوں کی تعلیم دیتے، باہمی اختلاف کے فیصلے کرتے، فیملی سروے کرتے، مقامی لوگوں میں تحریک پیدا کرکے مکاتب واسکول قائم کرتے، مسلمانوں کو معاشی تگ ودو کی طرف متوجہ کرتے، کہیں فرقہ وارانہ فساد ہوجاتا تو فوراً ان کی مدد کی فکر کرتے، کہیں کوئی آفت سماوی آجائے تو آپ کے بے چینی اور تڑپ دیدنی ہوتی، ایسے مواقع پر مسلمان وغیر مسلم کے فرق کے بغیر ریلیف کا کام کرتے۔

سماجی خدمت کے ساتھ ساتھ ملک کے سیاسی حالات سے بھی آپ کبھی بے تعلق اور غافل نہیں رہے، آپ ملک میں سیکولر قدروں کی تحفظ اور فرقہ وارانہ ذہنیت کے استعمال کے لیے ہمیشہ فکر مند رہتے، یوپی میں کلیان سنگھ اور راج ناتھ سنگھ کی شکست کے لیے آپ نے خاموش اور مؤثر کردار ادا کیا، آپ چاہتے تھے کہ ملک میں تیسری طاقت ابھرے، بہار میں بی جے پی اتحاد کو اقتدار سے دور رکھنے میں آپ کا بڑا حصہ ہے۔

آپ کی نگاہ میں جہالت و ناخواندگی سے زیادہ قابل نفرت کوئی اور چیز نہ تھی، جہاں آپ نے دینی مدارس کے قیام پر توجہ دی اور کم سے کم دو درجن سے زیادہ مدارس آپ کی سرپرستی میں کام کررہے تھے وہیں ماڈرن ایجوکیشن کی طرف سے کبھی بھی غافل نہیں ہوئے اور اس کی بھرپور اور حوصلہ افزائی فرمائی، امارت شرعیہ کے تحت کئی شہروں میں ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ قائم کئے، اپنے آبائی وطن جالہ میں پرائمری سے ڈگری تک کالج قائم کیا، مسلمانوں بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے تو آپ فکر مند تھے ہی، دلت طبقہ کی تعلیم اور ان کی فلاح و ترقی کے لیے بھی بے چین رہتے تھے، چنانچہ اپنے گاؤں میں خاص اس طبقہ کے لیے آپ نے ایک مستقل تعلیم گاہ قائم کی۔

حضرت قاضی صاحبؒ کا دوسرا امتیازی وصف اتحاد ملت کے لیے ان کی تڑپ ہے، وہ جہاں گئے، محبت و اتحاد کا پیغام اپنے ساتھ لے کر گئے، تحریر ہو یا تقریر، مشترکہ پلیٹ فارم ہو یا کسی خاص تنظیم اور جماعت کے بڑے جلسے ہوں یا چھوٹے، علماء کی مجلس ہو یا دانشوروں کا اجتماع، ان کا دلِ دردمند ہر جگہ محبت کی سوغات بانٹتا، ان کی جلوتیں جس طرح دعوت و اتحاد سے پہچانی جاتیں، ان کی خلوتوں میں بھی امت کو یہی دعوت دی جاتی، یہ دعوت ان کے رگ و ریشہ میں پیوست تھی، امارت شرعیہ ہو ملی کونسل ہو یا فقہ اکیڈمی ہو، سب کو آپ نے اجتماعیت اور وحدت امت کے فروغ کا ذریعہ بنایا، نہ صرف اتحاد کی تعلیم دی بلکہ اختلاف کو برداشت کرنے کی صلاحیت پیدا کی۔ یہی اتحاد کی کلید ہے۔ علم کی گہرائی، نگاہ میں وسعت، امت سے محبت، انسانیت کی خدمت، شریعت کے تحفظ کی فکر، سخن دل نواز، جان پرسوز، تعبیر کی بے پناہ صلاحیت، زمانہ آگہی، مردم شناسی اور مردم سازی، صلاحیتوں کی قدردانی، غرض بے شمار خوبیاں آپ کے اندر جمع تھیں اور آپ کی ذات ایک گلدستۂ ہمہ رنگ کی حیثیت رکھتی تھی، اقبال کا یہ شعر بے ساختہ زبان پر آتا ہے۔

دیگر دانائے راز آید کہ ناید

(بشکریہ روزنامہ "راشٹریہ سہارا" گورکھپور)

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

از: مولانا محمد رضوان القاسمی

امارت شرعیہ، آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ، اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا اور آل انڈیا ملی کونسل، ان چاروں اداروں سے قاضی صاحب کا ذمہ دارانہ اور قائدانہ تعلق رہا ہے اور تقسیم کار کی بنیاد پر وہ سارے نظام کو سنبھالے رہے۔ بلاشبہ ان کا اصلی ذوق علمی، تحقیقی اور فقہی تھا، خصوصیت کے ساتھ ان کو فقہ سے خصوصی تعلق تھا، اس کے مآخذ اور مراجع پر گہری نظر تھی، ہمیشہ وہ اس موضوع سے متعلق مطبوعہ اور مخطوطہ کتابوں کی تلاش میں رہتے تھے اور حاصل ہو جانے پر لذتِ بے پایاں محسوس کرتے تھے۔ تاہم وہ ہمہ جہتی صلاحیتوں کے حامل تھے۔ ان کی طبیعت اور مزاج میں تنوع تھا۔ مذکورہ چاروں اداروں کے ذریعہ ان کی وسیع تر علمی، دینی، فقہی، ملی، فلاحی، سماجی، سیاسی اور معاشی خدمات کا جو عظیم الشان ریکارڈ قائم ہوا ہے، وہ ناقابل فراموش ہے۔ اس کے ساتھ ان کی زندگی کا یہ نہایت روشن باب ہے کہ مسلسل اسفار اور ملی اور عوامی مصروفیات نے ان کے علمی، تحقیقی اور فقہی کام میں رخنہ نہیں پڑا، پہلو بہ پہلو یہ سارا کام بھی انجام پاتا رہا بلاشبہ یہ ان کی علمی کرامت خدا کی خاص نصرت کا مظہر ہے۔

قاضی صاحب کی درجنوں تصنیف، تالیف اور ترتیب کردہ کتابیں ہیں، ان کی ادارت میں نکلنے والا سہ ماہی مجلہ ''بحث ونظر'' بھی علمی، تحقیقی اور فقہی دنیا میں دستاویزی حیثیت کا حامل رہا ہے، اہل علم وتحقیق اور اصحاب فکر ونظر کے لیے ان کی تمام تحریریں، بصیرت افروز اور چشم کشا ہیں، قاضی صاحب کے اعتراف علمی ہی کا یہ پہلو ہے کہ عربی میں ان کی بعض کتابیں کویت اور بیروت سے شائع ہوئی ہیں، ان کے عربی مقالات کا

ضخیم مجموعہ بھی دارالفکر، بیروت، لبنان سے بہت جلد چھپ کر منظر عام پر آنے والا ہے
ایسی شخصیت کے بارے میں اب تو یہی کہا جاسکتا ہے ع

اب انہیں ڈھونڈ چراغِ رخِ زیبا لے کر

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ملی مسائل میں قاضی صاحب کا جرأت مندانہ بیان اور اقدام لائق تحسین رہا ہے ۔

کوئی مرحلہ ہو کوئی معرکہ ہو ☆ نظر عارفانہ قدم غازیانہ

کبھی ایسا ہوا ہے ۔

ہر گام حادثوں سے تعارف ہوا مگر ☆ ہم مسکرا کے حسب روایت گزر گئے

قاضی صاحب مسلک و مشرب اور ادارہ و جماعت کی حد بندیوں سے بالاتر ہو کر کلمہ واحدہ کی بنیاد پر اتحاد ملت کا پیغام پوری زندگی دیتے رہے۔ زبان تھی، فن خطابت کا ملکہ تھا، ان کا آستانہ علمی بہت اونچا تھا مگر کہیں سے ان کے اندر علمی نخوت کی بو نہیں آتی تھی۔ وہ حد درجہ متواضع تھے اور اسی طرح جھکے رہتے تھے جیسے پھل دار درخت جھکا رہتا ہے۔ علمی فضل و کمال کے باوجود زندگی سادہ اور تکلف سے عاری تھی۔ خدمت خلق اور علم دین کی حفاظت و اشاعت کا بے پناہ جذبہ رکھتے تھے۔ وہ نہ ہی طرز کہن پر اڑتے تھے اور نہ ہی تعمیر نو سے ڈرتے تھے اور نہ ہی قصہ قدیم و جدید میں الجھتے تھے۔ ٹیکنیکل تعلیم اور عصری علوم وفنون کا وہ فروغ چاہتے تھے۔ اس کے لیے ان کے پاس ہمیشہ متعدد پروجیکٹ تیار رہتے تھے۔ ان کی اس فکر اور عملی دلچسپیوں سے کئی جگہ اس قسم کے ادارے بھی قائم ہوئے اس سلسلہ میں کوئی کامیابی ان کو بہت خوش کرتی تھی۔ ملک اور بیرون ملک میں درجنوں اداروں کے وہ سرپرست اور رکن تھے، عرب اور خلیجی ممالک کے علاوہ امریکہ، مغربی اور افریقی ممالک کا انہوں نے دورہ کیا اور بین الاقوامی سیمیناروں اور کانفرنسوں میں شرکت کرتے رہے۔ قضا اور فیصلہ میں ان کی نگاہ تیز تھی۔ کسی بات کی تہہ تک پہنچنے اور معاملہ فہمی میں انہیں درک و کمال حاصل تھا۔ صلح صفائی کرانے اور نزاعی مسائل کو حل کرنے کی خوش

تدبیری سے وہ خوب واقف تھے۔ موقع ومحل کے اعتبار سے تقریر اور گفتگو، ان کا امتیاز تھا۔ قاضی صاحب کی مومنانہ فراست، فقہی بصیرت، تدبر اور زمانہ شناسی اور قوم وملت کے لیے دردمندی اور فکرمندی مثالی تھی۔ ملک وملت کے مسائل سے گہری دلچسپی تھی اور انہیں پورے خلوص کے ساتھ حل کرنے کی سعی وکوشش کرتے رہتے تھے۔ عصر حاضر کے مسائل پر ان کی گہری نظر تھی اور زبان وبیان کی خوبی کے ساتھ ان مسائل کی تفہیم وتعبیر کی خداداد صلاحیت حاصل تھی۔ قدیم وجدید طبقات اور دینی وعصری تعلیم یافتہ حلقوں میں وہ یکساں مقبول تھے، وہ ان طبقات اور حلقوں میں میل جول کے لیے ایک پل کا درجہ رکھتے تھے۔ اسلامی شریعت سے گہری واقفیت اور بین الاقوامی قانون پر نظر کی وجہ سے ایک سے زیادہ بار جنوبی افریقہ بلائے گئے، تاکہ وہاں قاضی صاحب کے علمی تعاون سے ملکی قوانین اور انسانی حقوق کو ملحوظ رکھتے ہوئے مسلم باشندوں کے لیے مسلم پرسنل لاء کے سلسلہ میں آئین وضابطہ تدوین پاسکے۔ اردو زبان تو خیر ان کی اپنی زبان تھی، تاہم عربی زبان میں بھی مہارت تھی اور حسب ضرورت انگریزی زبان میں بھی بات چیت کرلیتے تھے، اور انگریزی اخبارات پڑھنے کا تو معمول ہی تھا۔ متعدد واقعات بتاتے ہیں کہ قانونی الفاظ اور شرعی وفقہی اصطلاحات پر ان کی گہری نظر تھی اور الفاظ کے صدف سے معانی کے گہر نکالنے کا انہیں فن آتا تھا۔ مختلف زبان میں استعمال کیے جانے والے الفاظ پر بھی ان کی گرفت ماہرانہ تھی، ان کی طبیعت میں نکتہ رسی اور نکتہ سنجی تھی۔ صلہ وستائش کی تمنا اور کچھ حاصل کرنے کی آرزو سے بے نیاز ''مرد مجاہد'' کو ان کے ملکی اور غیر ملکی نیازمندوں اور قابل قدر اداروں نے مختلف ایوارڈ اور اعزازات بھی دیئے، جس میں ان کے لیے اعتراف کا پہلو ضرور سامنے آیا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ قاضی صاحب ہم سے ایسے وقت جدا ہوئے جب کہ حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کے بعد ملت اسلامیہ ہند کی ان پر نظر تھی۔ اس وقت ملت مختلف قسم کی دقتوں اور مشکلات میں گھری ہوئی ہے۔ ایسے وقت میں ان کی مدبرانہ

سیاست اور حکمت عملی بہت کام آتی تھی، مگر وہ ہمارے درمیان سے بلا لیے گئے، خدا کی مصلحت خدا ہی جانے۔ تاہم قانون قدرت یہی ہے کہ شب تاریک کے دامن سے سحر پیدا ہوتی ہے۔ ہمیں ایسی ہی سحر کا انتظار ہے۔ آخر میں اس تذکرہ پر اپنی بات ختم کرتا ہوں کہ قاضی صاحب کی علالت نے شدت اختیار کر لی تھی اور وہ ''اشارۂ غیبی'' پا گئے تھے کہ کچھ دنوں میں مجھے اپنی زندگی کا آخری سفر کرنا ہے، ایسے وقت میں بھی میں نے ان کو دہلی کی قیامگاہ میں ۴ر فروری ۲۰۰۲ء کو دیکھا کہ ان کا علمی، تحقیقی، تصنیفی اور ملی کام جاری ہے۔ جسم اور چہرے سے ضعف اور نقاہت ظاہر ہے۔ لیکن ''ذوق پرواز'' پر شکستگی اور خود سپردگی کا کوئی اثر نہیں۔ جوش عمل ان کا خموش نہیں ہوا ہے، نرم دم گفتگو، گرم دم جستجو کی مثال بنے ہوئے ہیں۔ البتہ ان کی زبان پر سودا کا یہ مصرع تکرار کے ساتھ آرہا تھا ع

ساغر کو میرے ہاتھ سے لیجو کہ چلا میں

جانے والے نے اپنے ہاتھ میں تھامے ہوئے جس ساغر کو اپنے بعد رہنے والوں کے ہاتھ میں دیا ہے، (بشمول امارت شرعیہ، مسلم پرسنل لاء بورڈ، فقہ اکیڈمی، ملی کونسل) وہ ایک امانت ہے جس کی حفاظت دینی و ملی فریضہ بھی ہے اور وقت کا اہم تقاضہ بھی۔ علامہ اقبال نے اپنی مشہور نظم ''طلوع اسلام'' میں مولانا قاضی مجاہدالاسلامؒ جیسے ''مرد مجاہد'' اور دیدہ ور ہی کے لیے کہا تھا:

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

(بشکریہ روزنامہ ''راشٹریہ سہارا'' گورکھپور)

● ● ●

ذهاب العلماء

از: وحید الدین خاں
مدیر ماہنامہ ''الرسالہ'' نئی دہلی

مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی ایک ممتاز مسلم رہنما اور ایک مستند عالم دین تھے۔ وہ ۹ر اکتوبر ۱۹۳۹ء کو دربھنگہ میں پیدا ہوئے۔ وہ مختلف اعلیٰ حیثیتوں کے ساتھ اسلام اور ملت اسلام کی قابل قدر خدمات انجام دیتے رہے۔ اپنی آخری عمر میں وہ آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے چیئرمین تھے۔ ۴ر اپریل ۲۰۰۲ء کو دہلی میں ان کا انتقال ہوگیا۔ إنا لله وإنا إليه راجعون.

مولانا مجاہد الاسلام قاسمی کی موت دورِ آخر کے اس ظاہرہ کی ایک مثال ہے جس کو حدیث میں ذہاب العلماء کہا گیا ہے۔ یعنی علماء کا چلے جانا یا علماء کا اٹھ جانا۔ عام طور پر اس کا مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ علماء ایک کے بعد ایک مرجائیں گے اور پھر کوئی عالم دنیا میں باقی نہ رہے گا۔ مگر زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ یہاں علماء سے مراد اجتہادی صلاحیت کے علماء ہیں۔

اصل یہ ہے کہ اس حدیث میں علماء سے مراد بلند پایہ علماء ہیں۔ تاہم اس کا مطلب سادہ طور پر بلند پایہ علماء کی رحلت نہیں ہے، بلکہ اس سے مراد ملت کے بلند پایہ افراد کا علماء کی صف میں شامل نہ ہونا ہے۔ یعنی علماء بننے کے قابل لوگ علماء بننا چھوڑ دیں گے۔ اس سے مراد اشخاص کا خاتمہ نہیں ہے بلکہ دور کا خاتمہ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کی بہت سی حدیثیں صنعتی دور میں پیدا ہونے والے حالات

کی پیشین گوئی ہیں۔ صنعتی دور میں ترقی کے مواقع اور مادی چمک دمک بہت بڑھ جائے گی، اس بنا پر دنیا کی طرف رغبت (Temptation) میں اتنا زیادہ اضافہ ہو جائے گا کہ اعلیٰ صلاحیت کے لوگ دنیوی شعبوں کی طرف بھاگنے لگیں گے۔ اس صورت حال کو ایک شاعر نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

فریب جلوہ اور کتنا مکمل اے معاذ اللہ
بڑی مشکل سے دل کو بزم عالم سے اٹھا پایا

خيارکم في الجاهلية خيارکم في الإسلام کے مطابق، اعلیٰ صلاحیت کا آدمی ہی اعلیٰ عالم بنتا ہے۔ جب اعلیٰ اذہان دین کی طرف راغب نہ ہوں گے تو فطری طور پر یہ ہوگا کہ دین کی صفیں اعلیٰ قسم کے علماء سے خالی ہو جائیں گی۔ اس کے بعد صرف وہ لوگ دینی شعبوں اور دینی اداروں کو مل سکیں گے جو اپنی کم تر صلاحیت کی بنا پر مادی ترقی کے بڑے مناصب میں اپنی جگہ بنانے کی اہلیت نہ رکھتے ہوں۔

مولانا مجاہد الاسلام قاسمی غیر معمولی صلاحیت کے مالک تھے۔ وہ تقریر اور تحریر، انتظام اور معاملہ فہمی، بصیرت اور تدبر میں اعلیٰ قابلیت رکھتے تھے۔ وہ اگر سیکولر ڈگری اور سیکولر پروفیشن کو اپنا میدان بناتے تو یقیناً وہ بڑے بڑے دنیوی مناصب پر فائز ہو سکتے تھے۔ اس طرح یہ ذہاب العلماء کا ایک واقعہ ہوتا۔ مگر انہوں نے اپنی اعلیٰ صلاحیت کو اسلام اور ملت اسلام کی خدمت میں لگانے کو ترجیح دی۔ دنیا کے مادی بازار میں اپنی اعلیٰ صلاحیتوں کی بڑی قیمت لینے کے بجائے قناعت کا طریقہ اختیار کرتے ہوئے انہوں نے اپنے آپ کو دین کے لیے وقف کر دیا۔ وہ ایک ایسے عالم بن گئے جنہوں نے مادی ترقی کے حصول کو اپنا نشانہ نہیں بنایا۔ انہوں نے دنیا کی طرف جانے کے بجائے دین کی طرف جانے کو اپنی توجہات کا مرکز بنا لیا۔

وہ ان خوش قسمت افراد میں سے تھے جنہوں نے اپنی اعلیٰ فطری صلاحیت کے باوجود

اپنی صلاحیت کو دنیا کے بازار میں کیش نہیں کرایا بلکہ اس کو دین کے حوالے کر دیا۔ انہوں نے مختلف مقامات پر سیکڑوں کی تعداد میں ملی ادارے قائم کئے۔ ملک کے اندر اور ملک کے باہر سی بہت ممتاز علمی اور ملی تنظیموں میں انہیں اعلیٰ مناصب دیئے گئے، وغیرہ۔

مولانا اشرف علی تھانوی (وفات ۱۹۴۳ء) سے کسی نے کہا کہ آپ کے مدرسوں میں آج کل اعلیٰ قابلیت کے علماء پیدا نہیں ہوتے۔ مولانا نے جواب دیا کہ اصل بات یہ نہیں ہے۔ اصل یہ ہے کہ اعلیٰ قابلیت کے لوگ اب مدرسوں میں نہیں آتے۔

یہی مطلب ذہاب العلماء کا ہے جس کو مولانا اشرف علی تھانوی نے اپنے سادہ انداز میں اس طرح بیان کر دیا۔ یہ نئی صورت حال جو موجودہ زمانہ میں پیدا ہوئی، اس کا سبب کیا ہے۔ جیسا کہ عرض کیا گیا، اس کا سبب یہ ہے کہ جدید صنعتی انقلاب نے دولت کمانے کے جو نئے طریقے پیدا کئے ہیں اس میں اعلیٰ صلاحیت کے لوگوں کو ایسے برتر امکانات نظر آنے لگے جو پہلے کبھی نہیں تھے۔

قدیم زمانہ میں معیشت کا دارومدار زیادہ تر روایتی انداز کی زراعت پر تھا۔ اس نظام کے تحت کمائی کے مواقع بہت محدود ہوتے تھے۔ مگر جدید ٹیکنالوجی اور جدید تجارتی شعبوں نے کمائی کے مواقع لاکھوں گنا زیادہ بڑھا دیئے ہیں۔ اب ''عاجلہ'' میں اتنی زیادہ کشش پیدا ہوگئی ہے جو پہلے کبھی نہیں تھی۔ مادی ترقی کی یہی بڑھی ہوئی کشش ہے جس نے اعلیٰ صلاحیت کے لوگوں کا رخ اُن تعلیمی اداروں سے ہٹا دیا جہاں علماء پیدا کئے جاتے ہیں وہ تیزی کے ساتھ وان سیکولر تعلیمی اداروں کی طرف بھاگنے لگے جہاں وہ افراد پیدا کئے جاتے ہیں جو جدید ترقیاتی شعبوں میں اعلیٰ مناصب پا سکیں۔

اس اعتبار سے دیکھئے تو مولانا مجاہد الاسلام قاسمی حقیقی معنوں میں دور جدید کے اسلامی مجاہد تھے۔ موجودہ زمانہ میں سب سے بڑا جہاد یہ ہے کہ ایک باصلاحیت آدمی مواقع دنیا کے مقابلہ میں مواقع دین کے لیے اپنے آپ کو وقف کر سکے۔ یہ قربانی کی وہ

قسم ہے جو کسی آدمی کو عظیم مجاہد بنا دیتی ہے، اور مولانا مرحوم بلاشبہ اس معنیٰ میں دورِ جدید کے مجاہدِ اسلام تھے۔

مولانا مجاہد الاسلام قاسمی کی متنوع خوبیوں میں سے ایک خوبی یہ تھی کہ وہ اپنے ہر دل عزیز اوصاف کی بنا پر ہر طبقہ کے درمیان مقبول تھے۔ مسلمانوں کے ہر مکتبِ فکر کے درمیان ان کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ وہ ایک ممتاز عالم ہونے کے ساتھ ایک مقبول رہنما کی حیثیت رکھتے تھے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ نئی نسل کے درمیان ایسے لوگ پیدا ہوں جو مولانا مرحوم کی راہ پر چلیں۔ ملت کے درمیان ایسے افراد کا خلا نہ ہونے پائے جن کو بیک وقت علمی استناد بھی حاصل ہو اور اسی کے ساتھ عوام کی مقبولیت بھی۔ مولانا مرحوم کی زندگی جدید مسلم نسل کو یہ مثبت پیغام دیتی ہے کہ میری موت کو ماتم کا عنوان نہ بناؤ، بلکہ اُس کو عزمِ نو کا عنوان بناؤ۔ ملت کے کام کو میں نے جہاں چھوڑا ہے وہاں سے آغاز کر کے آگے بڑھو۔ تعمیر ملت کے عمل کو مسلسل جاری رکھو۔ یہاں تک کہ تم اس کی آخری منزل پر پہنچ جاؤ۔

(بشکریہ ماہنامہ "الرسالہ" نئی دہلی)

● ● ●

حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کا حادثۂ وفات

ایک دینی وملی خسارہ

از: امین الدین شجاع الدین

دوتین برسوں سے جس سانحہ کا کھٹکا لگا ہوا تھا، وہ بالآخر پیش آ کر رہا، دنیا ہی فانی ہے اور اک دن جان سب کی جانی ہے، حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی (۱۹۳۶ء، ۲۰۰۲ء) بھی وہاں چلے گئے جہاں ایک نہ ایک روز سب کو جانا ہے اور زمین اوڑھ کر سو جانا ہے۔ آج وہ، کل ہماری باری ہے۔

لیکن قاضی صاحب کی موت ایک فرد کی نہیں بلکہ ایک فرد فرید کی موت ہے، ایک فقیہ کی موت ہے ایسا فقیہ جو صرف لغوی اعتبار سے ہی فقیہ نہیں تھا بلکہ معنوی لحاظ سے بھی واقعتاً فقیہ تھا، قسام ازل نے جس کو بیدار مغزی ہی نہیں بخشا تھا بلکہ اس کے سینہ میں دلِ دردمند بھی رکھا تھا اور جسے تڑپنے، پھڑکنے کی توفیق بھی بخشی تھی۔

قاضی صاحب بنیادی طور سے ایک عالم دین تھے، مدرسہ کی چٹائی پر بیٹھ کر تعلیم حاصل کرنے والوں میں سے ایک تھے، خدا کی دین اور عطا ہے، وہ جسے چاہے بخش دے۔ قاضی صاحب کے نصیبہ میں دین کی سوجھ بوجھ آئی وہ تفقہ کہ جس کے بارے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

"من یرد اللّٰہ بہ خیراً یفقھہ فی الدین" اللہ رب العزت جس کے بارے میں خیر کا معاملہ کرنا چاہتے ہیں اسے دین کی سمجھ عطا کر دیتے ہیں۔ تو یہ نعمت قاضی صاحب کے حصہ میں آئی گویا خیر کے سر چشمہ سے اکتساب فیض کا فیصلہ ہوا۔ یہ شریعت اسلامی کا سرچشمہ تھے اور شریعت اسلام کا سرچشمہ ایسا سرچشمہ ہے جہاں پہنچنے والا محض

پیتا نہیں، پلاتا بھی ہے اور لٹاتا بھی ہے۔ قاضی صاحب شریعت مطہرہ کے اس سرچشمہ سے نہ صرف خود سیراب ہوئے بلکہ ساقی بن گئے اور فصلِ گل کی تمنا میں مے دلفروز پلاتے چلے گئے۔

کسی بھی شخصیت کا مطالعہ کرتے وقت یہ دیکھا جاتا ہے کہ اس کی شخصیت سازی کے عناصر ترکیبی کیا تھے، ان کے والد ماجد مولانا عبد الاحد قاسمیؒ، حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ کے شاگرد رشید تھے، عالم ربانی شیخ الہندؒ کے شاگرد نے رات کی تنہائیوں میں بھی اپنے لخت جگر کے لئے یقیناً خدا کے حضور ہاتھ پھیلائے ہوں گے، قاضی صاحب کے دامن میں فقہی فراست وبصیرت اور ملی درد وکرب کے کھلے ہوئے گل ولالہ ایسی مناجاتوں کا اشارہ دیتے ہیں، ان کی تعلیم دار العلوم دیوبند میں بھی ہوئی جو محض ایک دار العلوم کا نہیں ایک مشن اور تحریک کا نام تھا اور جس کی بنیاد اُن خدا ترس ہاتھوں نے اِن ارادوں سے رکھی تھی کہ سرزمین ہند میں اسلام کے چراغ کی لَو مدھم نہ پڑنے پائے بلکہ تیز سے تیز تر ہوتی چلی جائے۔ قاضی صاحب کو امیر شریعت مولانا منت اللہ رحمانیؒ جیسے شخصیت ساز بزرگ کا سایہ نصیب ہوا، ماضی قریب کی وہ شخصیتیں جنھوں نے افراد سازی جیسے پِتّہ ماری اور جگر کاوی کا کام کیا ان میں ایک نمایاں نام حضرت امیر شریعتؒ کا بھی ہے، وہ جوہری تھے چنانچہ ان کی جوہر شناس نگاہ نے دیکھا کہ مجاہد الاسلام میں اسلام کا واقعی ایک مجاہد چھپا ہوا ہے۔ اہل نظر جانتے ہیں کہ صلاحیتوں کے پروان چڑھنے اور ان کے برگ وبار لانے کے لئے فضا درکار ہوتی ہے، میدان درکار ہوتا ہے، قدرت کو قاضی صاحبؒ سے کام لینا مقصود تھا چنانچہ یہ مواقع بھی انھیں ودیعت کئے جاتے رہے۔ وہ مسند درس پر بھی بیٹھے اور امارت شرعیہ پھلواری شریف میں قاضی کے منصب پر بھی فائز ہوئے مگر قاضی کا یہ منصب پھولوں کی نہیں کانٹوں کی سیج ہوا کرتا ہے، یہاں زندگی کے حقائق بے لباس ہو کر آتے ہیں۔ ہمہ وقت مسائل کا سامنا ہوتا ہے، تلخیوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ اور پھر مسائل بھی بہار جیسے پس ماندہ صوبہ کے۔

قاضی صاحب چاہتے تو مدرسہ کی چہار دیواری میں اپنے لئے گوشۂ عافیت ڈھونڈھ لیتے، مدارس بھی انہیں آنکھوں پر بٹھاتے۔ تدریس میں شاہانہ مزاج کی تسکین کا پورا سامان بھی ہے کہا جاتا ہے کہ شاہ جہاں کو جب نظر بند کر دیا گیا تو اس نے بھی چند شاگردوں کے جلو میں رہنے کی تمنا ظاہر کی تھی مگر قاضی صاحب نے سہولت پسند طبیعت نہیں پائی تھی بلکہ موجِ حوادث سے گذرنے میں ہی انہیں لذت ملتی تھی چنانچہ کئی دہائیوں تک وہ قاضی کے فرائض انجام دیتے رہے اور اس وجہ سے انہیں ملت کے دینی و معاشرتی حقیقی صورت حال کا اندازہ ہوتا رہا۔ قاضی کے منصب کے سرد وگرم کو جھیل کر انہوں نے نہ صرف قضا کے اس عہدہ کے ساتھ انصاف کیا بلکہ زیادہ سچی بات یہ ہے کہ انہوں نے خود اپنے ساتھ اور ملت کے ساتھ بھی انصاف سے کام لیا۔ امارت شرعیہ میں قاضی کا یہ منصب ان کے لئے ایک ایسی بھٹی ثابت ہوا جہاں سے تپ کر وہ کندن بن کر نکلے، مسائل کی آنچ نے ان میں وہ پختگی پیدا کردی جو ایک مجاہد کی شان اور اس کا نشان ہوا کرتی ہے۔

پھر ملت پر وہ وقت آیا، جب اس کے پرسنل لاء پر نظریں اٹھیں اور یکساں سول کوڈ کے نام پر اس کے ملی تشخص کو پامال کردینے کی کوششیں ہوئیں۔ دین کا حق تھا کہ اس کے علماء اس موقع پر بے قرار ہو اٹھیں اور اس سرمایہ کی پاسبانی کے لئے اٹھ کھڑے ہوں، چنانچہ علماء عالمانہ شان اور مجاہدانہ آن بان کے ساتھ اٹھے اور آزاد ہندوستان کی تاریخ میں پہلی بار یہ دیکھنے میں آیا کہ بلاتفریقِ مسلک ومشرب ملت کے علماء و دانشور تحفظ شریعت کے لئے شانہ بشانہ کھڑے تھے بیدار مغز علماء کے اس کارواں کے ایک فرد فرید مولانا مجاہد الاسلام قاسمی بھی تھے۔

امیر شریعت مولانا منت اللہ رحمانیؒ، مفکر اسلام مولانا علی میاں ندویؒ اور حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ اور دوسرے اکابر کا انہیں اعتماد حاصل رہا۔ قاضی صاحب کو خدا کی عطا کردہ فقہی فراست وبصیرت ملت کے کام آئی اور فقہ اسلامی بلکہ اسلامی تعلیم کی عظمت وبرتری کا

سکے ماہرین قانون اور عصری تعلیم یافتہ طبقہ کے دلوں پر بھی ثبت اور نقش ہوتا چلا گیا۔

ملی کونسل کے پلیٹ فارم سے انہوں نے اتحاد ملت کے اپنے اسی درس کو پوری قوت سے دہرایا جس درس کو انہوں نے امارت شرعیہ سے سیکھا تھا اور جس کو مولانا ابوالمحاسن سجادؒ کی کتاب زندگی سے سیکھا تھا، انہوں نے چاہا کہ بحیثیت خیر امت اس ملک میں مسلمانوں کو کلمہ کی بنیاد پر کھڑا کرنا ہے اور جوڑنا ہے۔ ایک موقع پر انہوں نے کہا تھا کہ ”ملت کا سب سے بڑا مسئلہ شعور ذات کا مسئلہ ہے۔ یہ امت اپنے کو پہچانے، اپنے منصب کو پہچانے اور اس کے مطابق اپنی ذمہ داریاں پوری کرے جس وقت یہ امت اپنے کو پہچان لے گی اور دنیا کو یہ باور کرادے گی کہ اس کا سودا محال ہے، اس وقت امت کا مسئلہ قابو میں آئے گا“۔

قاضی صاحبؒ کا موضوع فقہ تھا، ان کی فقاہت کو دنیا نے تسلیم کیا اس لحاظ سے وہ جس مقام و مرتبہ کے حامل تھے۔ اس کا حق تھا کہ جدید شرعی اور فقہی مسائل میں امت کی رہبری و رہنمائی کے لئے وہ کوئی قدم اٹھاتے اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کا قیام قاضی صاحب کا ایک عظیم کارنامہ ہے اس پلیٹ فارم کی ندرت یہ ہے کہ جدید مسائل کا شرعی حل تلاش کرنے کے لئے علماء اور اصحاب افتاء کے شانہ بشانہ علوم عصریہ کے ماہرین بھی دکھائی پڑتے ہیں، فقہ اکیڈمی نے علماء اور طلباء میں بحث وتحقیق کا مزاج پیدا کیا اور اس کے سمیناروں میں مسائل پر جس طرح بحثیں ہوئیں اس نے مدارس میں تبدیلی پیدا کی، فقہ کی طرف ذہن راغب ہوا اور نئی نسل میں بھی یہ احساس جاگا کہ کس طرح ہمارے قدیم علماء و اصحاب افتاء کس قدر محنت، جگر کاوی اور اخلاص و لگن سے جدید پیش آمدہ مسائل کا حل تلاش کرتے تھے۔ فقہ اکیڈمی کی صدا نے اس سناٹے پر ضرب لگائی۔ مؤرخ جب علمی وفقہی تاریخ لکھنے بیٹھے گا تو وہ فقہ اکیڈمی کی خدمات کو فراموش نہیں کر سکے گا۔ ان کی ادارت میں نکلنے والے مجلہ بحث ونظر نے علمی وفقہی دنیا میں اپنی ایک شناخت قائم کرلی۔ بات ادارت کی آئی ہے تو قاضی صاحب کی

تالیفات وتصنیفات کا بھی تذکرہ ضروری ہوگیا ہے، اگر چہ یہ موضوع اہل علم اور اصحاب افتاء کا ہے لیکن دیکھنے اور یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ قاضی صاحب مرد میدان تھے، ان کے مشاغل کی نوعیت تحریکی بھی تھی، وہ اپنی تالیفات وتصنیفات اور تحقیقی کاموں کا ایک خزینہ چھوڑ گئے۔ فقہ اسلامی کے علاوہ انہوں نے مولانا ابوالمحاسن سجادؒ کے علوم وافکار پر بھی اپنی تصنیفات چھوڑیں۔

قاضی صاحب مولانا ابوالمحاسن سجادؒ کو اپنا آئیڈیل سمجھتے تھے۔ ان کی آئیڈیل شخصیتوں میں ایک نمایاں نام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کا بھی ہے حضرت مولانا کی ذات والاصفات سے انہیں شروع ہی سے والہانہ لگاؤ اور شیفتگی رہی یہاں تک کہ اپنی طالب علمی کے زمانہ میں سجاد لائبریری کے ذمہ دار کی حیثیت سے انھوں نے مولانا کو دیوبند مدعو کیا۔ ’’طالبانِ علوم نبوت اور اسکے عالی مقام حاملین، حضرت مولاناؒ کی وہ تقریر ہے جو اسی موقع کی یادگار ہے، قاضی صاحب کو ندوہ اور اس کی فکر سے بھی گہری مناسبت تھی جس کا ایک عملی ثبوت یہ ہے کہ انہوں نے اپنے کاموں کے لئے ندوی فضلاء کو منتخب کیا اور ان پر اعتماد کیا۔ حضرت مولاناؒ کی فکر کا انہوں نے نہ صرف مطالعہ کیا بلکہ عملی سطح پر اسے برت کر دکھایا بھی۔ حضرت مولاناؒ کے افکار قاضی صاحب کے فکر وعمل پر مرتب ہوئے بغیر نہیں رہے۔

وہ قدرت کی طرف سے دل دردمند، ذہن ارجمند اور زبان ہوش مند لے کر آئے تھے، انہوں نے اپنی ان تمام تر توانائیوں کو دین وملت کے لئے وقف کردیا۔ وہ مسلم پرسنل لا بورڈ کے صدر بھی ہوئے، یہ وہ دور تھا جب ان کی علالت شدت اختیار کرچکی تھی اور ان کی زندگی کی طرف سے مایوسی ہونے لگی تھی لیکن قاضی صاحب کی لغت میں مایوسی کا لفظ نہیں تھا، ایک طرف ملت سخت آزمائشوں سے دوچار تھی تو دوسری طرف قاضی صاحب بیماریوں اور آزاریوں سے نڈھال۔ لیکن ان کے سینہ میں ایک مجاہد کا جگر تھا اور وہ مجاہد ہی کیا جو زندگی کے آخری سانس تک لڑنے کا فیصلہ نہ کرے۔ ان کے دور میں

مجموعہ قوانین اسلامی کے مسودہ کی اشاعت عمل میں آئی اور اس کا انگریزی ترجمہ بھی منظر عام پر آیا جسے ان کے دورِ صدارت کا ایک عظیم تحفہ قرار دیا جاسکتا ہے۔

افسوس! کہ قاضی صاحب کی وہ ذات جو ملت کے حق میں نعمت اور تحفہ تھی اب نہیں رہی ؎

فاضل جفا کشان محبت کی موت کیا
جب تھک گئے تو سو گئے آرام کے لئے

البتہ ان کی خوبیاں باقی اور نیکیاں زندہ رہیں گی۔ غیر معمولی ذہانت کے ساتھ اخلاص و بے نفسی ان کا سرمایہ تھا۔ خوئے دلنوازی کی ادا نے ان سے افراد سازی کا بڑا کام لے لیا، وہ تیز و تند ہواؤں میں بھی چراغ جلائے رکھنے کے ہنر سے واقف تھے، اللہ پر توکل ان کا زادِ سفر تھا، تفہیم کی غیر معمولی صلاحیت پائی تھی، رسوخ فی العلم اور تفقہ فی الدین کی دولت ان کو نصیب ہوئی تھی جس سے ان کے لئے نئے زمانہ میں نئے حالات کے مطابق دین کی ترجمانی کا مشکل کام آسان ہو گیا اجتماعیت ان کی گھٹی میں پڑی تھی، اختلاف زائے کو وہ نہ صرف انگیز کرتے تھے بلکہ اسے پسند بھی فرماتے تھے۔ ع

خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

بہر حال ایک نعمت تھی جو اٹھالی گئی اور ایک تحفہ تھا جسے ہم نے کھو دیا مگر قاضی صاحب دنیا کی آلائشوں اور غم و آلام سے آزاد ہو کر اپنے رب کے حضور حاضر ہو گئے، اللہ کی کریم ذات سے دعا بھی ہے اور امید بھی کہ ربانی دستر خوان پر ان کے لئے نعمتیں چنی گئی ہوں گی اور ملت کی کشتی کا کھیون ہارا اپنی مراد کو پہنچ گیا ہوگا یعنی ان کا رب ان سے راضی ہو گیا ہوگا۔

ملت کو ایک بار پھر آزمائش کی گھڑی کا سامنا ہے اور قاضی صاحب کی روح علماء سے پوچھ رہی ہے ؎

کون ہوتا ہے حریفِ مے مَردِ افگنِ عشق
ہے مکرر لبِ ساقی پہ صلا میرے بعد"

(بشکریہ پندرہ روزہ "تعمیر حیات" لکھنؤ)

وہ عالم میں منفرد تھا

از: مولانا نور عالم خلیل امینی

جمعرات ۴/ اپریل ۲۰۰۲ء مطابق ۲۰/ محرم ۱۴۲۳ھ مغرب کی نماز کے ذرا دیر بعد میں سہارنپور سے واپس آکر جیسے ہی گھر میں داخل ہوا کہ دیوبند کے ایک صاحب نے فون پر کہا کہ ابھی ابھی دہلی سے فون پر مجھے بتایا گیا ہے کہ میں آپ کو یہ اطلاع دے دوں کہ قاضی صاحب ابھی سات بج کر پانچ منٹ پر فوت ہو گئے۔ یہ خبر سنتے ہی دل دھک سے ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ذہانت وفطانت اور فہم وادراک کی دولت فراواں سے نوازا تھا۔ ان سے گفتگو کرنے والے ہر تعلیم یافتہ کو محسوس ہوتا تھا کہ علم وفضل اور فقہ وشریعت کا ایک بحر بے کراں اس سے مخاطب ہے۔ وہ جس سرعت کے ساتھ کسی مسئلے کی تہہ تک پہنچ جاتے تھے، جس متانت، وقار اور خود اعتمادی کے ساتھ مخاطب کو اپنی بات سے یا کسی علمی وفکری نقطے سے مطمئن کر دیتے تھے، مسلمانوں کی صف میں، اس طرح کا اب کوئی عالم موجود نہیں رہا۔ ان کی آنکھوں کی ذہانت، چہرے کی متانت، ہونٹوں پر کھلتی ہوئی مسکراہٹ، ان کی علمی بے پناہی، فقہ وقضا میں اجتہاد کے درجے کی ان کی صلاحیت، قائدانہ لیاقت، مفکرانہ سوز وگداز، ملت کے لیے ان کی ادائیں، عالمی سطح پر امت کی مظلومیت، ٹھوس اور موثر قیادت کے خلا کے حوالے سے احساس کی وجہ سے ان کے غم والم کی نہ ختم ہونے والی کیفیت اور سب سے بڑھ کر علم ومطالعہ کے سمندر کی تہوں میں ان کی غواصی، ان کے علمی وفکری سوچ کے کارخانے میں ڈھلنے والے آب دار موتی، تہذیب وتمدن کے نئے نئے قافلوں کی چاپ کو اول وقت میں محسوس کر لینے کی ان کی قوت ادراک کی فضیلت، اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کی جانے والی داخلی وخارجی سازشوں کے تانے بانے کو سرعت کے ساتھ باور کر لینے کی ان کی عظمت، علماء کی صف

مین عربی، اردو کے علاوہ، انگریزی زبان پر ان کے عبور کے تعلق سے ان کی فوقیت اور اسلامی مسائل کے حوالے سے جدید وقدیم اور مخالف وموافق دونوں طبقوں کے تمام شکوک وشبہات کو زبان کی حلاوت، فکر کے بانکپن، ذہانت کی گود مین پلی ہوئی سوچ اور عالمانہ فراست کی انفرادیت کے ذریعے یکسر زائل کر دینے کی ان کی خداداد لیاقت کو نہیں معلوم کہ حقیقی قحط الرجال کے دور میں ملت کب تک روتی رہے گی۔ دارالعلوم سے فراغت کے بعد، وہ خانقاہ رحمانی مونگیر میں مدرس ہوئے۔ یہاں ان کو عصر حاضر کے جید عالم مولانا سید شاہ منت اللہ رحمانیؒ امیر شریعت بہار واڑیسہ کی علمی وفکری اور ماں باپ سے زیادہ ہمدردانہ ومشفقانہ ومربیانہ گود میں پلنے اور جس کام کے لیے خدا نے، ان کا انتخاب کیا تھا، اس کے لیے ڈھلنے کا موقع ملا اور شیخ الاسلام کا یہ شاگرد مولانا رحمانی کی عالمانہ وقائدانہ تربیت کے نتیجے میں واقعتاً پختہ کار وپختہ ذہن عالم بن کر ابھرے ملت کی رہنمائی کے موضوع پر ہندوستان کے اطراف واکناف میں بڑے بڑے مجمعوں، خواص کی محفلوں، علماء کی مجلسوں، وکلاء کی بزمون، اخبار نویسوں کی کانفرنسوں، دانشورون کی انجمنوں، ہندوؤں اور مسلمانوں کے ملے جلے جلسون فقہی سمینارون، عالمی اجتماعات، مدارس کے جلسوں اور ملت کے دکھ درد کی دوا کی تلاش اور مشاورتی کونسلون مین ان کی خوب صورت تقریروں، فکر ونظر کے موتیوں کو پرونے کا انداز، سامعین کو شیریں سخن سے محظوظ کرنے کا نرالا پن، حاضرین پر جادو کرنے کی طرح، تبسم آمیز طرز کلام، ذہانت ریز سوز وگداز اور ہر مخاطب کو اپنی محبت کے منفرد رویے سے، اسیر کر لینے کی ان کی روش لوگوں کو زندگی بھر یاد رہے گی۔ ہمیشہ جینے کے لیے کون آیا ہے؟ لیکن جن جانے والے کو زندگی مستعار کو جینے والے، جیتے جی کبھی نہ بھولیں، اس کا جینا اور مرنا دونوں قابل رشک ہین اور اتنی ساری خلق خدا کی گواہی خالق کے یہان لائق اعتبار ہے، اس لیے کہ مخلوق خدا کا کنبہ ہے۔ حق مغفرت کرے کہ وہ عالم میں فرد تھا۔

(بشکریہ روزنامہ ”راشٹریہ سہارا“، گورکھپور)

مسافر علم کا آخری سفر

تیری لحد پر خدا کی رحمت
تیری لحد کو سلام پہنچے

از:- مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
ناظم المعہد العالی الاسلامی، حیدر آباد

اپریل ۱۹۹۸ء کی کوئی تاریخ ہوگی، اور عصر بعد کا وقت، فون کی گھنٹی بجی، میں نے فون اٹھایا تو دہلی سے جناب امین عثمانی صاحب گفتگو کر رہے تھے، انہوں نے یہ اندوہناک خبر دی کہ حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب سخت علیل ہیں اور میڈیکل رپورٹ کے مطابق انہیں کینسر کا مرض ہے، اس خبر سے رات کا اندھیرا چھانے سے پہلے میری آنکھوں میں اندھیرا سا چھا گیا، میرے حلق میں الفاظ اٹک رہے تھے اور میں گفتگو نہیں کر پا رہا تھا، یہی فون مولانا محمد رضوان القاسمی صاحب کے نام بھی آیا، ہم دونوں نے اگلے ہی دن صبح کا ہوائی جہاز سے ٹکٹ لیا اور کسی طرح بے تابانہ دہلی پہنچے قاضی صاحب سے ملاقات کی، میں سمجھتا تھا کہ وہ حوصلہ شکستہ اور پژمردہ طبیعت ہوں گے، آنکھیں اشکبار اور زبان پر آہ و بکا ہوگی، لیکن ہم لوگوں نے انہیں استقامت کا پہاڑ پایا، ان کا حوصلہ بلند تھا، وہ معمول کے مطابق گفتگو کر رہے تھے، نہ خوف نہ گھبراہٹ، نہ مایوسی نہ ناامیدی، نہ گریہ وزاری اور نہ زبان پر حرف شکایت، حالانکہ وہ اپنے مرض کی نوعیت سے پوری طرح واقف ہو چکے تھے، اور کوئی بات ان سے پوشیدہ نہیں تھی اور کس کی مجال تھی کہ ان سے حقیقت اور سچائی کو چھپا سکے اور کس جھوٹ کا کلیجہ تھا کہ ان کی جرح کے مقابل ٹھہر سکے؟

قاضی صاحب کو ریڑھ کی ہڈی میں پائے جانے والے گودے میں کینسر ہوا تھا، اور

یہ اسی شکر کی بیماری کی دین تھی جو کئی سالوں سے ان کی شب وروز اور شام وسحر کی رفیق بنی ہوئی تھی، یہ مرض اب تیسرے اسٹیج پر پہنچ چکا تھا اور گودے سے آگے بڑھ کر ریڑھ کی ہڈیوں میں بھی اس نے اپنا آشیانہ بنالیا تھا، اس مرض کے ماہر معالج ڈاکٹر چوپڑا کے بیان کے مطابق بحالت موجودہ مریض صرف ڈیڑھ یا دو مہینہ ہی زندہ رہ سکتا تھا، قاضی صاحب کو غالباً اس کا علم تھا لیکن اس کے باوجود وہ پوری طرح پُرسکون اور اپنے معمولات میں مشغول تھے۔

ڈاکٹر نے بتایا کہ اگر علاج شروع کیا جائے تو مریض کو چار تا پانچ سال کی مہلت مل سکتی ہے، لیکن یہ علاج اتنا سخت ہوگا کہ خود یہ علاج بھی جان لیوا ثابت ہوسکتا ہے، بہر حال مشورہ کے بعد اللہ کا نام لے کر علاج شروع ہوا، چونکہ علاج کے لئے مطلوبہ سہولت اپولو ہاسپٹل دہلی میں تھی اس لئے وہیں داخل کیا گیا، اور غالباً ۲۴ یا ۲۸ راپریل کو آپ کا علاج شروع ہوا، یہ علاج گراں قیمت ہونے کے علاوہ جسم وجان کے لئے بھی گراں بار تھا، دوا کے اثر سے جسم کی قوت مدافعت ایک ایک کر کے جواب دیتی گئی لیکن معالجین کو پھر بھی حیرت تھی کہ اتنے سخت علاج کے باوجود ان کی قوتِ فکر، ذہنی استحضار اور دماغی صلاحیت میں کوئی فرق نہ آیا تھا، علاج کے اس مرحلہ میں عام طور پر بال اڑ جاتے ہیں، لیکن آپ کے بال نہ صرف یہ کہ اُڑے نہیں بلکہ سفید بھی نہیں ہوئے، معالجین کہتے تھے کہ جیسے ان نازک مرحلوں سے آپ پار اتر جاتے ہیں اس میں دواؤں سے زیادہ دعاؤں کا اثر ہے۔

چار سال تک آپ اس موذی بیماری کی گرفت میں رہے، اس درمیان آپ نے بہت سارے علمی کام کئے، اسی دوران ایک معتبر اور قدیم مخطوطہ ''صنوان القضاء'' کو آپ نے ایڈٹ کیا، حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ پر سمینار کرایا، اور اس موقع سے مولانا کی وہ کتابیں جو نگاہوں سے اوجھل ہوچکی تھیں بلکہ لوگ ان کے نام بھی بھولتے جارہے تھے، مولانا کی وہ تحریریں جو اخبارات اور رسائل کی فائلوں میں دبی ہوئی تھیں اور وہ فیصلے جو

دار القضاء کے سرد خانوں میں پڑے ہوئے تھے ان سب کو جمع کیا، مولانا سجاد صاحب کے مکاتیب، ان کے مقالات، قانونی مسودات، فیصلے اور مولانا کی کتاب ''حکومت الٰہی'' کو اپنی ترتیب و تحقیق کے ساتھ نہایت خوبصورت اور دیدہ زیب شکل میں شائع کیا۔

اسی بیماری میں آپ نے حضرت مولانا سجاد صاحب کے فتاویٰ کو فتاویٰ امارت شرعیہ جلد اول کی صورت میں مرتب کر کے شائع فرمایا، قاضی صاحب کی اس کوشش نے جہاں اس گم گشتہ خزانہ کو لوگوں تک پہونچادیا وہیں آپ کے قیمتی حواشی نے فتاویٰ کی اہمیت کو بھی چار چاند لگادیا، اسی دور میں آپ نے فتاویٰ امارت شرعیہ کی دوسری جلد مرتب فرمائی جو فتاویٰ کی ترتیب اور اس پر تعلیق کے لئے بہترین نمونہ کا درجہ رکھتی ہے، مولانا عبد الصمد رحمانی کی کتاب الفسخ والتفریق اور قضاء سے متعلق آپ کے چند اہم مقالات کو ایک ساتھ مرتب کر کے اور اپنے بیش قیمت حاشیوں کا اضافہ کر کے شائع کیا ''موسوعہ فقہیہ'' مطبوعہ کویت جو چالیس ضخیم جلدوں میں ہے، آپ کے زیر نگرانی اس کے ترجمہ کا عظیم الشان کام ہوا اس طرح کے کتنے ہی کام ہیں جن کو بستر مرض بلکہ بستر مرگ پر آپ نے انجام دیا ہے، اسی بیماری میں آپ نے ہندوستان کے علاوہ خلیج، یورپ، امریکہ اور ایشیا کے متعدد ملکوں کے سفر کئے، کئی عالمی سمیناروں میں شرکت کی اور ان میں اپنے بیش قیمت مقالات پیش فرمائے۔

ان چار سالوں میں شاید ہی کوئی مہینہ ایسا گذرا ہو جس میں آپ کو داخل ہسپتال نہ ہونا پڑا ہو، لیکن رمضان المبارک ۱۴۲۲ھ کے بعد آپ پر نمونیا کا سخت حملہ ہوا، اس حملہ نے ان کے جسمانی قویٰ پر غیر معمولی اثر ڈالا، ڈاکٹر حضرات نے متعلقین سے کہہ دیا تھا کہ اب اندازاً تین چار ماہ اور یہ زندہ رہ سکتے ہیں، جب اس مرض سے بظاہر افاقہ ہوا تو اس وقت بھی صورت حال یہ تھی کہ پاؤں کا نچلا حصہ گھٹنے سے نیچے اٹھا نہیں سکتے تھے اور لاٹھی لے کر یا سہارے سے بھی خود چلنے پر قادر نہیں تھے، ذوقعدہ کے آخری عشرہ میں ملاقات کے لئے حاضر ہوا لیکن اس کے باوجود صورتحال یہ تھی کہ صبح آٹھ بجے سے رات

کے گیارہ بجے تک کام میں مشغول رہتے اور کام بھی مختلف نوعیت کے ہوتے، کبھی اپنی کتاب اسلامی عدالت کے دوسرے حصے کے مضامین کا املاء کراتے، کبھی کتابوں سے مراجعت، کبھی کسی مسئلہ سے متعلق سوال کا جواب، کبھی اعلیٰ ترین سیاسی قائدین سے ملاقات، کبھی مسلم پرسنل لاء بورڈ، امارت شرعیہ یا اسلامک فقہ اکیڈمی سے متعلق کوئی انتظامی کام، غرض مختلف لوگ مختلف ادارے اور ان کی ضرورتیں، اس حالت میں بھی پریشان حال لوگوں کی مدد اور ان کی ضرورت کی تکمیل کے لئے برابر فکر مند رہتے۔

میرے سامنے ایک نوجوان کے بارے میں کسی صاحب کا فون آیا جو حلق کے کینسر میں مبتلا تھا جن سے قاضی صاحب کی نہ کوئی قرابت تھی نہ جان پہچان، لیکن اس اطلاع سے تڑپ اٹھے اور اسی حالت میں ایمس (AIMS) کے ایک شناسا عہدیدار کو فون کیا کہ ان کے علاج میں جہاں تک ممکن ہو مدد کریں، اس دفعہ پہلی بار میں نے ان کو حوصلہ شکستہ محسوس کیا، میں نے کئی بار توجہ دلائی کہ وہ اپنی مشغولیات کو کم کریں اور خاص کر تصنیف وتالیف کے دماغ سوز کام کو مؤخر کر دیں، لیکن وہ بار بار یہی کہتے رہے کہ بیٹا اب بہت کم مہلت باقی رہ گئی ہے، اس سے اندازہ ہو رہا تھا کہ انہیں خوب اندازہ ہے کہ کاتب تقدیر کے ہاتھوں اب ان کی بساط زندگی لپیٹی ہی جانے والی ہے، اور تدبیر کو فیصلۂ قدرت کے سامنے سر تسلیم خم کرنا ہی ہوگا، اس زمانہ میں وہ سوداؔ کے اس مصرع کو بار بار پڑھتے کہ:

ساغر کو میرے ہاتھ سے لینا کہ چلا میں

انہوں نے اپنے سامنے اپنی دائیں جانب کی دیوار پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد کمپوز کر کے چسپاں کر رکھا تھا کہ:

لا أخاف الموت، إني لميت

ولكن اخاف الذنب يتبعه الذنب

مجھے موت کا خوف نہیں کہ مرنا تو ہے ہی، خوف گناہ کے بعد گناہ یعنی متواتر گناہوں

کا ہے۔

ایسا لگتا تھا کہ جیسے جیسے زندگی کا سفران کی آخری منزل کی طرف رواں دواں ہے ہم دونوں بھائی یعنی میں اور میرے برادر خورد ڈاکٹر مظفر الاسلام سے محبت وشفقت اور لطف وعنایت میں بھی اضافہ ہوتا جارہا تھا، چنانچہ میرا ٹکٹ کینسل کرا کے اسے آگے بڑھایا اور دوران قیام اپنی رہائش گاہ سے باہر کہیں جانے دینے کے لئے روادار نہیں ہوئے، میرا معمول دہلی میں فقہ اکیڈمی کے دفتر میں قیام کا ہے، لیکن اس بار میں دس منٹ کے لئے بھی دفتر نہیں جاسکا، میرے پھوپھی زاد بھائی برادرم ارشد رضوی صاحب (جامعہ ملیہ دہلی) کو بھی منع کردیا کہ وہ اپنے یہاں نہ لے جائیں، بار بار یہی کہتے کہ اس دفعہ تم مجھے جی بھر کر دیکھ لو اور میں تمہیں جی بھر کر دیکھ لوں، رات کے وقت ان کی خدمت کے لئے چند افراد کو ان کے کمرے میں ہی سونا پڑتا تھا تاکہ استنجاء اور ضرورت کے لئے اٹھا کر حمام تک لے جائیں، اور لحہ بہ لحہ ان کی صحت کے اتار چڑھاؤ پر نظر رکھیں، مجھ سے کہنے لگے تم بھی یہیں سوجاؤ میری بار بار آنکھ کھل جاتی ہے تم کو دیکھ کر مجھے سکون تو ہوگا کہ اس بستر مرگ پر کوئی مانوس شخص تو میرے پاس ہے اس ملاقات میں کئی بار مجھ سے اپنی تدفین کے بارے میں بات کرنی چاہی، لیکن مجھے اس موضوع پر بات کرنے کی ہمت نہیں ہوئی، میں ہمیشہ گفتگو کا رخ موڑ دیتا، فرمانے لگے کہ موت تو بہر حال آنی ہے اس سے گھبراتے کیوں ہو؟ میں نے عرض کیا بعض باتیں ایسی ہیں کہ اگر پیش آجائیں تو انسان موقع وحال کے لحاظ سے نمٹ ہی لیتا ہے، لیکن پہلے سے ان کے بارے میں سوچنا بھی تکلیف دہ ہوتا ہے، یہ سن کر خاموش رہے، پھر کہنے لگے کہ میری نماز جنازہ دربھنگہ میں پڑھاؤ گے دہلی میں نہیں پڑھو گے کیونکہ میرے ولی تم ہی ہوگے اور تمہارے نماز پڑھ لینے کے بعد دوبارہ نماز پڑھنے کی گنجائش باقی نہیں رہے گی۔

''اسلامی عدالت'' کا کام کراتے ہوئے مجھ سے کہا کہ شاید تمہیں ہی اس کام کو مکمل کرنا پڑے، اسی درمیان ایک بار مجھے ''فوائد ظہیریہ'' کا ایک مخطوطہ دکھایا، یہ مخطوطہ بہت

واضح صاف ستھرا اور علمی اعتبار سے نہایت ہی مفید نظر آیا، کہنے لگے کہ اس پر کون کام کرے گا؟ خیال ہوتا ہے کہ مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی (استاذ دار العلوم دیوبند) سے خواہش کروں کہ وہ اس پر کام کریں، مولانا، قاضی صاحب کے مخلص ساتھیوں میں تھے، میں نے بھی اس کی تائید کی، کہنے لگے کہ مجھے اس سے مایوسی ہوئی، میں نے تم کو یہ مخطوطہ اس لئے دکھایا کہ اسے دیکھ کر تم کام کرنا چاہوگے، لیکن تم نے کوئی پہل نہیں کی، میں نے عذر کیا کہ قاموس الفقہ کے مسودہ پر نظر ثانی کا کام کر رہا ہوں اور کئی کام شروع کیا ہوا ہے، چاہتا ہوں کہ پہلے یہ کام پورے ہو جائیں تب کوئی نیا کام شروع کیا جائے، قاضی صاحب نے اسی وقت مولانا نعمت اللہ صاحب کو فون کیا اور ان سے یہ خواہش ظاہر کی، حسن اتفاق دیکھئے کہ انہوں نے اسباق کی کثرت اور اپنی درازیٔ عمر کا حوالہ دیتے ہوئے اس حقیر کا ذکر کیا کہ اس کا اس کام کو انجام دینا مناسب ہوگا، بہر حال قاضی صاحب کا یہ خواب تشنۂ تعبیر ہی رہا، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی اس خواہش کو اس حقیر کے ذریعے پورا کرادے۔

اس سفر میں میں نے ان کو علمی کاموں میں مشغول پایا، مجموعہ قوانین اسلامی کے پہلے ایڈیشن میں کچھ اغلاط اور دفعات چھوٹ گئی تھیں، مولانا محمد برہان الدین سنبھلی صاحب نے وہ مسودہ آپ کی خدمت میں بھیجا تھا، آپ نے اسے میرے حوالے کیا اور کہا کہ اسے پڑھ کر ایک تفصیلی نوٹ تیار کرو، جس پر دوبارہ غور کیا جا سکے، پھر وہیں پڑھوا کر مجھ سے سنا، ان نکات سے اتفاق کیا، ان تمام باتوں میں ان کی علمی وجاہت ووقار اور فقہی بصیرت، دقت نظر جس کا ہم لوگ ہر مجلس میں تجربہ کرتے تھے اسی طرح قائم رہیں۔

میں ذوقعدہ کے بالکل اخیر دنوں میں دہلی سے واپس ہوا، واپسی کی ملاقات کے وقت ان پر خاص تأثر کی کیفیت تھی، اور لگ رہا تھا کہ وہ اپنی زبان خاموشی سے کہہ رہے ہوں کہ چند روز اور رک کر جاؤ، لیکن یہاں کچھ ایسے مسائل تھے کہ میرا مزید رکنا بہت دشوار تھا، اس لئے میں دل پر پتھر رکھ کر رخصت ہو گیا، اور عرض کیا کہ بقر عید کے بعد انشاء اللہ پھر حاضری ہوگی۔

۱۲؍فروری ۲۰۰۲ء کو وہ پھر ہاسپٹل میں ایڈمٹ کئے گئے اور بقرعید بھی ہاسپٹل ہی میں گذری، میں برابر فون کے ذریعہ خبر گیری کرر ہا تھا، صحت میں مسلسل اتار چڑھاؤ کی کیفیت تھی، ان دنوں بابری مسجد کے مسئلہ کو لے کر ملک کی سیاسی فضا گرم سے گرم ہوتی جارہی تھی، قاضی صاحب ہاسپٹل میں بستر مرگ پر لیٹے لیٹے رہنمائی کا فریضہ انجام دے رہے تھے، غالباً ۱۱؍مارچ کو یہ مژدہ سننے کوملا کہ ہاسپٹل سے گھر آگئے ہیں، لیکن یہ خوشی بہت ہی ناپائیدار ثابت ہوئی، اور دو ہی دنوں کے بعد آپ کو دوبارہ ہاسپٹل میں داخل کرنا پڑا، اس بار شروع سے ہی مرض کا تیور چڑھا ہوا تھا اور وہ کسی طور پر ڈاکٹروں کے قابو میں آنے کو تیار نہ تھا، ۱۴؍مارچ کو میرے پاس جناب انیس اسلم صاحب کا فون آیا کہ قاضی صاحب کی حالت اب نازک مرحلہ میں ہے اور معالجین نے ناامیدی ظاہر کردی ہے، میں بے چین ہوگیا اور ڈاکٹر منظور عالم صاحب کوفون کیا ان سے مزید تفصیل معلوم ہوئی اور یہ معلوم ہوا کہ اب قوت حافظہ بھی تیزی سے متاثر ہورہا ہے، آج سفر کی کوئی صورت نہیں تھی اور ۱۵؍مارچ کو وی ایچ پی کے شرپسندوں نے ایودھیا میں مندر نرمان کے آغاز کا اعلان کیا ہوا تھا، اس لئے ۱۵؍مارچ کو سفر مناسب نہیں سمجھا حیدرآباد کی فضا بھی گرم تھی بالآخر ۱۶؍مارچ کو صبح کے پہلے جہاز سے میں لرزاں وترساں دہلی پہنچا چونکہ انتہائی نگہداشت والے شعبہ میں زیر علاج تھے، اس لئے ملاقات کی عام اجازت نہیں تھی، شام چار بجے ملاقات ہوئی میں نے دور ہی سے سلام کیا، کہنے لگے لگتا ہے کہ میرا کوئی قریب وعزیز آیا ہے، پھر عینک مانگی، عینک لگائی گئی دریافت کیا خالد ہو؟ میں نے کہا جی، پھر مصافحہ کے لئے ہاتھ کو حرکت دی میں نے مصافحہ کیا۔

مجھ سے میری اور بچوں کی خیریت پوچھی، میری چچی (جن کو میں چھوٹی اماں کہتا ہوں) کے بارے میں دریافت کیا، یہ بھی پوچھا کہ کب آئے؟ اس کے بعد بے ربط گفتگو کرنے لگے، مگر یہ بے ربط گفتگو بھی علمی ہی رنگ لئے ہوئی تھی، کبھی کسی مسئلہ کی تفہیم کبھی طریقۂ تدریس کے بارے میں، کچھ دیر بعد پوچھنے لگے تم کون ہو؟ غرض کہ دماغی استحضار

میں فرق سا آ گیا تھا لیکن اس کیفیت میں بھی علمی اور ملی مسائل ہی ان کے ذہن پر حاوی تھے، میرا معمول روزانہ صبح وشام ڈاکٹر کی اجازت کے مطابق تھوڑی دیر حاضری کا تھا، میں نے اس حالت میں کثرت سے کلمہ طیبہ پڑھتے ہوئے استغفار کرتے ہوئے اور اللہ اللہ کہتے ہوئے دیکھا، ایک دن تو ایسا ہوا کہ میں پندرہ بیس منٹ ان کے پاس کھڑا رہا انہوں نے سلام کا جواب دیا، مصافحہ کیا اور اس پورے وقت میں لاالہ الا اللّٰہ اور وقفہ وقفہ سے محمد رسول اللّٰہ پڑھتے رہے، میں نے بھی کوئی سوال وجواب کرنا مناسب نہیں سمجھا تاکہ ان آخری لمحات میں ان کی زبان اپنے اصل مالک کے ذکر سے تر رہے جس کے پاس انہیں ہمیشہ ہمیش کے لئے چلا جانا تھا۔

ایک دن میں نے خواب میں قاضی صاحبؒ کو اس حال میں دیکھا کہ وہ کفن پہنے ہوئے ہیں، جب آنکھ کھلی تو فجر سے کچھ پہلے کا وقت تھا، مجھے یقین سا ہو گیا کہ اب مسافر زندگی اپنی منزل کے قریب پہنچ رہا ہے، اس روز میں فجر کے فوراً بعد بے چینی وبے تابی کے احساس کے ساتھ ہاسپٹل پہنچا، اور جاکر ملاقات کی اس روز خلاف معمول عجب بات دیکھی، کبھی ہم سے بات کرتے کبھی میرے چھوٹے بھائی کو پکارتے، اور پھر ایک محویت کی کیفیت طاری ہو جاتی، اس کیفیت میں بھی ایسی گفتگو کرتے کہ کبھی میرے دادا یعنی اپنے والد مرحوم سے اور کبھی میرے والد یعنی اپنے مرحوم بڑے بھائی سے مخاطب ہیں اور گفتگو کر رہے ہیں، وہ اپنے والد کو باوا اور اپنے بھائی کو بھیا کہا کرتے تھے، اس سے ایک دن پہلے جو تیماردار کھڑے تھے ان سے کہنے لگے تم لوگوں نے ہمیں پیشاب پائخانہ اور نجاست کی حالت میں رکھ رکھا ہے، تم دیکھتے نہیں ہو کیسے نورانی مشائخ چلے آرہے ہیں؟ اس طرح کی باتیں دیکھ اور سن کر دل گواہی دیتا تھا کہ شاید زندگی تھک چکی ہے، اور کسی دم سامان سفر کھولنے کو تیار ہے۔

جس جمعہ کی شب میں انتقال ہوا اس سے ایک ہفتہ پہلے یعنی ہفتہ کے دن ان کی طبیعت بیماری کے اس پورے دورانیہ میں شاید زیادہ بہتر رہی، اصل میں گردہ فیل

کر جانے اور نمو نیا بڑھ جانے کی وجہ سے تمام قوی متاثر ہو گئے تھے اور سات آٹھ دنوں سے نیند نہیں آپا رہی تھی، نیند کی دوا دینے کی صورت میں زیادہ نقصان کا اندیشہ تھا اس لئے حواس اور حافظہ پر بھی اس کا اثر بڑھ گیا تھا، بالآخر ڈاکٹروں سے مشورہ کر کے نیند کی دوا دی گئی، اس کا اثر یہ ہوا کہ جمعرات اور جمعہ کا پورا دن نیند کی حالت میں گذرا، لیکن ہفتہ کے دن صبح سے پوری طرح ہوش وحواس کے عالم میں تھے۔

ان کے فقہی مقالات کا ایک مجموعہ ہم لوگوں نے ''مباحث فقہیہ'' کے نام سے مرتب کیا تھا، قاضی صاحب کی شدید علالت کے درمیان ہی اسے پریس کے حوالہ کیا گیا تھا ہاسپٹل میں جب امین عثمانی صاحب ان سے ملاقات کے لئے گئے تو انہوں نے اس کتاب کے بارے میں دریافت کیا، ہم لوگوں کی یہ کوشش تھی کہ کسی طرح یہ کتاب ان کی نظروں سے گذر جائے۔

میں اس دن فجر کے بعد ہاسپٹل پہنچا، اس دن بڑی بشاشت کے ساتھ گفتگو کی، میں نے کیفیت پوچھی تو کہنے لگے کہ حالت بہت ابتر ہے، اور منہ کھول کر بتایا جس میں دانے نکل آئے تھے، ڈاکٹر چوپڑا آئے تو مجھ سے کہا کہ ڈاکٹر صاحب سے ملاقات کرلو، پھر خود ہی تعارف کرایا کہ یہ میرا بڑا بیٹا ہے جو حیدر آباد میں رہتا ہے، اس وقت مولوی محمد امتیاز قاسمی ان کی خدمت میں تھے، ہاسپٹل کی طرف سے چائے آئی تھی، ان سے اصرار کر کے مجھے چائے پلائی پھر ''مباحث فقہیہ'' جو جمعرات کو ہی انہیں مل چکی تھی، ان سے میرے بارے میں کہا کہ اسے حوالہ کریں، میں نے کتاب کے سرورق کے بارے میں ان سے پوچھا کہ کیسا لگ رہا ہے؟ عینک منگوائی پہن کر غور سے دیکھا اور کہنے لگے کہ فرسٹ کلاس ہے، دوبارہ یہ بات کہی، پھر مجھ سے پوچھا کہ کب تک قیام ہے؟ میں نے عرض کیا کہ انشاء اللہ میں آپ کو لے کر ہی یہاں سے جاؤں گا، تو خوش ہوئے اور ماشاء اللہ کہا، پھر میری چچی کے بارے میں دریافت کیا کہ تمہاری چھوٹی اماں کیسی ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ بہتر ہیں، میں جب چلنے لگا تو مصافحہ کے لئے ہاتھ کھولا، میں نے ہاتھ پکڑا تو کہنے لگے،

جو کام میں نے شروع کئے ہیں ان کو پایہ تکمیل تک پہنچاؤ گے، پھر میں واپس آگیا، میں نے واپس ہونے کے بعد اپنے لڑکے ظفر سلمہ کو بھیجا، اس سے ملاقات کرنے کے بعد کہنے لگے کہ ایک سیکنڈ خالد کو بھیجو، بہت ضروری بات کرنی ہے، لیکن چوں کہ ڈائلیسس شروع ہونے والا تھا اس لئے ڈاکٹر نے دوبارہ ملاقات کی اجازت نہیں دی، اس دن تقریباً میرے خاندان کے وہ تمام افراد جو وہاں موجود تھے سبھوں نے ملاقات کی اور بہت اچھی گفتگو کرتے رہے، میڈیکل رپورٹ میں تو کوئی خاص فرق نہیں تھا، لیکن بظاہر ایسا لگتا تھا کہ صحت کی طرف وہ واپس آرہے ہیں۔

دوسرے دن پھر طبیعت میں گراوٹ آنے لگی، صحت میں مسلسل انحطاط کا سلسلہ جاری تھا، تقریباً دو ہفتہ پہلے سے گردہ فیل ہو چکا تھا، جس کی وجہ سے یوریا بڑھ جاتا اور روزانہ ہی ڈائلیسس کرنا پڑتا تھا، ہیموگلوبین نہ بننے کی وجہ سے روزانہ ہی تقریباً دو یونٹ خون چڑھانا ہوتا تھا، پلیٹ لیٹ کی کمی کی وجہ سے وقفہ وقفہ سے ناک سے کبھی منہ سے اور کبھی جسم کے دوسرے حصے سے خون بہنے لگتا تھا، اور روزانہ ہی باہر سے پلیٹ لیٹ کی ضرورت آپڑتی تھی، وفات سے چار دنوں پہلے پھیپھڑے نے بھی داغ فراق دینا شروع کیا، اور وینٹی لیٹر پر رکھنا پڑا، یہ گویا موت کا الارم تھا، کیوں کہ ایسا شاذ ونادر ہی ہوتا ہے کہ مریض اس مقام پر پہنچ کر واپس آجائے، مرض کی بگڑتی ہوئی صورتحال کو دیکھتے ہوئے ہم لوگوں نے ڈاکٹر چوپڑا سے ملاقات کی، ڈاکٹر نے کہا بعض لوگوں کی رائے تھی کہ وینٹی لیٹر پر نہ لایا جائے، لیکن اگر ایسا نہ کیا جاتا تو چند گھنٹہ بھی مریض کا بچنا دشوار تھا، مجھے خیال ہوا کہ اگر میں نے یہ آخری کوشش نہ کی ہوتی جو ہمارا پیشہ ورانہ فریضہ ہے، تو میرا ضمیر مجھے ہمیشہ ملامت کرتا، کہ تم نے ایک ''مہمان شخصیت'' کو بچانے کی آخری کوشش نہیں کی، ڈاکٹر کی گفتگو اور اس کے چہرے کے نقوش سے مایوسی اور ناامیدی پوری طرح عیاں تھی۔

اس کے بعد چوں کہ پھیپھڑے تک سانس لینے کے لئے مصنوعی نلکی پہنچائی گئی تھی، اس لئے ہونٹ بند کردیئے گئے تھے، بات چیت ممکن نہیں تھی، اور ایسا لگتا تھا کہ اب ہوش

وحواس بھی باقی نہیں ہے، پیر، منگل، اسی حال میں گذرا چہار شنبہ کو ایسا ہوا کہ جب ڈاکٹر نے آواز دیا اس سے ہم لوگوں کو ''ڈوبتے کو تنکے کا سہارا'' کا مصداق امید کی ایک کرن نظر آئی، اور خیال ہوا کہ ہوش وحواس کی کیفیت واپس آرہی ہے، لیکن دراصل اس کی حقیقت چراغ سحری کے بھڑکنے سے زیادہ نہیں تھی، قاضی صاحب کو بہت خون اور پلیٹ لیٹ چڑھایا گیا اور ان کے جاں نثاروں نے کبھی کوئی دشواری نہیں محسوس ہونے دی، لوگ دیوبند، سہارنپور، مرادآباد، علی گڑھ، کانپور، یہاں تک کہ پٹنہ تک سے آتے اور قاضی صاحب پر اپنا خون نچھاور کرتے، لیکن چہار شنبہ کی صبح سے پلیٹ لیٹ کے لئے خون کا مطلوبہ گروپ نہیں مل پارہا تھا، کتنے ہی لوگ آئے لیکن ان کا گروپ ناموزوں ثابت ہوا، ہم لوگ پریشان تھے، یہاں وہاں فون اور دوڑ دھوپ کرنے لگے لیکن یہ مشکل کسی طرح حل نہیں ہو پارہی تھی، میرے دل میں بار بار یہ خیال گذرتا تھا کہ کہیں یہ قدرت کی طرف سے اپنے بندے کو واپس بلانے کا ظاہری سبب تو نہیں ہے، لیکن یہ سب کچھ زبان پر لانے کی ہمت نہ ہوتی تھی، اور تصور وخیال سے بھی کلیجہ منہ کو آتا تھا، خدا خدا کرکے جناب وسیم صاحب کی کوششوں سے کسی طرح یہ مسئلہ حل ہوا، اللہ اللہ کرکے چہار شنبہ کا دن تمام ہوا۔

جمعرات کی صبح سے ہی بلڈ پریشر میں بہت زیادہ گراوٹ آنے لگی، یہ صورتحال بہت خطرہ کی تھی کیوں کہ گردہ اور پھیپھڑا پہلے سے ہی ساتھ چھوڑ چکا تھا، اب صرف قلب ہی کے سہارے زندگی اپنی آخری سانس لے رہی تھی، بی پی میں گراوٹ سے یہ بات ظاہر ہونے لگی کہ اب قلب کی کیفیت بھی متاثر ہورہی ہے، مصنوعی طور پر دواؤں کے ذریعہ بلڈ پریشر بڑھایا جاتا، لیکن کچھ وقفہ کے بعد پھر گرنے لگتا، جمعرات کو شام کے چار بجے سے حالت میں زیادہ گراوٹ آنے لگی، ایسا لگتا تھا کہ مسافر تھک چکا ہے، اور غروب آفتاب کا منتظر ہے کہ جوں ہی سورج کی تمازت انگیز کرنیں اپنی آنکھیں موندلیں وہ بھی اپنی بساط حیات لپیٹ کر دنیائے فانی کو الوداع کہے، میں اکیڈمی میں تھا، مغرب سے کچھ پہلے وہاں

سے نکلا، نماز مغرب ادا کی خبر آئی کہ فوراً ہسپتال آنا ہے، پھر غیر متوقع طور پر جناب امین عثمانی صاحب بھی آپہنچے عثمانی صاحب کے ساتھ ہاسپٹل پہنچا تو معلوم ہوا کہ جس حادثہ کو سننے کو نہ کان تیار تھا اور نہ قلب وذہن آمادہ، وہ حادثہ وقوع پذیر ہو چکا ہے، تدبیر نے آخر تقدیر کے سامنے سر تسلیم خم کر لیا ہے، حادثہ کے واقع ہونے کے باوجود دل ودماغ پر ایک عجب کیفیت تھی، لیکن میرا ذہن فوراً اس جانب منتقل ہوا کہ حادثہ شب جمعہ شروع ہونے کے بعد پیش آیا اس اہم انگیز گھڑی میں یہ خیال تسکین خاطر کا باعث ہوا۔

انتقال کی اطلاع ملتے ہی ہاسپٹل میں ایک جم غفیر جمع ہو گیا، اور مختلف تنظیموں اور متعدد تحریکوں کے نمائندے آگئے، ڈاکٹر منظور عالم صاحب، مولانا اسرار الحق صاحب، مولانا جلال الدین انصر عمری، نائب امیر جماعت اسلامی ہند، جناب رشید عثمانی، مولانا محمود مدنی ناظم جمعیۃ علماء ہند، مولانا عبد الوہاب خلجی جمعیۃ اہلحدیث، اور بہت سارے لوگ، طبیعتیں مضطرب، آنکھیں اشکبار، سب ایک دوسرے کی تعزیت کرتے ہوئے، اسی وقت ملک اور بیرون ملک سے تعزیتی فون اور فیکس آنے شروع ہو گئے، ہم لوگ لاش لے کر سیدھے ذاکر باغ پہنچے، لاش گھر کے اندر رکھی گئی، قاضی صاحب اسی کمرے میں محو خواب تھے جس میں وہ ہمیشہ سویا اور علمی کام کیا کرتے تھے، لیکن یہ ایسی نیند تھی جو قیامت تک ختم ہونے والی نہیں تھی، قاضی صاحب کے چہرے پر غیر معمولی طمانیت نمایاں تھی، معصومیت گویا چہرے سے پھوٹ رہی تھی، بال قریب قریب سیاہ تھے ایسا لگتا تھا کہ جیسے کوئی فرض شناس مزدور دن بھر اپنے مالک کا کام کر کے، گہری اور میٹھی نیند سو رہا ہو گھر میں چند ہی خواتین تھیں، میری چچی، ان کی ایک سگی اور ایک رشتہ کی بہن، میری اہلیہ، میرے چھوٹے بھائی کی اہلیہ، میری ایک پھوپھی زاد اور رضاعی بہن، میرے کچھ اعزہ جو دہلی میں رہتے ہیں، محترمہ حسینہ حاشیہ رکن آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ اور پڑوس کی چند خواتین ومرد حضرات زیادہ تھے، چنانچہ خواتین کے بعد انہیں دیدار کا موقع دیا گیا۔

رات تین بجے ہم لوگوں نے غسل دینا شروع کیا، غسل میں میں، میرے چھوٹے

بھائی ڈاکٹر مظفر الاسلام، میرے پھوپھی زاد بھائی جناب ارشد صاحب (جامعہ ملیہ دہلی) قاضی صاحب کے برادران نسبتی جناب علی مظہر اور وصی مظہر نیز مولانا وصی ناظم قاسمی (ناظم مدرسہ چشمۂ فیض ململ، بہار) شریک رہے، غسل دیتے وقت میرا دل بھر آیا، اور اندازہ ہوا کہ اس سے آخری ماہ میں قاضی صاحب نے کیسی شدید کلفت کتنے صبر و شکر کے ساتھ جھیلی ہے، قاضی صاحب کا پورا ہاتھ انگلیوں سے مونڈھوں تک، نیز کمر کا حصہ اور پنڈلیاں انجکشن اور دوسرے مصنوعی آلات لگانے کی وجہ سے چھلنی ہو چکا تھا، قاضی صاحب کی پنڈلی اتنی پُر گوشت اور موٹی تھی کہ جب ہم لوگ پاؤں دباتے تو پکڑ میں نہیں آتی تھی، لیکن اب صرف ہڈی اور چمڑا باقی رہ گیا تھا، اور بآسانی ایک مٹھی میں پکڑی جاسکتی تھی پلیٹ لیٹ کی کمی کی وجہ سے ناک وغیرہ سے خون کے جمے ہوئے ٹکڑے نکل رہے تھے اور پیٹ کا حصہ ایسا زخمی بنا ہوا تھا جیسے کسی کو گھسیٹنے کی وجہ سے ہو جایا کرتا ہے، ساڑھے چار بجے ہم لوگ غسل دے کر فارغ ہوئے، پھر خود غسل کیا، پانچ بجے سے فجر تک خواتین خانہ کو آخری دیدار کا موقع دیا گیا، ہم لوگ غسل سے فارغ ہو کر نماز فجر کو چلے گئے چھ بجے واپس ہوئے فجر کے ساتھ ہی شہر سے بہت سے معزز حضرات آ گئے تھے چنانچہ آدھا گھنٹہ مردوں کے لئے دیدار کا موقع رکھا گیا، راقم الحروف نے ڈاکٹر سے گفتگو کے بعد ظاہری حالات کو دیکھتے ہوئے دو روز پہلے ہی جناب امین عثمانی صاحب اور اسلامک فقہ اکیڈمی کے کچھ رفقاء جناب انیس اسلم صاحب، مولانا صفدر ندوی صاحب وغیرہ کے ساتھ ایک مختصر سی نشست رکھی تھی کہ اگر خدانخواستہ اس طرح کا حادثہ پیش آجائے تو لوگوں کو کس طرح اطلاع کی جائے اور اخبارات، ریڈیو، ٹی وی، ملک کی اہم شخصیتوں، اداروں اور تنظیموں، دہلی کی اہم شخصیتوں اور ہمارے اعزہ و اقارب کو نیوز، فون، فیکس وغیرہ کی ذمہ داریاں تقسیم کردی گئی تھیں اور دوسری ضروری ذمہ داریاں بھی مقرر ہو گئی تھیں اس قبل از وقت مشورے سے بڑا فائدہ ہوا اور آناً فاناً ہر جگہ اطلاع پہنچ گئی، ریڈیو اور ٹی وی نے ساڑھے سات ہی بجے سے خبریں نشر کرنا شروع کردیں، اس لئے

اردو اخبارات نے صفحہ اول پر نہایت نمایاں خبر تو شائع کی ہی، ساتھ ہی ساتھ انگریزی اور ہندی اخبارات نے بھی مختصر لیکن پہلے صفحہ پر خبر شائع کیا، فجر کے ساتھ ہی مولانا عبداللہ مغیثی، مولانا وقار صاحب (استاذ جامعہ مظاہر علوم وقف) نیز سہارنپور، دیوبند وغیرہ سے کئی اہل علم پہنچ گئے صبح ساڑھے چھ بجے ایک جم غفیر کے ساتھ جنازہ اٹھایا گیا کہ "عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے"۔

سات بجے ہم لوگ جامعہ ملیہ پہنچے جہاں نماز جنازہ کا اعلان تھا، بڑی تعداد میں لوگ موجود تھے، دہلی کے تمام مشاہیر اور ممتاز شخصیتیں، نیز مختلف تنظیموں اور جماعتوں کے نمائندے موجود تھے، دیوبند سے حضرت مولانا محمد سالم صاحب اور دارالعلوم سے بہت طلبہ بھی آچکے تھے، مولانا عبداللہ مغیثی جو قاضی صاحبؒ کے زمانہ طالب علمی کے ساتھی تھے انہوں نے نماز جنازہ پڑھائی، پھر وہاں سے میں، جناب کمال فاروقی، ڈاکٹر منظور عالم اور ایک دو حضرات لاش کو تابوت میں رکھنے اور میڈیکل طریقہ پر محفوظ کرانے ایک میڈیکل کالج گئے، ضروری کارروائی سے فارغ ہوتے ہوئے ساڑھے نو دس بج گئے، وہیں سے ہم لوگ ایئر پورٹ کے لئے چل پڑے، دارالعلوم دیوبند سے طلباء ایک بڑی بس ریزرو کر کے اس وقت پہنچے جب جنازہ کی نماز ہو چکی تھی اور ہم لوگ اگلی کارروائی کے لئے نکل چکے تھے، مجھے موبائیل پر اس کی اطلاع ملی، میں نے ان سے کہا کہ وہ ایئر پورٹ پر موجود رہیں اور ایئر پورٹ پہنچتے ہی نماز پڑھ لیں، چنانچہ دوسری نماز ایئر پورٹ پر ہوئی، یہاں مولانا محمد یعقوب صاحب استاذ مظاہر علوم وقف اور مولانا ضیاء الرحیم مجددی جے پور وغیرہ بھی آچکے تھے، مولانا یعقوب صاحب نے نماز پڑھائی، دہلی سے تقریباً تیس پینتیس اشخاص پٹنہ جا رہے تھے جن میں ہمارے اعزہ کے علاوہ ملی کونسل، اسلامک فقہ اکیڈمی اور انسٹی ٹیوٹ آف اوبجیکٹیو اسٹڈیز کے ذمہ داران وکارکنان بھی شامل تھے، بعض حضرات ہندوستان کے دوسرے شہروں سے دہلی ایئر پورٹ پر آگئے تھے، اور وہ بھی جنازہ کے ساتھ پٹنہ جا رہے تھے، ان میں مولانا

قاری محمد قاسم بھوپالی (مدراس) کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے۔
ساڑھے بارہ بجے سہارا کے اس جہاز نے پٹنہ کے لئے اڑان بھری، غالباً ڈیڑھ یا پونے دو بجے ہم لوگ پٹنہ ایئر پورٹ پر پہنچے ایئر پورٹ پر جناب لالو پرشاد یادو، محترمہ رابڑی دیوی چیف منسٹر بہار اوران کی کابینہ کے آٹھ وزراء کے علاوہ بہت سے ایم، پی، ایم ایل اے، سیاسی قائدین اور اعلیٰ سرکاری عہدیداران موجود تھے، حضرت مولانا سید نظام الدین صاحب امیر شریعت بہار، مولانا انیس الرحمٰن قاسمی ناظم امارت شرعیہ، مفتی نسیم احمد قاسمی ومولانا سہیل احمد ندوی نائب ناظم، مولانا محمد نور الحق رحمانی، مفتی محمد جنید ندوی، امارت شرعیہ کے اکثر ذمہ داران وکارکنان اور پٹنہ کے معززین پیکرِ الم بنے ہوئے تھے، ایئر پورٹ پر پہلے سے کچھ بسیں اور کاریں دربھنگہ کے لئے تیار رکھی گئی تھیں، زیادہ تر لوگوں کو ہم نے ان سواریوں کے ذریعہ ایئر پورٹ ہی سے دربھنگہ کے لئے روانہ کردیا۔
بہار گورنمنٹ نے پورے سرکاری اعزازات کے ساتھ جنازہ کا استقبال کیا، گارڈ آف آنر پیش کیا گیا، اور وہاں سے ایک کھلی ہوئی سرکاری گاڑی میں تابوت امارت شرعیہ کی جانب روانہ ہوا، واردین کے ہجوم وٹریفک کے ازدحام کی وجہ سے حکومت نے انیس آباد ہی میں ٹریفک کو روک دیا تھا اور سرکاری عہدیداران اور جوانوں کے ذریعہ پورے نظام کو کنٹرول کیا جارہا تھا، کسی طرح ہم لوگ امارت شرعیہ کے احاطہ میں پہنچے، امارت کا احاطہ، سامنے کی سڑک دور دور تک تاحد نگاہ لوگوں سے بھری ہوئی تھی، بعض لوگوں نے بتایا کہ بلاک تک یعنی تقریباً آدھا کلومیٹر تک کے علاقہ میں نماز جنازہ کی صفیں تھیں، چاروں طرف مکانات کی چھتوں پر لوگ تابوت کو ایک نظر دیکھنے کے لئے بیتاب کھڑے ہوئے تھے، پہلے سے پروگرام تھا کہ چہرہ کھول کر دکھایا جائے گا لیکن بے قابو اور کثیر ہجوم کی وجہ سے رائے تبدیل کرنی پڑی، امارت شرعیہ کے کارکنوں اور پولیس جوانوں کے علاوہ خود لالو پرشاد مجمع پر قابو پانے کی کوشش کررہے تھے، لیکن ساری کوششیں بے سود ثابت ہوئیں یہاں دوبارہ گارڈ آف آنر پیش کیا گیا، حضرت مولانا سید نظام الدین

صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی، اور بڑی مشکل سے لوگ تابوت کو احاطہ کے باہر اور گاڑی تک لا سکے، ہندوستان کے مختلف شہروں اور خاص کر کلکتہ اور لکھنؤ وغیرہ سے پٹنہ ہی آ کر لوگوں نے نماز جنازہ ادا کی، مولانا محمد برہان الدین سنبھلی، مولانا عتیق احمد بستوی، حکیم محمد عرفان حسینی وغیرہ پٹنہ ہی میں شریک نماز ہوئے۔

حکومت بہار نے بہار کے مایہ افتخار حضرت قاضی صاحب کی شخصیت کا اعتراف کرتے ہوئے بہار میں ایک دن کے سرکاری سوگ کا اعلان کیا، اور جنازہ کے لئے تمام سہولتیں فراہم کیں جن میں ایک اہم سہولت یہ تھی کہ پٹنہ سے دربھنگہ کے لئے خصوصی ہیلی کاپٹر کا انتظام کیا گیا تابوت گاڑی پر رکھا گیا اور ایئر پورٹ کی سمت روانہ ہوا، میرے نام کا بار بار اعلان ہو رہا تھا، لیکن ازدحام کی وجہ سے میرا وہاں تک پہنچنا ممکن نہ ہو سکا، بہار وقف بورڈ کے ایک شیعہ رکن نے میری مجبوری کو دیکھتے ہوئے مدد کی اور اپنی سرکاری گاڑی پر مجھے لے کر ایئر پورٹ پہنچے، میں پسینہ میں شرابور تھا، ایئر پورٹ ہی پر دو چار لوٹا پانی اپنے جسم پر ڈالا کپڑے تبدیل کئے ساڑھے تین بجے ہم لوگ ہیلی کاپٹر پر سوار ہو گئے یہ سات نشستی ہیلی کاپٹر تھا جس میں کیپٹن اور اس کے معاون کے علاوہ حضرت مولانا سید نظام الدین صاحب، مولانا انیس الرحمان قاسمی، جناب عبد الباری صدیقی، کابینی وزیر بہار اور محمد وسیم صاحب سوار ہوئے، جناب لالو پرشاد ہیلی کاپٹر کو رخصت کرنے آئے تو ان کی آنکھیں نم تھیں، میں نے شکریہ ادا کیا تو کہنے لگے کس بات کا شکریہ، ان کے وشواس سے ہم نے بہت طاقت پائی تھی، اس دوڑ بھاگ میں جمعہ تو کیا ظہر کی نماز بھی نہ پڑھ پائی تھی، چنانچہ ہیلی کاپٹر میں ہی بیٹھے بیٹھے نماز ظہر ادا کی، نصف گھنٹہ بعد ہی ہم لوگ دربھنگہ ایئر پورٹ پر پہنچ گئے، یہ اصل میں ایئر فورس کا ہوائی اڈہ تھا، وہاں کچھ سرکاری عہدیداران اور کچھ قاضی صاحب کے سسرالی اعزہ موجود تھے، اور حکومت بہار کی طرف سے ہر طرح کے ضروری انتظامات فراہم تھے، ہم لوگ پانچ بجے قاضی صاحب کی سسرالی محلہ مہدولی پہنچ چکے تھے، نماز کا اعلان بعد عصر کا تھا لیکن صورت حال یہ تھی کہ

اسی وقت بہت بڑا ازدحام جمع ہو چکا تھا، تقریباً ایک کلو میٹر دوری پر ٹریفک کو روک دیا گیا تھا اور اعلیٰ سرکاری عہدیداران کے علاوہ کسی کی گاڑی کو آگے آنے کی اجازت نہیں تھی، لیکن آنے والوں کا ایک تانتا سا بندھا ہوا تھا اور پولیس مجمع پر قابو پانے میں دقت محسوس کر رہی تھی، یہاں بھی حکومت کی جانب سے گارڈ آف آنر پیش کیا گیا۔

قاضی صاحب کے مکان کے چھوٹے سے احاطہ میں لوگ اس قدر بھر گئے تھے کہ تل رکھنے کی جگہ نہیں تھی، بڑی مشکل سے ہم لوگ تابوت کو اندر کے حصے میں لائے مکان خواتین سے بھرا ہوا تھا، لائن بنا کر خواتین کو دیدار کا موقع دیا گیا، اس کے بعد لاش باہر کے احاطہ میں لائی گئی پولیس اور نوجوانوں کی مدد سے زنجیری لائن بنائی گئی، تابوت کو ایک تخت پر رکھ دیا گیا لوگ ایک طرف سے آتے اور دیکھتے ہوئے دوسری طرف سے نکل جاتے، عصر سے عشاء تک یہ سلسلہ رہا، گورنمنٹ کی طرف سے جنریٹر کا مناسب انتظام تھا اور مکان سے تقریباً دو کلو میٹر تک کے حصوں میں روشنی کا نہایت بہتر نظم کیا گیا تھا۔

نماز جنازہ کا اعلان عصر بعد ہی کا تھا لیکن پٹنہ سے روانہ ہونے والی بسیں اور گاڑیاں آٹھ بجے شب کے بعد ہی پہنچ سکیں، نیز مختلف علاقوں سے اہم شخصیتوں کے فون آرہے تھے کہ وہ لوگ راستہ میں ہیں نماز کو کسی قدر مؤخر کیا جائے، چنانچہ آٹھ بجے شب جنازہ اٹھایا گیا اور دریائے باگھمتی کے کنارے سی ایم کالج کے وسیع وعریض میدان میں جنازہ لایا گیا، شمال وجنوب اور مشرق میں تاحد نگاہ نمازیوں کی صفیں تھیں اور صفوں کا کنارہ نظر نہ آتا تھا، محتاط اندازہ کے مطابق ڈیڑھ تا دو لاکھ کا مجمع نماز جنازہ میں شریک تھا، پورے میدان میں روشنی کا معقول انتظام تھا، صفوں کو درست کرنے ہی میں آدھا گھنٹہ لگ گیا، مفتی نسیم احمد صاحب، نائب ناظم امارت شرعیہ نے اس موقع سے چند منٹ مؤثر خطاب کیا، اور اس سے مجمع کو پُرسکون بنانے میں مدد ملی، راقم الحروف نے نماز جنازہ پڑھائی، اور پھر جنازہ اس احاطہ میں واپس لایا گیا، جہاں قاضی صاحب کا مکان اور جس کے ایک گوشہ میں ان کے حسب وصیت قبر بنائی گئی تھی۔

تابوت کا بالائی تختہ نکالنے کے بعد اندر ٹین کا بکس تھا جس میں لاش رکھی گئی تھی اس بکس میں چہرے کے حصہ پر گلاس لگا ہوا تھا جس سے صاف طریقہ پر میت کی صورت دیکھی جاسکتی تھی، اسی گلاس سے لوگ دیدار کیا کرتے تھے، اب اسٹیل کے صندوق کو کاٹ کر لاش باہر نکالنے کا مسئلہ تھا، اور لوگوں کے ہجوم کی وجہ سے اس کام میں بڑی دقت پیش آرہی تھی کسی طرح اللہ اللہ کر کے یہ مرحلہ تمام ہوا، اور لاش مسنون طریقہ پر قبلہ کی جانب سے قبر میں اتاری گئی، راقم الحروف کے علاوہ میرے چھوٹے بھائی ڈاکٹر مظفر الاسلام، قاضی صاحب کے بڑے برادر نسبتی جناب ولی صاحب کے علاوہ جناب علی مظہر اور کچھ دیگر اعزہ نے لاش کو قبر میں اتارا، اس طرح رات کے گیارہ ساڑھے گیارہ کے درمیان ہم لوگ تدفین سے فارغ ہوئے۔

تدفین میں بہار کی تو قریب قریب تمام ہی اہم شخصیتیں اور علاقہ کے خواص وعوام موجود تھے، حضرت امیر شریعت مولانا سید نظام الدین صاحب، امارت شرعیہ کے دوسرے ذمہ داران وکارکنان، مولانا سید محمد ولی رحمانی، سجادہ نشین خانقاہ رحمانی مونگیر، اور بیرونی صوبہ کے لوگوں میں مولانا حکیم عرفان حسینی (کلکتہ)، مولانا محمد برہان الدین سنبھلی ومولانا عتیق احمد بستوی، اساتذہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، مفتی انور علی جامعہ مفتاح العلوم مئو، اور مختلف حضرات شریک تھے، میرے محترم دوست مولانا عبید اللہ اسعدی صاحب کو کسی قدر تاخیر سے اطلاع ہوئی اس لئے نہ پٹنہ میں شریک نماز ہوسکے نہ دربھنگہ میں لیکن تدفین میں شریک ہوگئے، تدفین سے فارغ ہونے کے بعد قبر کے سرہانے سورہ بقرہ کا ابتدائی رکوع عزیز مولانا محمد حبیب سلمہ نے اور پائتی کی طرف مفتی محمد جنید صاحب (مفتی امارت شرعیہ) نے سورہ بقرہ کا آخری رکوع پڑھا، پھر حضرت مولانا محمد قاسم صاحب مظفر پوری نے رقت انگیز دعا کرائی، اب تک میں نے اپنے آپ پر پوری طرح قابو رکھا تھا گو اندر سے طبیعت ٹوٹ چکی تھی لیکن انتظام وانصرام کے بوجھ نے ذہن کو مشغول کر رکھا تھا، لیکن اب طبیعت بے قابو ہوگئی خاص کر جب ڈاکٹر منظور

عالم صاحب اور مولانا محمد قاسم صاحب سے بغل گیر ہوا، تو قاضی صاحب سے ان کے خصوصی تعلق کی بناء پر صبر کا باندھ ٹوٹ گیا اور ضبط کی کوشش کے باوجود میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

تدفین سے فارغ ہونے کے بعد مجھے وہ اشعار یاد آئے جو شورش کاشمیری مرحوم نے مولانا ابوالکلام آزادؒ کی تدفین کے موقع پر بے ساختہ کہے تھے: ؎

عجب قیامت کا حادثہ ہے، کہ اشک ہیں آستیں نہیں ہے
زمیں کی رونق چلی گئی ہے، افق پہ مہر مبیں نہیں ہے
تری جدائی میں مرنے والے! وہ کون ہے جو حزیں نہیں ہے
مگر تری مرگِ ناگہاں کا، مجھے ابھی تک یقیں نہیں ہے

اگرچہ حالات کا سفینہ، اسیرِ گرداب ہوچکا ہے
اگرچہ منجدھار کے تھپیڑوں سے قافلہ ہوش کھوچکا ہے
اگرچہ قدرت کا ایک شہکار آخری نیند سوچکا ہے
مگر تری مرگِ ناگہاں کا مجھے ابھی تک یقیں نہیں ہے

کئی دماغوں کا ایک انساں، میں سوچتا ہوں کہاں گیا ہے؟
قلم کی عظمت اجڑ گئی ہے، زباں سے زورِ بیاں گیا ہے
اُتر گئے منزلوں کے چہرے، امیر کیا؟ کارواں گیا ہے
مگر تری مرگِ ناگہاں کا مجھے ابھی تک یقیں نہیں ہے

یہ کون اٹھا کہ دیر وکعبہ، شکستہ دل، خستہ گام پہنچے
جھکا کے اپنے دلوں کے پرچم، خواص پہنچے، عوام پہنچے
تری لحد پر خدا کی رحمت، تری لحد کو سلام پہنچے

مگر تری مرگِ ناگہاں کا مجھے ابھی تک یقیں نہیں ہے

قاضی صاحب کے بارے میں کئی حضرات نے ایسے خواب دیکھے جوان کے حسن انجام کو ظاہر کرتے ہیں، مولانا محمد عباس قاسمی (استاذ دار العلوم سبیل الفلاح جالے) نے دیکھا کہ آپ بنیائن اور لنگی پہن کر ایک چار پائی پر بیٹھے ہیں اور ہشاش وبشاش، خوش وخرم ہیں، اور کہہ رہے ہیں کہ اب میں پوری طرح صحت یاب ہو چکا ہوں، دار العلوم حیدر آباد کے ایک استاذ مولانا احمد اللہ بختیاری نے فجر سے پہلے دیکھا کہ ایک ہرا بھرا سرسبز وشاداب باغ ہے، جس میں بچے کھیل رہے ہیں قاضی صاحب بھی ایک چھوٹے بچے کی شکل میں کھیل رہے ہیں، ظاہر ہے یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عفو ودرگذر اور حسن انجام کی طرف اشارہ ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ دعوت وتحقیق اور دین کی حفاظت واشاعت کی راہ میں آبلہ پائی کرنے والے اس تھکے ماندے مسافر کو راحت وشادکامی کی منزل مراد میسر آئے، اور اسی کی امید ہے۔

ربنا تقبل منا إنک أنت الغفور الرحیم.

(بشکریہ "سہ ماہی حسامی" حیدر آباد)

• • •

حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی کی وفات پر دارالعلوم الاسلامیہ بستی میں

جلسۂ تعزیت

حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے انتقال کی خبر ملتے ہی دارالعلوم الاسلامیہ بستی کے وسیع ہال میں ایک تعزیتی جلسہ کا انعقاد کیا گیا جس میں مفتی شکیل احمد سیتاپوری نے قاضی صاحب کی زندگی پر مختصر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ قاضی صاحب کی وفات ملت اسلامیہ کے لئے ایک نا قابل تلافی نقصان ہے، عالم اسلام ایک مایۂ ناز عالم اور وسیع النظر مفکر سے محروم ہوگیا اور مولانا ظہیر انوار قاسمی نے قاضی صاحب کی موت پر اظہار افسوس کرتے ہوئے کہا کہ قاضی صاحب کے انتقال سے علمی حلقہ میں جو خلاء پیدا ہوگیا ہے اس کا پر ہونا دشوار ہے، قاضی صاحب بلاشبہ علم کے پہاڑ تھے مگر ساتھ ہی سراپا تواضع وانکسار بھی تھے وہ بانی دارالعلوم حضرت مولانا محمد باقر حسین صاحب کے ہمعصروں میں سے تھے۔ دارالعلوم بستی سے ان کا گہرا تعلق تھا۔ مولانا محمد اسعد قاسمی نے جلسہ میں اظہار غم کرتے ہوئے کہا کہ قاضی صاحب علماء دیوبند کی آبرو تھے تمام اسلامی علوم فنون پر ان کو کامل دسترس حاصل تھی خاص طور پر اسلامی قوانین پر ان کی گہری نظر تھی تمام عمر مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر لانے کی جد وجہد کرتے رہے۔ ملت کے ہر درد وغم پر ہمیشہ فکر مند نظر آئے، جلسہ تعزیت میں اظہار غم کرنے والوں میں مولانا نثار احمد قاسمی اور مولانا محمد اسجد قاسمی ندوی اور مولانا عبدالجلیل ندوی بھی تھے، حضرت مولانا محمد باقر حسین صاحب ان کی شدتِ علالت کی خبر سن کر ایک یوم قبل ہی دہلی تشریف لے جاچکے تھے۔

دارالعلوم میں قرآن کریم ختم کرا کے قاضی صاحب کے لئے ایصال ثواب اور دعائے مغفرت بھی کرائی گئی۔

دارالعلوم الاسلامیہ بستی میں

حضرت مولانا محمد رابع حسنی ندوی ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ کا اہم خطاب

ترتیب: عبدالجلیل ندوی

۴ ربیع الثانی ۱۴۲۳ھ مطابق ۱۶ جون ۲۰۰۲ء کو دارالعلوم الاسلامیہ کی دعوت پر حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ناظم ندوۃ العلماء کا بستی کا سفر ہوا، اس کاروان سفر میں مولانا سید واضح رشید ندوی صاحب ایڈیٹر "الرائد" و معتمد کلیۃ اللغۃ العربیۃ و آدابہا دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ اور سابق پروفیسر جامعہ ملیہ و موجودہ صدر مرکز علمی ڈاکٹر سید محمد اجتباء ندوی صاحب اور الحاج عبدالرزاق صاحب شریک تھے۔ مولانا کی تشریف آوری کا مقصد دارالعلوم کی مجلس شوریٰ میں شرکت تھا، لہٰذا اولین ترجیح میٹنگ کی رہی، میٹنگ دس بجے دن سے شروع ہو کر بارہ بجے دن میں ختم ہوئی، اسی دن بعد عصر متصلاً حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کا اساتذہ سے دارالعلوم کے مہمان خانہ میں خصوصی خطاب ہوا، انھوں نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ میں بھی آپ حضرات کی طرح ایک مدرس ہوں، تقریباً پچاس سال سے تدریس میرا مشغلہ رہا ہے اور اب بھی تدریسی خدمت انجام دے رہا ہوں، اگرچہ کچھ نظم کی ذمہ داریاں میرے ساتھ ہیں، میں اپنے تجربہ کی روشنی میں آپ سے کہنا چاہتا ہوں کہ انسان کا مزاج ایک تو نسلی و فطری ہوتا ہے، اس کے مزاج میں اس کے ماں باپ، گھر و خاندان کا اثر ہوتا ہے، دوسرا مزاج انسان کا وہ ہوتا ہے جو اس کے مسلسل کسی پیشہ سے یا کسی فن کے اختیار کرنے سے بنتا ہے، اگر کسی کا پیشہ تدریس ہے تو اس کا تدریسی مزاج اس میں ہمیشہ نمایاں رہتا ہے، چاہے بعد میں اس نے تدریس کے علاوہ کوئی اور میدان کیوں نہ اپنا لیا ہو، مولانا نے دوران خطاب یہ بھی فرمایا کہ میں بحیثیت مدرس آپ کو یاد دلانا چاہتا ہوں کہ معلم کا منصب ہر قوم میں ہمیشہ قابل احترام رہا ہے، مدارس اسلامیہ کی نسبت جس طرح مدرسۂ صفہ سے ہے اسی طرح معلم کی نسبت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اس لئے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معلم بنا کر بھیجا گیا ہے رسول ایک قوم تیار کرتا ہے اور معلم ایک نسل تیار کرتا ہے، آپ کا درجہ دنیا میں بھی بلند و ارفع ہے اور آخرت میں بھی۔

تعلیم گاہوں میں چاہے وہ دینی تعلیم گاہیں ہوں یا عصری، بنیادی چیز تعلیم اور اس کا شعبہ ہے، باقی شعبے تو ضمنی اور فروعی حیثیت کے ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو یہ نعمت عنایت کی ہے وہ قابل قدر ہے اس نعمت کی آپ حضرات قدر کریں، اگر کوئی کسی نعمت کی ناقدری کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا یہ دستور رہا ہے کہ وہ نعمت اس سے چھین لیتا ہے جس کا اسے بسا اوقات احساس بھی نہیں ہوتا۔

مولانا نے زور دے کر فرمایا کہ آپ اپنی ذمہ داری محسوس کریں اور طلبہ کی تعلیم و تربیت میں اپنی پوری دلچسپی کا ثبوت دیں چاہے ماحول کیسا بھی ہو، آپ ماحول سے متاثر ہو کر اپنی ذمہ داری میں کسی طرح کی کوتاہی نہ کریں۔ محنت کے بعد جب آپ اس کا مفید نتیجہ دیکھیں گے تو آپ کو ایک اندرونی فرحت و مسرت حاصل ہوگی جو کسی اور کو کسی دوسرے پیشہ میں حاصل نہیں ہوتی، اگر آپ نے ایک طالب علم کو بھی لائق اور صحیح انسان بنا دیا تو آپ کامیاب سمجھے جائیں گے، آپ کی ذمہ داریاں زیادہ ہیں آپ پوری یکسوئی اور توجہ سے طلبہ کی تعلیم و تربیت میں اپنے آپ کو مصروف رکھیں آپ کی توجہ تعلیم کے علاوہ کسی اور کام پر نہیں صرف ہونی چاہئے، نیز آپ اس سے ہرگز مایوس نہ ہوں کہ سارے طلبہ آپ کے معیار پر نہیں اتر پا رہے ہیں، آپ کا اپنا کام اپنی ذمہ داری اور مسئولیت کی صحیح طور پر ادائیگی ہے۔

اس خصوصی مجلس میں حضرت مولانا سید واضح رشید ندوی صاحب استاذ ندوۃ العلماء لکھنؤ بھی موجود تھے۔ جو دارالعلوم الاسلامیہ بستی کے مجلس شوریٰ کے ممبر بھی ہیں۔ بعد مغرب متصلاً مہمان محترم حضرت مولانا محمد رابع حسنی ندوی، حضرت مولانا سید واضح رشید ندوی صاحب، ڈاکٹر سید محمد اجتباء ندوی صاحب کے اعزاز میں دارالعلوم کے وسیع ہال میں ایک جلسہ منعقد کیا

گیا، جس کی نظامت مولانا محمد امجد قاسمی ندوی نے کی، جلسہ کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا، اس کے بعد طلبہ کا اردو، عربی میں ثقافتی پروگرام ہوا، بعد میں مجمع کو سب سے پہلے خطاب ڈاکٹر سید محمد اجتباء ندوی صاحب نے کیا، ڈاکٹر صاحب نے بانی دارالعلوم بستی حضرت مولانا محمد باقر حسین صاحب کی شخصیت کا ایک اچھوتے انداز میں تعارف کراتے ہوئے کہا "کہ مولانا کے اندر اولوالعزمی، اخلاص، خشیت وتقویٰ جیسی اہم صفات جو ایک بڑے کردار کے آدمی میں ہونی چاہئیں بدرجہ اتم موجود ہیں، مولانا کے اندر ہمیشہ کچھ کرڈالنے کا جذبہ رہا ہے، مولانا نے اپنی اولوالعزمی، بلند حوصلگی، دلسوزی کے ساتھ دارالعلوم کو اس طرح پروان چڑھایا جس کی مثال مدارس کی تاریخ میں کم ملتی ہے، مولانا نے دارالعلوم کی ترقی کی راہ میں جتنی بھی رکاوٹ ومشکلات آئیں ان کا ڈٹ کر مقابلہ کیا، جس کا نتیجہ ہے کہ آج دارالعلوم ایک تناور درخت کی شکل میں آپ کے سامنے موجود ہے، ہم اور آپ مولانا سے سبق حاصل کریں اور اپنے اندر اسی طرح کا عزم وحوصلہ پیدا کرنے کی کوشش کریں"۔

ڈاکٹر سید محمد اجتباء ندوی نے طلبہ کو خاص طور سے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ قنوطیت اور احساس کمتری کا ہرگز شکار نہ ہوں، آج وہ لوگ بھی جو آپ کو اس مادی دور میں غیر مفید اور ناکارہ سمجھتے تھے مفید اور کارآمد سمجھنے لگے ہیں، اور حقیقت بھی یہ ہے کہ آپ دنیا وآخرت دونوں میں مفید اور کارآمد ہیں۔

مولانا سید واضح رشید ندوی نے اپنے گہرے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ میں یہاں آکر اور دارالعلوم الاسلامیہ کو دیکھ کر بیحد متاثر ہوا اور مجھے دو باتوں کا خاص طور پر احساس ہوا، ایک تو یہ کہ مولانا محمد باقر حسین صاحب کے خلوص، جدوجہد، محنت، جگرسوزی، عزم، حوصلہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل واحسان ہے کہ وہ اپنے لگائے ہوئے درخت کو اپنے ہی سامنے تناور پھلدار اور بارآور دیکھ رہے ہیں، جس سے طلبہ اور دوسرے لوگ مستفیض ہورہے ہیں، ایسا بہت کم دیکھنے میں آیا ہے کہ کسی نے اس طرح کا کوئی کام کیا ہو اور اس کی زندگی میں اس کے مفید نتائج بھی وجود پذیر ہوئے ہوں، بہت کم لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس طرح کا خصوصی فضل حاصل ہوتا ہے، اتنے بڑے کام کے لئے کافی مدت اور وقت درکار رہتا ہے، مولانا کی اولوالعزمی اور انتہائی جدوجہد اور حالات سے مقابلہ کرنے کی بے پناہ صلاحیت نے آج اس ادارہ کو ہندوستان کے معروف اداروں کی صف میں لاکھڑا کردیا ہے، آپ حضرات ان کی خوبیوں سے فائدہ اٹھائیں اور اپنے آپ کو انہیں جیسا بلند حوصلہ اور صاحب عزم بنائیں۔ دوسری بات جو میں نے محسوس کی وہ یہ کہ طلبہ کی اتنی بڑی تعداد جو میرے وہم وگمان میں بھی نہ تھی دیکھ کر حیرت بھی ہوئی اور مسرت بھی، اس مدرسہ میں اتنی کثیر تعداد میں طلبہ زیر تعلیم ہیں، میں تو یہ سمجھتا رہا کہ یہ طلبہ نہیں بلکہ ان کی صورت میں فرشتے ہیں جو یہاں میرے سامنے موجود ہیں، طلبہ کی یہ بڑی تعداد اور دارالعلوم میں تعلیم حاصل کرنے کا رجحان اس کے روشن مستقبل کی واضح دلیل ہے۔

اجلاس کے آخر میں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ "نطق وکلام انسان کی امتیازی خصوصیت ہے، اللہ تعالیٰ نے انسان کو حالات کے مطابق گفتگو کرنے کا سلیقہ سکھایا جب یہ صلاحیت اپنے درجہ کمال کو پہنچ جاتی ہے تو انسان اس کے ذریعہ زمانہ کا رخ بدل دیتا ہے، طلبہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ کی تعلیم کا اہم مقصد اس کی دعوت وتبلیغ ہے جو زبان وقلم ہی کے ذریعہ ممکن ہے آپ کو چاہئے کہ آپ اپنی متکلمانہ صلاحیت کو ان مواقع سے فائدہ اٹھا کر پختہ کرلیں۔ انشاء اللہ آپ مستقبل میں ایک بڑے داعی بن سکتے ہیں۔ اس دور میں ایسے داعی ومبلغ کی شدید ضرورت ہے جو اسلام اور اس کی دعوت کو زبان وقلم کے ذریعہ دور حاضر کے تقاضوں کے مطابق پیش کرسکے"۔ اس جلسہ میں خاص طور پر حضرت مولانا محمد باقر حسین صاحب مہتمم وبانی دارالعلوم الاسلامیہ بستی، حضرت مولانا ظہیر انوار صاحب قاسمی، حضرت مولانا محمد اسعد صاحب قاسمی، حضرت مولانا نثار احمد صاحب مظاہری، حضرت مولانا حفیظ اللہ صاحب قاسمی، مولانا محمد سالم صاحب قاسمی اور مولانا شہاب الدین ندوی صاحب نیز دیگر متعدد علماء کرام موجود تھے۔ جلسہ کا اختتام حضرت مولانا محمد رابع حسنی ندوی کی دعا پر ہوا۔



دارالعلوم کی درسگاہوں کا ایک دلفریب منظر



سہ منزلہ دارالاقامہ (ہوسٹل) کا ایک خوبصورت منظر

Quarterly

FIKR-E-ISLAMI

عظیم کام کی توفیق

دارالعلوم الاسلامیہ بستی (اترپردیش) مدت سے یہاں حاضری کی تمنا تھی، لیکن یہ سعادت مؤرخہ ۱۲ر جون ۱۹۹۳ء کو حاصل ہوسکی، اور مسلسل تین دن قیام کا موقع ملا، ان تین ایام میں مدرسہ کے اساتذہ، طلبہ، کتب خانہ کو دیکھنے کا موقع ملا، رفیق محترم حضرت مولانا محمد باقر حسین صاحب دامت برکاتہم بانی ومہتمم دارالعلوم خوش قسمت ہیں، جن کو اللہ تعالی نے اس عظیم کام کی توفیق عطا فرمائی، بصرف چند برسوں میں اس ادارہ کو تاسیس سے ترقی کے ان مرحلوں تک پہونچنے میں موصوف کا کتنا خون جگر خرچ ہوا ہوگا اس کا اندازہ انھیں لوگوں کو ہوسکتا ہے جو اس طرح ٹھوس تعمیری کاموں میں مشغول رہے ہیں۔

مدرسہ میں داخل ہوکر پہلی نظر میں طلبہ کی بڑی تعداد اور پھر عظیم الشان عمارت کو دیکھ کر تو ہر کس وناکس متاثر ہوتا ہے، لیکن آج کے اس دور انحطاط میں اور علمی استعداد کے فقدان کے اس زمانہ میں مدرسہ کے طلبہ کی ٹھوس علمی استعداد کو دیکھ کر جو دلی مسرت مجھے حاصل ہوئی، اور طلبہ کی دینی ماحول میں تربیت کو دیکھ کر جو مسرت ہوئی اس کے اظہار کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔

مدرسہ کی موجودہ عمارت سو سے زیادہ کمروں پر مشتمل ہے، جن میں تقریباً پانچ سو پچاس طلبہ کی رہائش ہے، دارالاقامہ سے باہر رہنے والے طلبہ کی تعداد اس سے زائد ہے، اساتذہ اور عملہ کی تعداد ۶۵ ہے، سالانہ عمومی اخراجات تقریباً اٹھارہ لاکھ ہیں، مدرسہ کی ایک جدید اور وسیع وعریض عمارت زیر تعمیر ہے، اللہ اسے پورا فرمائے، دارالعلوم کی متعدد شاخیں بھی سرگرم عمل ہیں جن کے بڑے اخراجات کی کفالت مدرسہ کی طرف سے کی جاتی ہے۔

کتب خانہ کی عمارت ابھی نہیں تیار ہوئی ہے، لیکن کتب خانہ بہت اچھا ہے، اور غیر معمولی علمی ذخیرہ موجود ہے، جو علمی، تحقیقی کام کے لئے بہت کافی ہے۔

میں اس دارالعلوم کی ترقی کے لئے صمیم قلب سے دعا گو ہوں، اور تمام اہل خیر سے تعاون کی اپیل کرتا ہوں۔

(حضرت مولانا قاضی) مجاہد الاسلام صاحب قاسمی دامت برکاتہم

صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

۲۳ر ذی الحجہ ۱۴۱۳ھ مطابق ۱۵ر جون ۱۹۹۳ء

Markaz-e-Dawat-o-Irshad Darul Uloom Al Islamia

Basti-272001 U.P. India, Phone : (05542)-82893, 82458